تغلق عہد کے غیر معروف فارسی شعراء کے کلام کی جمع و تدوین

تلخیص

مقالہ

پی ایچ۔ڈی

نگراں

پروفیسر ماریہ بلقیس

مقالہ نگار

نصرت انصاری





شعبۂ فارسی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۲۰۰۹ء

تغلق عہد کے غیر معروف فارسی شعراء کے کلام کی جمع وتدوین

تیرہویں چودویں صدی کا دور ہندوستان کی تاریخ میں اپنی مذہبی، ادبی، تہذیبی، تمدنی، سماجی اور ثقافتی خدمات کے سبب کافی اہمیت رکھتا ہے۔ خاص کر تغلق دور مذکورہ بالا خدمات کے لئے نا قابلِ فراموش ہے۔ اسی زمانے میں شمال وجنوب کے فاصلے سمٹ گئے اور نہ صرف تمام ہندوستان ایک علم کے زیرِ سایہ جمع ہوا بلکہ تغلق سلاطین کی نیک نیتی اور رحم دلی کے سبب نسل پرستی اور فرقہ واریت تعصب کا بھی کسی حد تک خاتمہ ہوا۔

تغلق سلاطین میدان حرب کے ہی مرد مجاہد نہیں تھے، بلکہ وہ تمام علوم وفنون کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی دشوار گذار راہوں سے بھی مکمّل آشنا تھے۔ بالخصوص تغلق خاندان کے دو بادشاہ محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق اس عہد کے اہم ترین اور نامور حکمراں تھے۔ غیاث الدین کو اپنے دور حکومت میں ملک میں برپا بغاوتوں کا خاتمہ کرنے کی وجہ سے علم وادب کی خدمات کرنے کا موقع فراہم نہیں ہوسکا البتہ اپنے عہد کے علماء، فضلا، شعراء وادبا کا بڑا قدردان تھا اور اسکی اس قدرومنزلت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اسکے عہد کے مشہور ترین شاعر امیر خسرو نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''تغلق نامہ'' اس بادشاہ کے نام معنون کی ہے۔ اور اسی دور کے دوسرے مشہور ترین صوفی بزرگ اور شاعر بوعلی قلندر پانی پتی نے اس بادشاہ کی مدح میں ایک قصیدہ نظم کیا ہے۔ اگر چہ غیاث الدین تغلق سابقہ سلاطین کی مانند علم و ادب کی ترویج کی روایت کی جانب توجہ نہیں دے سکا تھا لیکن اس روایت کو اسکے جانشین محمد بن تغلق نے ضرور قائم رکھا۔ علم دوستی اور ادب پرستی کی جس شمع کو محمد بن تغلق نے روشن کیا تھا اس نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد کو بھی روشن ومنوّر کیا۔

محمد بن تغلق خود ایک عربی النسل شخص تھا، لیکن باوجود یہ کہ اس نے فارسی زبان وادب کی جو خدمات انجام دیں اسکی نظیر تمام عالمِ اسلام میں بہت کم نظر آتی ہے۔ اس نے نہ صرف ایک بہادر سپاہی کے فرائض انجام دیئے بلکہ وہ اپنے زمانہ کا زبردست عالم وفاضل بادشاہ بھی تھا۔ محمد بن تغلق نے انتہائی کم سنی میں نہ صرف اپنے عہد کے متداول علوم وفنون میں مہارت وقدرت حاصل کی بلکہ اس نے قرآن مجید بھی حفظ کیا۔ اسکی حکومت کے شروع کے چند سال نہایت امن و سکون اور خوشحالی کے تھے وہ اپنی رعایا کو خوشی اور سکون فراہم کرانے کے ساتھ ساتھ انکو ہر قسم کی پریشانی اور فکر سے فارغ

البال کر دینا چاہتا تھا۔ جسکے لئے اس نے بے دریغ دولت لٹائی، لیکن اس کے چند غلط فیصلوں کے باعث اکثر مورخین اسے قاہر، جابر، ظالم اور کافر جیسے توہین آمیز الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

محمد بن تغلق نے عوام کو آسانیاں مہیا کرانے کے ساتھ ساتھ علم وادب کی ترویج واشاعت کے لئے بھی اہم اقدامات اُٹھائے۔ جسکی بدولت فارسی زبان وادب کو تو مزید تقویت دعروج حاصل ہوا اور تمام رائج علوم وفنون نے بھی نمایاں ترقی کی۔ سلطان نے فارسی زبان کو بامِ عروج پر پہنچانے کے لئے شعراء وادباء کو انکی توقعات سے بڑھ کر انعام و اکرام سے نوازا۔ وہ صرف ادب پرست سلطان ہی نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک اچھا شاعر بھی تھا وہ فارسی زبان میں خود شعر موزوں کرتا اور اس زبان کے شعراء وادباء کی حوصلہ افزائی بھی کرتا۔ شعراء اور ادباء کو بے انتہا انعام واکرام سے نوازنے کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا مقصد ہندوستان کو ایک خوشحال ملک بنانا ہی نہیں تھا بلکہ اسکی خواہش تھی کہ سرزمین ہند علم وادب کا ایک خوشنما گلدستہ بن کر تمام عالمِ اسلام کو مہکائے۔ چنانچہ اسکی یہ خواہش بھی پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ اسکے انعام و اکرام کی شہرت جب ہندوستان سے باہر بیرونی ممالک میں زبان زد عام ہوئی تو شعراء وادباء اور علماء وفضلاء کشاں کشاں ہندوستان کی جانب عازم سفر ہوئے اور محمد بن تغلق کے دربار کی زینت بن گئے جہاں سلطان کی ہمت افزائی کے سبب ان تمام ماہرین علوم وفنون نے فارسی زبان وادب کی اہم ترین خدمات انجام دیں۔ جسکے باعث ہندوستان علم وادب کا ایک دل پذیر اور خوشنما گہوارہ بن گیا۔

تغلق دور کا تیسرا اہم، نامور، مشفق اور دیندار بادشاہ فیروز شاہ تغلق تھا یہ بادشاہ اپنی رحمدلی، نرمی، انصاف اور فلاحی امور کو ترقی دینے کے باعث کافی اہمیت کا حامل ہے۔ محمد بن تغلق کی بہ نسبت اسکے عہد میں ملک میں زیادہ خوشحالی اور سکون تھا۔ لوگوں کو عام اجازت حاصل تھی کہ وہ ملک کے جس حصہ میں چاہیں رہائش اختیار کر سکتے تھے سلطان کے اس حکم کی وجہ سے دہلی ہر طبقہ کے لوگوں سے آباد ہو گیا۔ اس نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بے شمار کام کئے۔ تغلق دور میں پانی کی قلت کی وجہ سے کاشتکاروں کو بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ فیروز نے اس مشکل کو ختم کرنے کے لئے متعدد بند، بندھوائے، نہریں، کنویں اور تالاب کی کھدائی کا حکم دیا۔ اسکے علاوہ اس نے محصول میں کمی کرنے ساتھ محصول معاف بھی کیا جس سے کسانوں کو راحت ملی۔ فیروز کو تعمیرات کا بھی شوق تھا۔ اسکے اس شوق کی تصدیق تاریخی کتابوں کے علاوہ اسکے عہد کے شعراء کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ اس نے متعدد محلات۔ مساجد، قلعہ، حصار تعمیر

کرائے۔ اسکے اس شوق کے باعث ہزاروں بے روزگار لوگوں کو روزگار حاصل ہوا۔ اسکے علاوہ اس نے کئی متعدد نئے شہر بھی آباد کیئے۔ محمد بن تغلق کی طرح اس نے بھی علم وادب کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس نے سابقہ سلطان کی طرح نہ صرف شعراء وادباء کی سرپرستی کی بلکہ اس نے علم وادب کے فروغ کے لئے متعدد مدارس بھی تعمیر کرائے۔ اسکی خواہش تھی کہ مسلمانانِ ہند اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اور اپنے ملک کا نام روشن کریں۔ اس مقصد کے لئے اس نے ایک پر فضاء مقام پر مدرسہ فیروزی کی بنیاد رکھی۔ جہاں ہندوستان کے علاوہ دور دراز ممالک سے طلباء علم حاصل کرنے کے لئے آتے۔ ان طلباء کے لئے عالم وفاضل معلم بھی مہیا کرائے گئے۔ ان تمام معلم اور طلباء کی رہائش کا انتظام مدرسہ کے اندر ہی تھا اس مدرسہ میں علم حاصل کرنے والے تمام طلباء کو وظیفہ دیا جاتا اور ان کے تمام اخراجات حکومت وقت اُٹھاتی تھی۔

فیروز بھی محمد بن تغلق کی طرح فارسی زبان کا شیدائی تھا۔ اس نے بھی اپنے عہد کے شعراء وادباء کی سرپرستی میں کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی۔ وہ خود بھی فارسی زبان پر استادانہ قدرت رکھتا تھا اور اسکی قدرت ومہارت کا علم **روضۃ** السلاطین میں نقل اسکی مختصر غزلوں سے بخوبی ہوتا ہے۔

اگر تغلق دور کے فارسی ادب کا سرسری جائزہ لیا جائے تو اس دور میں حضرت نظام الدینؒ اولیا، برہان الدینؒ غریب، نصیر الدین چراغ دہلوی، بوعلی قلندر پانی پتی، حسن دہلوی امیر خسرو، ضیاء الدین نخشبی، گیسو دراز، مسعود بک، سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت، صاحب خیر المجالس، حمید قلندر، صاحب بساتین الانس مطہر کڑہ، بدر چاچ اور عصامی جیسے شعراء اور بزرگ ہستیاں ہی نظر آتی ہیں۔ لیکن اگر اس عہد کی تاریخ، ادب اور اس دور سے متعلق فارسی کی بیاضوں کا مطالعہ گہرائی کے ساتھ کیا جائے تو مذکورہ بالا ہستیوں کے علاوہ بیشتر ایسے شعراء کا ذکر ملتا ہے جو عہدِ تغلق کی اہم شخصیات شمار کی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان گمنام اور غیر معروف ہستیوں کو اپنے ہم عصر شعراء وادباء کی طرح شہرت اور رتبہ حاصل نہیں ہوسکا، لیکن اسکے باوجود وہ کسی بھی طرح اہمیت سے خالی نہیں۔ تغلق دور میں جن غیر معروف شعراء نے گمنامی اور بے سروسامانی کی زندگی کو شہرت پر ترجیح دی۔ اُن میں مغیث الدین ہانسوی، احستان الدین، امیر اختیار الدین، تاج شیرازی، حمید قلندر، الیاس ہردی، جمال الدین وغیرہ جیسے شعراء شامل تھے۔ ان شعراء میں اکثر ایسے شعراء بھی تھے جنہوں نے بادشاہ کی مدح تو کی اور اسکے انعام واکرام سے بھی سرافراز ہوئے لیکن ان شعراء کو شاہی دربار میں باریابی حاصل ہوئی یا نہیں اسکا علم نہیں ہوسکا اور نہ ہی کسی مورخ یا تذکرہ نگار نے ان شعراء کے مفصل حالات اور کلام کا ذکر کیا

ہے۔شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک شعراء کا کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا تھا اور نہ ہی تذکرہ نویسی کا رواج تھا۔البتہ یہ ضرور تھا کہ لوگ اپنے شعری ذوق کے مطابق بیاض مرتب کرتے تھے جسمیں وہ اپنے پسندیدہ شعراء کے من پسند اشعار نقل کرتے تھے۔ایسی ہی فارسی کی ایک قدیم بیاض مجموعۂ لطائف وسفینۂ ظرائف ہے۔جس میں تغلق دور کے بیشتر غیر معروف شعراء کا کلام نقل ہے۔ یہ بات تو تمام تر وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس بیاض میں تغلق دور کے تمام غیر معروف شعراء کا جملۂ کلام موجود ہے لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ تذکروں کے بہ نسبت اس بیاض میں مذکورالذکر دور کے بیشتر ایسے شعراء کا کلام موجود ہے جنکا ذکر تاریخ اور تذکروں میں بھی نہیں ملتا۔

فارسی کی یہ قدیم بیاض مجموعہ لطائف وسفینۂ ظرائف (ربو تمہ ۴۷۴) سیف جام ہروی نے فیروز شاہ کے عہد ۷۶۰ھ کے بعد مرتب کرنا شروع کیا اور ایک طویل مدت کے بعد مکمل کیا۔

بیاض ہذا میں قدیم شعراء کے کلام کے علاوہ سلطان محمد شاہ شرقی کے عہد بعد آنیوالے شعراء جیسے شاہ نعمت اللہ ولی کا کلام بھی نقل ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ صاحبِ بیاض نے سلطان شرقی کے بعد کا دور بھی دیکھا تھا۔

سیف جام کی یہ اہم ترین اور قدیم بیاض دو جلدوں پر مشتمل ہے اور اسکا ایک نسخہ برٹش لائبریری میں ''دستور الشعراء'' کے نام سے اور دوسرا نسخہ کابل یونیورسٹی میں موجود ہے۔کابل یونیورسٹی کا نسخہ اگرچہ جگہ جگہ سے ناقص ہے لیکن اسکے اوائل اور آخری صفحات مکمل ہونے کی وجہ سے اسکے صحیح نام کا علم ہو سکا۔ برٹش لائبریری کے شروع اور آخر کے صفحات دستیاب نہیں لیکن یہ نسخہ کابل والے نسخہ کے بالمقابل زیادہ محکم، عمدہ اور صحیح خط میں ہے۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے انتہائی تگ ودو کے بعد برٹش لائبریری کے نسخہ کی مائیکروفلم حاصل کی اور پھر اس سے نسخہ تیار کرانے کے بعد شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ کیا۔اور یہی وہ نایاب اور اہم ترین بیاض ہے جسکی مدد سے میں نے اپنے تحقیقی مقالہ بنام ''تغلق دور کے غیر معروف فارسی شعراء کے کلام کی جمع وتدوین'' کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکی۔

اس نایاب بیاض کے علاوہ مذکورالذکر دور کے غیر معروف شعراء کے کلام کو جن ماخذ کی مدد سے جمع کیا گیا ان میں تاریخ فیروز شاہی، منتخب التواریخ، دستورالافاضل، ہفت اقلیم، تذکرہ دولت شاہ سمرقندی، تاریخ فرشتہ، مجمع الفصحا، خیرالمجالس، روضہ السلاطین، فارسی ادب بہ عہدِ سلاطین تغلق کے علاوہ پروفیسر نذیر احمد صاحب کے اہم ترین مقالات جو متعدد رسائل میں شائع ہوئے اس مقالہ کو مکمل تکمیل تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوئے۔

اس مقالہ کو تکمیل تک پہنچانے میں جن اساتذہ نے میری مدد کی ان اہم ہستیوں میں پروفیسر طارق حسین صاحب، پروفیسر غفار صدیقی اور پروفیسر شرف عالم صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اسکے علاوہ محمد صائم جنہوں نے اس مقالہ کو ٹائپ کیا انکی بے حد شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مقالہ کو ٹائپ کرنے میں بے انتہا محنت کی اور جب جب کوئی غلطی ہوئی تو انہوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ اسکو صحیح کیا۔

آخر میں میں اپنی استاد اور راہنما پروفیسر ماریہ بلقیس صاحبہ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنکی رہنمائی اور مدد کے بغیر اس مقالہ کو تمام کرنا، ناممکن تھا۔

کتابیات

	کتاب	مصنف	سال اشاعت
	(الف)		
۱۔	آتشکدہ آزر	لطف علی بیگ آزر	بمبئی ۱۲۷۵ھ
۲۔	آثار الصنادید	سر سیّد احمد خاں	سینٹرل بکڈپو، دہلی ۱۹۶۵ء
۳۔	آئینہ حقیقت نما	مولانا اکبر شاہ	جاوید پریس کراچی ۱۹۵۸ء
۴۔	اخبار الاخیار	عبدالحق محدث دہلوی	مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۲۷۸ھ
۵۔	اذکار ابرار	محمد غوثی	مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۲۶ھ
۶۔	ارشادات محبوب	مسلم احمد نظامی	کتب خانہ نذیریہ، دہلی
۷۔	ارشاد السالکین	یحییٰ منیری	نسخہ خطی
۸۔	ابن بطوطہ	ایچ۔ آر۔ گب	براڈوے ہاؤس لندن ۱۲۷۸ھ
۹۔	اخبار الاصفیا (قلمی)	انصاری	مولانا آزاد لائبریری
۱۰۔	انیس الارواح	حسن سجزی	خطی
۱۱۔	ایسٹرن کنکس	محمد فصیح الدین	جاوید پریس
۱۲۔	آبِ کوثر		۱۹۵۲
	(ب)		
۱۳۔	بزرگان پانی پت	مولانا محمد میاں	مطبع جامعہ، دہلی ۱۳۵۵ھ
۱۴۔	بزم صوفیا	صباح الدین عبدالرحمان	دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء
۱۵۔	بزم مملوکیہ	صباح الدین عبدالرحمان	دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء
۱۶۔	برہان مآثر	علی طباطبائی	مطبع جامعہ، دہلی ۱۳۵۵
۱۷۔	بہمنی سلطنت	اے. ایم. صدیقی	ادبیات اردو حیدرآباد ۱۹۵۲ء
۱۸۔	بیاض اشعار فارسی	نامعلوم	خطی
۱۹۔	بیاض قصیدہ واشعار فارسی	نامعلوم	خطی
	(ت)		
۲۰۔	تاریخ شیراز ہند	سیّد اقبال احمد	شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس جونپور
۲۱۔	تاریخ فرشتہ	قاسم فرشتہ	نولکشور کانپور ۱۸۹۸ء
۲۲۔	تاریخ فیروز شاہی	برنی	ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ ۱۹۳۱ء

۲۳۔	تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف	جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد ۱۳۵۷ھ
۲۴۔	تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ)	ڈاکٹر سید معین الحق	لاہور
۲۵۔	تاریخ حقی	عبدالحق دہلوی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۲۶۔	تاریخ ہندوستان	ذکاءاللہ	شمس المطابع، دہلی ۱۸۹۷ء
۲۷۔	تذکرۃ الشعراء	دولت شاہ سمرقندی	بریل، لندن ۱۹۰۰ء
۲۸۔	تذکرہ حسینی	میر حسن دوست سنبھلی	نولکشور، لکھنؤ ۱۲۹۲ھ
۲۹۔	تذکرہ علماء ہند	رحمان علی	نولکشور ۱۹۲۲ء
۳۰۔	تاریخ مشائخ چشت	یحییٰ منیری	ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳ء
۳۱۔	تذکرہ مصنفین دہلی		
۳۲۔	تغلق نامہ	امیر خسرو	
۳۳۔	تغلق نامہ	پروفیسر عابدی و ڈاکٹر مقبول	
۳۴۔	تاریخ گجرات	ابوظفر ندوی	دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۸ء
۳۵۔	تاریخ مبارک شاہی	یحییٰ منیری	ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ ۱۹۳۱ء
۳۶۔	تاریخ مقالات	خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳ء
۳۷۔	تغلق کالین بھارت	اطہر عباس رضوی	مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۵۶ء
۳۸۔	تذکرہ روز روشن	ایم۔ ایچ۔ سبا	نولکشور پریس
۳۹۔	تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ	امجد علی خاں	
۴۰۔	تاریخ سندھ	ایس۔ ایم۔ ٹھکری	طبع پونا ۱۹۳۸ء
۴۱۔	تاریخ فیروز شاہی	اردو ترجمہ	
۴۲۔	تاریخ مبارک شاہی	ابوظفر ندوی	دارالمصنفین، دہلی ۱۹۵۸ء
۴۳۔	تذکرہ ہندو پاک	احمد معنی گلچیں	
۴۴۔	تاریخ محمدی	بہاءالدین حامد	

(ج)

۴۵۔	جامع تاریخ ہند	خلیق احمد نظامی	اُردو ترقی بورڈ، دہلی
۴۶۔	جوامع الکلم (فارسی)	سیّد اکبر حسینی	انتظامی پریس، حیدر آباد ۱۹۵۶ء
۴۷۔	جوامع الکلم اردو	معین الدین دُرّانی	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۰ء

(ح)

۴۸۔	حبیب السیر	خواند میر	

(خ)

۴۹۔	خیرالمجالس	خلیق احمد نظامی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۵۰۔	خزانہ عامرہ	آزاد بلگرامی	نولکشور کانپور ۱۸۷۱ء
۵۱۔	خیرالمجالس قلمی (ناقص)	حمید قلندر	مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ ۵۷۱/۶
۵۲۔	خلاصۃ الاشعار	محمد وارث	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۵۳۔	خلاصۃ الاشعار	نسخہ بانکی پور پٹنہ	
۵۴۔	خلاصۃ التواریخ	سبحان رائے بھنڈاری	جی اینڈ سنس، دہلی ۱۹۱۸ء
۵۵۔	خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور	مطبع سرہند، لکھنؤ ۱۳۲۰ھ

(د)

۵۶۔	دیوان مسعود سعد سلمان	رشید یاسمی	موسسہ انتشارات امیر کبیر ۱۳۶۲ تہران
۵۷۔	دیوان خواجو کرمانی	احمد سہیلی خوانساری	بہ اہتمام وتصحیح چاپ اوّل برای انتشارات پاژنگ ۱۳۶۹ تہران
۵۸۔	دیوان حافظ	مترجم قاضی سجاد حسین	
۵۹۔	دیوان مطہر کڑہ	ڈاکٹر عبدالرزاق شبلی کالج	شبلی کالج، اعظم گڑھ
۶۰۔	دیوان حسن غزنوی		
۶۱۔	دیوان امیر خسرو	سعید نفیسی	باہمت کوشش۔م درویش
۶۲۔	دہلی سلطنت	محمد آر	بھارتیہ ودھیا، ممبئی ۱۹۶۰ء
۶۳۔	دیوان شمس الدین فقیر	خطی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۶۴۔	دیباچہ حسن سجزی اور انکا زمانہ	مسعود نحوی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

(ر)

۶۵۔	روضۃ السلاطین	فخری بن ہروی	سندھ ادبی بورڈ، کراچی ۱۹۶۸ء
۶۶۔	ریاض السلاطین	غلام حسین سلیم	ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ ۱۹۸۰ء
۶۷۔	ریاض الشعراء	والہ داغستانی	نیشنل آرکائیوز، دہلی ۵۴/۳۴
۶۸۔	ریاض العارفین	رضا قلی ہدایت	کتابخانہ مہدیہ، تہران ۱۹۱۶ء
۶۹۔	روضۃ الاولیاء	آزاد حسین بلگرامی	مطبع اعجاز صفدری ۱۳۱۰ھ

(س)

۷۰۔	سفینۃ الاولیاء	داراشکوہ	مطبع مدراس، آگرہ ۱۹۵۳

۷۱۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳
۷۲۔ سلطان الہند محمد بن تغلق	آغا مہدی حسین	ہندوستان اکیڈمی، الہ آباد ۱۹۳۷ء
۷۳۔ سلک السلوک	ضیاء الدین نخشبی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۷۴۔ سیر الاولیاء	امیر خورد	محب ہند، دہلی ۱۸۸۵ء
۷۵۔ سر الاولیاء	عارف ربانی	شرف المطابع، مراد آباد ۱۹۰۰ء
	(ش)	
۷۶۔ شمعِ انجمن	محمد صدیق حسین خاں	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ ۱۲۹۳ء
	(ط)	
۷۷۔ طبقات اکبری	نظام الدین احمد بدایونی	بیسٹ مشن، کلکتہ ۱۹۲۱ء
۷۸۔ طبقات ناصری	منہاج سراج	کالج پریس، کلکتہ ۱۸۷۲ء
۷۹۔ طوطی نامہ	ضیاء الدین نخشبی	مطبع نامی، بمبئی
	(ع)	
۸۰۔ عرفات العاشقین	تقی اوحدی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
	(ف)	
۸۱۔ فتوح السلاطین	عصامی	آگرہ کالج، آگرہ ۱۹۳۱ء
۸۲۔ فوائد الفواد	حسن سجزی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۸۳۔ فارسی ادب کے ارتقاء میں پانی پت کا حصہ	محمد اقبال	
۸۴۔ فتوحات فیروز شاہی	فیروز شاہ تغلق	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۸۵۔ فارسی ادب بعہد سلطاین تغلق	پروفیسر شعیب اعظمی	
	(ق)	
۸۶۔ قصاید بدر چاچ	بدر چاچ	مطبع نامی، کانپور ۱۹۰۷ء
	(ک)	
۸۷۔ کلام قلندری	بو علی قلندر پانی پتی	مطبع جٹ پرشاد، میرٹھ ۱۸۹۰ء
۸۸۔ کلیات سعدی	محمد علی فروغی	عباس، اقبال، اشتانی
۸۹۔ کلیات حسن سجزی	حسن سجزی دہلوی	مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد ۱۳۵۲ء

(گ)

۹۰۔ گلزار ابرار	اہلیہ عبدالقادر	مطبع مجددیہ، حیدرآباد ۱۳۳۰ھ
۹۱۔ گنج تاریخ	مفتی غلام سرور	نولکشور پریس، کانپور

(ل)

۹۲۔ لائف اینڈ ورک آف دا، امیر خسرو	وحید مرزا	انڈیا پریس، کلکتہ ۱۹۶۷ء
۹۳۔ لباب الالباب	محمد عوفی	بریل لندن ۱۹۰۶ء

(م)

۹۴۔ مخزن الغرائب	اے۔اے۔سندیلوی	دارالمصنفین، اعظم گڑھ
۹۵۔ مخزان الشعراء	نورالدین خالق	مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۳۲ء
۹۶۔ مثنوی بوعلی قلندر	بوعلی قلندر پانی پتی	
۹۷۔ مختصر تاریخ ہند (ترجمہ)	ڈبلیو۔ڈبلیو ہنٹر	گورنمنٹ پریس، کراچی ۱۹۶۳ء
۹۸۔ مراۃ العارفین (قلمی)	مسعود بیگ چشتی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۹۹۔ مجموعۂ لطایف وسفینۂ ظرایف	سیف جام ہروی	روٹوگراف، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

(ن)

۱۰۰۔ نتائج الافکار	قدرت اللہ شوق	اردشیر خاضع بمبئی

(ہ)

۱۰۱۔ ہندوستان کی مختصر ترین تاریخ	ڈاکٹر محمد ریاض	
۱۰۲۔ ہندوستان میں فارسی ادب (دہلی سلطنت سے قبل)	ڈاکٹر نعیم الدین	
۱۰۳۔ ہسٹری آف انڈیا	ایلیٹ	
۱۰۴۔ ہسٹری آف انڈو پرشین لٹریچر	پروفیسر نبی ہادی	ایران کلچر ہاؤس

WORKS OF LESS KNOWN PERSIAN POETS DURING THE TIME OF TUGHLAQS, COLLECTION AND EDITION

Ph.D. Thesis

Supervisor
PROF. MARIA BILQUIS

Scholar
NUSRAT ANSARI



Department of Persian Aligarh Muslim University
Aligarh-2009

تغلق عہد کے غیر معروف فارسی شعراء کے
کلام کی جمع و تدوین

مقالہ

پی ایچ۔ڈی

مقالہ نگار

نصرت انصاری

نگراں

پروفیسر ماریہ بلقیس



شعبۂ فارسی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۲۰۰۹ء


MAULANA AZAD LIBRARY
A.M.U.

Prof. Maria Bilquis



DEPARTMENT OF PERSIAN
Aligarh Muslim University
Aligarh-202002 (INDIA)


Office : 1541
Resi. : 0571-2401096

Certificate

This is to certify that the thesis entitled "**Works of Less Known Persian Poets During the Time of Tughlaqs, Collection and Edition**" is the original work carried out by **Ms. Nusrat Ansari** under my supervision and is suitable for submission for the award of **Ph. D.** degree in **Persian**.

5/6/09

(Prof. Maria Bilquis)

فہرست

مندرجات	صفحہ نمبر

اشاریہ

انڈوایرانیکا	ایرانیکا
تاریخ فیروزشاہی (برنی)	فیروزشاہی
تاریخ فیروزشاہی (عفیف)	فیروز
جامع تاریخ ہند	جامع
دیباچہ امیر حسن اور انکا زمانہ	دیباچہ امیر حسن
دستورالافاضل	دستور
دیوان مسعود سعد سلمان	دیوان مسعود
دیوان مطہر کڑہ	دیوان مطہر
دیوان حافظ	د۔حافظ
دیوان خواجو کرمانی	دیوان خواجو
دیوان حسن غزنوی	دیوان غزنوی
دیوان امیر خسرو	دیوان خسرو
فتوح السلاطین	فتوح
قصاید بدر چاچ	ق بدر
کلیات سعدی	ک۔سعدی
مجموعۂ لطایف وسفینۂ ظرایف	مجموعہ

مقدمہ

سرزمین ہند میں فارسی زبان وادب کے آغاز کے قدیم ترین نشانات تلاش کئے جائیں تو بلاتردد یہ کہا جاسکتا ہے کہ فارسی زبان وادب کا آغاز وارتقاء محمود غزنوی کے عہد سے ہوتا ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں سامانی حکمراں کا خاتمہ کرنے کے بعد غزنوی خاندان خراسان میں برسر اقتدار آیا تو اس نے اپنی سلطنت کی حدود کو بھی وسیع کیا۔ سلطان محمود سے قبل اس کے نانا الپتگین نے پیشاور کو فتح کرلیا تھا، محمود نے سرحد پنجاب اور لاہور کے علاقے کو بھی اپنی سلطنت غزنی کا حصہ بنالیا۔ غزنویوں کے عہد میں لاہور نہ صرف ہندوستان بلکہ فارسی زبان وادب کا بھی مرکز بنا اور صحیح معنوں میں اسی خاندان نے اہل ہند کو فارسی زبان سے آشنا کرایا۔ ڈاکٹر نعیم الدین اپنی کتاب ''ہندوستان میں فارسی اَدب'' (دہلی سلطنت سے قبل) میں لکھتے ہیں ''ہندوستانی فارسی ادب کی تاریخ میں یہ دور بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان فارسی ادب میں ایران کا ہم پلہ بن چکا تھا۔''

الپتگین سامانی حکمراں کا ایک بہادر جرنل اور خراسان کا حاکم تھا۔ اس نے ابوالملک سامانی سے کسی ناراضگی کے باعث ۳۵۱ھ میں غزنین میں اپنی آزاد حکومت قائم کرلی تھی۔ اسکے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ابواسحٰق ۳۶۷ھ/ ۹۶۳ء میں تخت نشین ہوا، لیکن زندگی نے اسکو مہلت نہ دی اور وہ چند دن ہی حکومت کرسکا۔ اسکی وفات کے بعد اسکا ترکی غلام سبکتگین جو اسکا داماد بھی تھا تخت نشین ہوا جس نے قرب وجوار کے علاقے فتح کرکے سلطنت غزنی کی سرحدوں کو وسیع تر کیا۔

۳۸۷ھ میں سبکتگین کی وفات ہوگئی اور اسکے بیٹے اسمٰعیل نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی لیکن صرف سات ماہ بعد ہی محمود نے اسے معزول کرکے نہ صرف غزنی بلکہ خراسان کی سلطنت کا انتظام وانصرام بھی خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جب محمود شاہی تخت پر متمکن ہوا تو اس وقت اسکی حکومت میں موجودہ افغانستان، خراسان اور مشرقی ایران شامل تھے۔ محمود غزنوی کا عہد ہی درحقیقت غزنویوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ ڈاکٹر محمد ریاض اپنی تصنیف ''ہندوستان کی مختصر ترین تاریخ''، میں لکھتے ہیں کہ ''اس عظیم فاتح کی تلوار کے سامنے ہندوستان اور ایران میں کوئی نہیں ٹھہر سکا۔'' یہ پہلا مسلم حکمراں تھا جس نے اپنے لئے سلطان کا لقب اختیار کیا۔

سلطان محمود غزنوی ایک سخت گیر، صوم وصلوٰۃ کا پابند دیندار بادشاہ تھا۔ دین اسلام کی ترویج کا شوق اسے بچپن سے ہی تھا۔ وہ صدق دل سے دین کا احترام کرتا تھا۔ اس کے اسی شوق اور دین کے احترام کے سبب بغداد کے عباسی خلیفہ القادر باللہ[1] نے سلطان کو ''یمین الدولہ اور امین الملّت'' جیسے خطابات اور خلعت سے نواز کر سلطان کے اشاعت اسلام کے شوق کو مزید پروان چڑھایا اگرچہ وہ ایک سخت گیر مسلمان تھا لیکن اس نے کبھی بزورِ شمشیر کسی کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا، البتہ وہ شریعت اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزا دیتا تھا۔[2]

عباسی خلیفہ سے مذکورہ خطابات حاصل کرنے کے بعد اس نے قسم کھائی کہ وہ ہر سال ہندوستان پر حملہ کرے گا۔

ہندوراجاؤں کے ساتھ غزنویوں کا پہلا معرکہ ۳۶۹ھ/۹۷۹ء میں امیر سبکتگین کے عہد میں ہوا، اور اسکے بعد سلطان محمود اور اسکے جانشینوں تک معرکہ آرائی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

سرزمین ہند اپنی بے پناہ دولت کے سبب ہمیشہ محمود کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنی رہی۔ ملک کی باگ ڈور سنبھالتے ہی محمود نے اس ملک پر حملہ کرنے کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ہندوستان کا رُخ کیا۔ ۳۹۱ھ/۱۰۰۰ء سے لیکر ۴۱۷ھ/۱۰۲۶ء تک اس نے ہندوستان پر متعدد حملے کئے اور بے شمار دولت حاصل کی۔ ان حملوں میں سب سے بڑا اور مشہور سومناتھ کے مندر کا معرکہ ہے۔ جس میں اس نے سب سے زیادہ دولت حاصل کی۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ اسکا مقصد محض ہندوستان کی دولت لوٹنا تھی نہ کہ یہاں پر اپنی سلطنت قائم کرنا۔ ڈاکٹر نعیم الدین لکھتے ہیں ''اس نے سر زمین ہند کے جن علاقوں کو فتح کیا تھا ان کو وہ اپنی سلطنت میں شامل نہیں رکھ سکا۔ اس نے صرف دریائے راوی تک کے حصہ پر قناعت کی جہاں اس کے جانشینوں نے دو سو سال تک حکومت کی''۔

سلطان محمود غزنوی یوں تو ایک جنگجو اور مردِ مجاہد تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک علم دوست اور ادب پرور انسان بھی تھا۔ اور علماء، فضلاء، ادباء، شعراء اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین کا زبردست قدرداں تھا۔ انکو انعام واکرام سے نوازنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتا تھا۔ محمود خود ایک عالم تھا اور اس نے علم منطق اور علمِ حدیث پر متعدد کتابیں لکھیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ محمود نے علم فقہ پر ''التفریض'' نام کی ایک کتاب بھی تالیف کی تھی لیکن اس کی کوئی کتاب دستیاب نہیں۔ اس کو شعروادب سے خاص لگاؤ تھا۔ اس نے صرف شعراء کی سرپرستی پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کو فارسی زبان پر

۱۔ ڈاکٹر نعیم الدین نے اپنی تصنیف میں سلطان کو یمین الدولہ امین الملّت کے خطاب سے نوازنے والے عباسی خلیفہ کا نام ابوالقاسم باللہ لکھا ہے۔

۲۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ: اردو ترجمہ، ج ۲۰، ص ۴۳

دسترس حاصل تھی اور وہ خود بھی فارسی شعر موضوع کرتا تھا۔ سلطان کی شاعری پر قدرت اور اس کی شعری صلاحیت کا اندازہ درج ذیل اشعار سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو اس نے اپنی خادمہ کی موت پر نظم کیے تھے۔

تا تو ای ماه، زیر خاک شدی　　خاک را بر سپهر فضل آمد
دل، جزع کرد، گفتم، ای دل، صبر　　این قضا از خدای عدل آمد[1]

مندرجہ ذیل غزل کے اشعار بھی محمود سے منسوب کیے جاتے ہیں:

من گردِ دل خویش هوای تو پریدم　　به مهر تو پیوستم و از خویش بُریدم
دیگر ز بتاں، چون تو ندیدم، از پی آنک　　بت نیست به جای که من آنجا نرسیدم
به من نچسبند آنکه، چو او کسی نگرفتم　　نگرفت سرِ زلف تو هر چند مچیدم
چون زلف شلم دست چوں بتخانه شلم روی　　چون زلف تو که دیدم چوں روی تو دیدم
گفتم یکی بنده خریدم به درم من　　نی نی غلط است ایں که خداوند که خریدم[2]

کہا جاتا ہے کہ اس کے دربار میں ۴۰۰ شعراء موجود تھے۔ اور اپنے ممدوحین کی شان میں شعر کہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں قصیدے نے سب سے زیادہ ترقی کی۔ عنصری، فرخی، عسجدی[3] فارسی شاعری کے وہ اوّلین شعراء ہیں جو محمود کے ساتھ ہندوستان آئے اور جنگوں میں اس کے ہم رکاب بھی ہوئے اور محمود کی مہموں کے چشم دید گواہ بھی رہے۔ اُنہوں نے تمام جنگوں کی صورت حال کو اپنے قصاید میں بیان کیا ہے جس سے وہ قصاید ادبی کے ساتھ ساتھ تاریخی اہمیت کے بھی حامل ہو گئے ہیں۔

سلطان کے سرپرستی کے باعث فارسی شاعری نے اس عہد میں ترقی کے منازل طے کیے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عہدِ غزنوی فارسی شاعری کا زرّین دور ہے تو بے جا نہ ہوگا، کیونکہ فارسی شاعری کا عظیم شاہکار ''شاہ نامہ فردوسی'' اسی عہد میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور فردوسی جیسا بلند مرتبہ شاعر اس کے دربار سے وابسطہ رہا۔ اس کے علاوہ سلطان کے ملک الشعراء عنصری اور اس کے ہم عصر فرخی جو ایران سے محمود کے ساتھ ہندوستان آئے انکے، قصاید فارسی شاعری میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

غزنوی دور میں اٹھارہ، انیس سال تک قید و بند کی زندگی گزارنے والے جس ایرانی نژاد ہندوستانی شاعر کو سب

---

1. ہندوستان میں فارسی ادب دہلی سلطنت سے قبل ڈاکٹر نعیم الدین: ص ۳۵
2. ایضاً: ص ۳۵
3. ایضاً: ص ۳۵

سے زیادہ شہرت اور بلند مقام حاصل ہوا وہ مشہور قصیدہ گو مسعودِ سعدِ سلمان کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ مسعود اپنے قصاید اور خاص کر حبسیات کیلئے کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔ اس کے ایک قصیدے کے مطابق اسکی پیدائش ۴۰۔۴۳۸ھ / ۴۸۔۱۰۴۶ء میں برصغیر ہند کے علم وادب کے عظیم مرکز لاہور میں ہوئی۔ مسعود نے ایک قصیدہ لاہور کی تعریف میں نظم کیا ہے۔ جس میں وہ خود کو اس شہر کا بیٹا کہتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

ای لاهور و یحك بی من چگونه ای　　　بی آفتاب تابان روشن چگونه ای
تو مر غزار بودی و من شیر مر غزار　　　بامن چگونه بودی و بی من چگونه ای[1]

مسعود کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے والد سعد سلمان ۶۰ سال تک غزنی سلاطین کے خدمت گار رہے۔ انکی وفاداری اور خدمت گزاری کے عوض غزنی حکمرانوں نے انھیں لاہور میں جاگیر عطاء کی تھی۔ تہران سے شائع دیوانِ مسعود سعد سلمان میں رشید یاسمی نے مسعود کے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے سعد سلمان کے سلسلے میں انتہائی مختصر عبارت کے ساتھ مسعود کے دو اشعار نقل کئے ہیں:

"پدرش سعد مدت شصت سال جز و عمال دیوان بودہ
است(ش ۳۸۵)"

شصت سال، تمام خدمت کرد　　　پدر بنده، سعد بن سلمان
گـه به اطراف بودی از اعمال　　　گـه به درگاه بودی از اعیان[2]

دیوانِ مسعود سعد سلمان کے تصحیح کردہ رشید یاسمی تذکرہ دولت شاہ سمرقندی اور تذکرہ تقی اوحدی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

"یکی از طرفاء زمان عجز شعرا را دردست سعد چنین بیان
کرده است":

شاعر که به دست بعد سلمان افتاد　　　آنگار که مفلسی به زندان افتاد[3]

مسعود کے والد سعد سلمان نہ صرف غزنوی سلاطین کے ملازم تھے بلکہ ان کو شاعری میں بھی قدرت حاصل تھی لیکن ذیل کی صرف ایک رباعی کے علاوہ اس کا کلام کہیں دستیاب نہیں ہوتا۔

۱۔ دیوان مسعود (بہ تصحیح مرحوم رشید یاسمی موسہ انتشارات امیر کبیر تہران) ۱۳۶۲ء ص ۴۹۳

۲۔ ایضاً: ص ز

۳۔ ایضاً: ص ز

گر بگذاری مرا و گر بنوازی   از کوی تو نگذرم به بازی بازی
چون باد بپایت اندریم به مثل   گر چون خاکم ز در بردن اندازی [1]

مسعود سعد سلمان کی سرپرستی بیک وقت تین غزنوی سلاطین سیف الدولہ محمود، سلطان مسعود غزنوی، اور بہرام شاہ نے کی۔ مسعود کے قصاید تاریخی اہمیت کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ بادشاہوں کے کارنامے خاص کر سیف الدولہ کے تاریخی واقعات جس کو کسی بھی شاعر نے نظم نہیں کئے ہیں مسعود واحد شاعر ہے جس نے مندرجہ بالا بادشاہوں کی تخت نشینی اور مہموں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

عوفی کے مطابق مسعود اپنے زمانہ کا عجوبہ تھا۔ اسکے علاوہ دوسرے تذکرہ نگاروں جیسے دولت شاہ سمرقندی اور تقی اوحدی وغیرہ نے بھی مسعود کی استادی کا اعتراف کیا ہے۔ فن شعر میں اسکی مہارت کا اہم ترین ثبوت یہ ہے کہ انوری، سنائی، عرفی اور ادیب صابر جیسے مشہور قصیدہ گو شعراء نے اسکی پیروی کی ہے۔ مسعود کی شہرت کا سبب اسکے قصاید ہیں اور خاص کر وہ قصاید جو اس نے قید کے زمانہ میں نظم کئے تھے اور جو حبسیات کے نام سے مشہور ہیں۔ ان قصاید میں اس نے اپنے ممدوحین سلطان ابراہیم اور اسکے دربار کے امراء کی تعریف کی ہے اور ان سے اپنی قید کو ختم کرنے کی درخواست کرتا ہے۔ ذیل میں مسعود کے چند اشعار جن میں وہ اپنے ممدوحین کو قید کے حالات آگاہ کرنے کے ساتھ ان سے نجات حاصل کرنے کی درخواست کرتا ہے نقل کئے جاتے ہیں۔

ای خاصۂ شاه شرق، فریاد   چرخم بکشد همی، ز بیداد
درویشی و نیستی ز لوهور   بر کند و به حضرتم فرستاد
نان پاره خویشتن بجستم   از شاه ظهیر دولت داد
بندۂ شومت، درم خریده   زین حبس، گرم کنی تو آزاد

☆☆☆

نه روزم، هیزم است و نه شب روغن   زین هر دو بفرسود مرا دیده تن
در حبس شدم به مهر ومه قانع من   کاین روز گرم دارد وآن شب روشن

☆☆☆

---

[1] دیوان: ص ز

تو خاص پادشاه شدی بس شگفت نیست — شد خاص پادشاه پسر خاص پادشاه
اندر پناه سایۂ او بود مامنم — تا بر روان پاکش غالب نشد، فنا
از تو بودی نه عهد من — گاه محسنت به حصنهای حصین
جان تو دادی، مرا پس از ایزد — اندرین حبس و بند باز پسین



قصیدہ گوئی میں مسعود کی استادی، مہارت ، شیریں بیانی اور لطافت کو تمام تذکرہ نویسوں نے تسلیم کیا ہے۔اگر چہ مدحیہ قصاید کونظم کرنے میں وہ اپنے استاد ابوالفرج رونی کے مقام تک نہیں پہنچ سکا لیکن حبسیات کے میدان میں وہ سب کا پیش رو ہے۔

مسعود کے استاد اور اسکے ہمعصر ابوالفرج رونی کا شمار بھی ہندوستان کے اولین فارسی گوشعراء کی صف میں ہوتا ہے۔اسکا اصل نام ابوالفرج بن مسعود الرونی تھا۔عوفی کے مطابق وہ لاہور کے قصبہ رون میں پیدا ہوا۔ابوالفرج اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شاعر تھا۔اس کے سرپرستوں میں سب سے اہم نام سلطان ابراہیم غزنوی کا ہے جس کے نام اُس نے اپنا دیوان معنون کیا ہے اس کے دوسرے سرپرستوں میں سلطان مسعود بن ابراہیم ،سیف الدولہ محمود، خواجہ منصور، ابونصر فارسی، خواجہ ابوسعد بابو، ثقۃ الملک طاہر بن علی مشکان کے علاوہ اور بھی اہم شخصیات [1] شامل ہیں یہ پہلا شاعر ہے جس نے فارسی شاعری کوایک نئے رنگ سے آشنا کرایا اور یہ رنگ نہ صرف اسکے ہم عصر شعراء بلکہ اس کے بعد آنے والے اکثر شعراء جیسے انوری، عرفی، صائب کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔یہ تمام شعراء اسکے طرز میں شعر کہنا اپنے لئے فخر کا باعث سمجھتے تھے۔رونی کا زمانہ قصیدہ گوئی کا زمانہ تھا۔جس کے ذریعہ شعراء باشادہ کی قربت اور توجہ حاصل کرتے تھے۔ لہٰذا رونی نے بھی اسی راہ کا انتخاب کیا اور اپنے سرپرستوں کے زیر سایہ رہ کر اپنے مستقبل کو تابناک بنایا۔

اگر چہ ابوالفرج کی شہرت کا اصل سبب اسکے قصاید ہیں لیکن اس نے قصیدہ کے علاوہ صنفِ غزل اور رباعی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔اگر چہ ایران میں ابوسعید ابی الخیر کی صوفیانہ رباعیات کے نمونے ملتے ہیں لیکن وہ پہلا ہندوستانی فارسی گوشاعر ہے جس نے صوفیانہ خیالات کو رباعی کا جامہ پہنا کر اپنے بعد آنے والوں کے لئے رباعی گوئی کی راہ ہموار کی۔

---

۱ تفصل کے لئے دیکھئے ہندوستان میں فارسی ادب دہلی سلطنت سے قبل: ص ٦٩

غزنوی دور کے نامور شعراء مثلاً ابوالفرج اور مسعود کے علاوہ کچھ ایسے شعراء بھی گزرے ہیں۔ جنکا ذکر تذکروں میں بہت کم ملتا ہے باوجود اسکے کہ وہ لوگ بھی دربار سے منسلک رہے لیکن انکا کلام اور زندگی کے حالات کی تفصیلات بہت کم دستیاب ہوتی ہیں۔ ان شعراء میں نکتی لاہوری جس کی سرپرستی مسعود بن محمود نے کی، اس کے بارے میں تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ پہلا ہندوستانی شاعر ہے۔ ذیل میں اس کے قصیدے کا ایک شعر نقل کیا جاتا ہے جس میں اس نے اپنے ممدوح کی تعریف اس طرح کی ہے:

گر به جای مه و خورشید بود یار، مرا　　　اندرین معنی هم جای حدیث و نظر است[1]

زینتی علوی جو سلطان محمود اور سلطان مسعود غزنوی کے درباری شعرا میں شامل تھا اس کا کلام بھی اب ضائع ہو چکا ہے صرف چند اشعار ہی تذکروں میں ملتے ہیں ذیل میں اس کا ایک شعر نقل کیا جاتا ہے:

ای خداوند روزگار پناه　　　مطربان را بخوان و باده بخواه[2]

غزنوی عہد کا ایک اور شاعر خطیر الدین جرجانی کا تعلق بھی لاہور میں غزنوی دربار سے تھا اس کا بھی تمام کلام ضائع ہو چکا ہے صرف نو اشعار محمد عوفی نے اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں ان اشعار سے ذیل میں ایک شعر نقل کیا جاتا ہے:

گردش روزگار پر عبرتست[3]　　　نیك داند کس که معتبرست

محمد بن عثمان عتبی الیمینی بھی غزنوی دور کا شاعر تھا اور محمود کے دربار میں تاریخ نویسی کے عہدہ پر مامور تھا۔ ہندوستان میں ہونے والے ہر معرکہ میں وہ محمود کا ہم رکاب تھا اس نے ملتان اور لاہور کا معرکہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس نے محمود کی فتوحات پر متعدد کتاب تصنیف کیں۔ یمینی نے شعر کی تمام اصناف پر طبع آزمائی کی۔ اس کی استادی اور مہارت شعری کو سمجھنے کے لئے ذیل میں اس کی غزل اور قصیدے کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

قصیدہ:

منت و شکر و سپاس بی قیاس و حدو مر
ذوالجلالی راکه بی حکمش نبا شد خیرو شر
مالك الملکی که هر روزی زند چون لاله چاك
دست چرخ از حکمت حکمش گریبان سحر[4]

۱۔ لباب الالباب: ص ۲۹۱

۲۔ ایضاً: ص ۲۷۴

۳۔ ایضاً: ۱۹۳ (عبرست)

۴۔ ایضاً: ص ۴۵۰، ۴۴۹

غزل:

ای دوست، عاشق بر تو زآد می رود

دل پُر ز رنج و حسرت وتیمار می رود

مسکین کس که در همه عالم، رهین، چو من

در صحبت فراق ستم گار می رود[1]

عہد غزنوی اور یمینی کا ہم عصر مختاری نام کا ایک شاعر گذرا ہے اسکا اصل نام عثمان تھا لیکن اس نے بعد میں اپنا نام بدل کر مختاری کر لیا۔ مختاری کو غزنوی سلاطین کے نزدیک بلند مرتبہ اور بہت زیادہ عزت حاصل تھی۔ اس نے لاہور اور ملتان میں رہائش کے درمیان سلطان ابراہیم کی تعریف میں متعدد قصاید نظم کئے۔ ان میں سب سے اہم اور مشہور قصیدہ کا ایک شعر حسبِ ذیل ہے:

مسلمانان، دلی دارم که ضایع شود جانش

در افتادم بدان دردی که پیدا نیست در مانش[2]

مختاری نے ایک رزمیہ نظم ''شہریار نامہ'' کے نام سے بھی نظم کی تھی جو شاہنامہ فردوسی کی طرز پر ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسکے سامنے فردوسی کا شاہنامہ بھی رہا ہوگا لیکن اسکے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اسدی طوسی کے ''گرشاسپ نامہ'' سے استفادہ کیا ہے:

مختاری کے ہم عصر ابونصر فارسی جو ادیب کے نام سے موسوم ہے سلطان ابراہیم غزنوی کے ندیمانِ خاص میں شمار ہوتا ہے وہ سلطان کے درباری وزراء میں اہم مقام رکھتا تھا۔ اسکی ہندوستان آمد سے فارسی ادب کو خاص فروغ حاصل ہوا۔ لاہور میں اس نے ایک ادارہ ''خانقاہ ابونصر'' کے نام سے قائم کیا تھا جہاں ہندوستانی عوام کو فارسی و عربی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ابونصر غزنوی عہد کے بڑے اور معروف شعراء کی صف میں شامل ہوتا ہے لیکن اسکا کلام دست برد زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ اب اسکی صرف ایک مثنوی اور چند اشعار ہی دستیاب ہوتے ہیں۔

عطا بن یعقوب الکاتب لاہوری معروف بہ نانوک سلطان ابراہیم کا درباری شاعر تھا۔ یعقوب اپنے عہد کے بڑے شعراء کی صف میں شمار ہوتا ہے۔ اس نے عربی و فارسی میں دو دیوان مرتب کئے۔ یعقوب نے اپنی شہرت کا غلغلہ

---

1. لباب الالباب: ص ۴۵۱

2. ہندوستان میں فارسی ادب: ص ۱۱۷

خود اپنے عہد میں اپنے کانوں سے سنا۔غزنوی عہد کے مشہور و معروف شاعر مسعود سعد سلمان نے اسکی استادی کا اعتراف کرتے ہوئے اسکی تعریف میں قصیدے نظم کیئے۔شاعر کا سرپرست اور ممدوح سلطان ابراہیم غزنوی تھا۔یعقوب نے اس بادشاہ کی تعریف میں کئی قصیدے قلمبند کئے تھے۔اسکے سب سے زیادہ مشہور قصیدے کا ایک شعر حسبِ ذیل ہے:

مست و شادان در آمد از درِ نسیم　　　کـــرده بیـجـــاده دُرج دُرّ یتیم

سعد الدین مسعود نو کی کا تعلق بھی غزنوی دربار سے تھا وہ بہرام شاہ کے دربار میں مختار الشعراء تھا اس نے اس بادشاہ کی مدح میں اپنے قصاید نظم کئے تھے۔اسکے علاوہ اس نے بہرام شاہ کے بیٹے معز الدین خسرو شاہ کی بھی تعریف کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے اسکا قیام غزنی میں تھا اسکے بعد وہ لاہور آکر خسرو شاہ کے دربار سے منسلک ہوگیا۔ اسکے مشہور قصیدوں کے اشعار حسب ذیل ہیں:

از دست هجر جانان از دست رفعت پایم　　　مـگر صبر دست گیرد از پای درنیا یم

☆☆☆

ای ز توشب شهادت چو روز زندگانی　　　روز و شـب و صـلت چو دولت جوانی

☆☆☆

آن آفتـــاب شـــاهـی و آن سـایـهٔ الٰهی　　　و آن سـایهٔ که دارد بر آفتاب شاهی[۱]

☆☆☆

ناصر علوی سلطان بہرام شاہ غزنوی کے ممتاز شعرا میں شمار کیا جاتا ہے یہ اپنے زمانہ کا زبردست عالم بھی تھا۔اس کے چند اشعار تذکروں کی زینت ہیں۔اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا ممدوح سلطان بہرام شاہ غزنوی ہی تھا۔ذیل میں اسکے قصیدہ کا ایک شعر نقل کیا جاتا ہے:

ای بیك حمله گرفته مملکت روی زمین　　　ز آسمان بردست تیغت آفرین باد آفرین[۲]

سعادت بن مسعود سعد سلمان ایرانی نژاد ہندوستانی اور فارسی زبان کا مشہور قصیدہ گو شاعر مسعود سعد سلمان کا بیٹا ہے۔سعادت فی البدیہہ شعر کہنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔اسکا تعلق بہرام شاہ کے دربار سے تھا۔ایک مرتبہ سلطان نے فی البدیہہ رباعی کہنے کا حکم دیا اس نے فوراً ذیل کی رباعی نظم کی جو اسکی ذہانت کا ثبوت ہے:

---

۱ ہندوستان میں فارسی ادب: ص ۱۲۶

۲ لباب الالباب: ص ۴۳۷

همزاد رخ نگار ما، بوست نه گل — زین روی رخ نگار، نیکوست نه گل
مارا رخ دوست، باید ای دوست، نه گل — زیرا گل، چشم ما رخ اوست، نه گل[1]

شہاب الدین شاہ رشید شہاب بھی اپنے ہم عصر دیگر شعراء کی مانند غزنی سے ہجرت کر کے ہندوستان آیا۔ وہ مسعود سعد سلمان کا شاگرد اور حکیم سنائی کا ہمعصر تھا۔ تمام شعراء کی مانند اس نے بھی غزنی سلاطین کی شان میں شعر کہے تھے۔ شہاب کا ممدوح خاص بہرام شاہ اور خسرو ملک ہیں۔ عوفی لکھتا ہے کہ اس نے اپنا دیوان یادگار چھوڑا تھا جواب دستیاب نہیں ہوتا۔ صرف چند اشعار ہی تذکروں میں ملتے ہیں ذیل میں اسکے قصیدہ کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں جسمیں اس نے بہرام شاہ کی مدح سرائی کی ہے:

سپیده دم که خط نور بر ظلام کشند — براق خسرو سیاره در لگام کشند
جهان نماید اطراف لاجورد سپهر — چو سوده شنگرفی که بر خام کشند[2]

مندرجہ بالا تمام شعراء کے علاوہ جمال الدین لاہوری اور منہاج الدین بن سراج لاہوری بھی غزنوی دور کے شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں لیکن تذکروں سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا سرپرست اور ممدوح کون تھا البتہ انکے اشعار مذکورالذکر شعراء کے دستیاب منتشر اشعار کے ساتھ پروفیسر ماریہ بلقیس نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کے مقالہ میں نقل کئے ہیں۔

محمود کی طرح اسکے جانشین، امرا، وزرا بھی شعر و ادب سے از حد دلچسپی رکھتے تھے۔ ان سب نے بھی اپنے سلطان کی طرح شعراء کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کر کے فارسی ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ خاص کر سلطان خسرو شاہ، سلطان معز الدین اور خسرو ملک نے جن شعراء کی سرپرستی کی ان میں ضیاء الدین عبدالرافع ہروی، شہاب الدولہ محمد بن رشید الرئیس، سعد الدین اعور غزنوی، جمال الدین یوسف بن نصر، جمال الفلاسفہ بن یوسف محمد بن الدربندی، یوسف غزنوی، جمال الدین، محمد بن علی سراجی خراسانی، علی بن عمر معزی غزنوی کے علاوہ ایسے بہت سے شعراء ہیں جو شاہی دربار سے منسلک تھے اور جنہیں بادشاہ کے دربار میں بلند مرتبہ حاصل تھا۔ مذکورہ بالا تمام شعراء کے بھی منتشر اشعار راقم کی راہنما پروفیسر ماریہ بلقیس نے اپنے تحقیقی مقالہ میں نقل کرنے کا اہم فریضہ انجام دیکر انکو ضائع ہونے سے محفوظ کر دیا ہے۔

---

1. دیوان مسعود: ص ہج
2. لباب الالباب: ص ۴۴۳

غزنوی سلاطین کے زوال پذیر ہونے پر۵۵۴ھ/۱۱۵۹ء میں غوری خاندان نے سابقہ خاندان کا خاتمہ کر کے غزنی اور لاہور میں اپنی سلطنت قائم کی اور غزنوی حکمراں کی طرح علماء فضلاء شعرا، ادباء کی ہمت افزائی کی اور اسکے زیر سایہ بڑے بڑے شاعر، ادیب اور دانشمند پروان چڑھے جنہوں نے فارسی ادب میں بڑے اہم کارنامے انجام دیئے۔ محمود غزنوی کی مانند سلطان محمد غوری بھی ایک عالم شخص تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ تعلیم یافتہ لوگوں کا قدر داں تھا۔ وہ اپنے دربار میں ادبی محفل منعقد کراتا جسمیں اُس عہد کے علوم وفنون کی قدآور شخصیات شریک ہوتیں اور ادب کے ہر موضوع پر بحث ومباحثہ ہوتا۔

سلطان غوری کا کوئی جانشین نہ ہونے کی بنا پر اس کے قتل کے بعد اس کی سلطنت تین حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ جس پر اسکے غلاموں نے حکومت کی۔ غزنی پر تاج الدین یلدوز نے حکومت کی۔ اچہ کی ریاست ناصر الدین قباچہ کے حصہ میں آئی اور قطب الدین ایبک جسکو سلطان نے ہندوستان کا گورنر بنایا تھا اسکو اچہ کے علاقے کے علاوہ تمام ہند کا آزاد حکمراں تسلیم کر لیا گیا۔ اس وقت اگر چہ دار السلطنت لاہور سے دہلی تبدیل ہو چکا تھا لیکن اسکی تاج پوشی کی رسم لاہور میں منعقد کی گئی۔ قطب الدین پہلا خود مختار مسلم حکمراں اور سلاطینِ غلاماں یا مملوکین کا بانی بنا۔ اسکے بعد آنیوالے بادشاہوں میں سلطان ایلتتمش، رضیہ سلطان، سلطان ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن جیسی علم پرور وادب دوست شخصیات گزری ہیں۔ نسلاً ترک ہونے کے باوجود ان تمام سلاطین نے فارسی زبان وادب کی جو خدمات انجام دیں رہتی دنیا تک اسکی نظیر ملنا ناممکن ہے۔

غوری عہد میں چونکہ دہلی ہند کا دار الخلافہ بن چکا تھا لہٰذا یہی پر رونق شہر ادب کا اہم مرکز بنا۔ جہاں بڑے بڑے علماء، فضلاء، اور شعراء کا مجمع رہتا تھا۔ اسکے علاوہ وہ تمام علاقے جہاں مسلمانوں کی لشکر گاہیں قائم تھیں شعر وادب کے مرکز بن گئے تھے۔ ناصر الدین کے دربار میں مشہور ومعروف پہلے تذکرے ''لباب الالباب'' کا مصنف محمد عوفی اور طبقات ناصری کا مؤلف منہاج سراج جیسے علماء موجود تھے۔ بلبن کے بیٹے شہزادہ محمد شہید خان جو ملتان کا صوبیدار تھا اس نے امیر خسرو اور حسن سجزی جیسے شعراء کی سرپرستی کی۔ مسعود علی محوی نے اپنی تصنیف ''دیباچہ امیر حسن اور ان کا زمانہ'' میں لکھتے ہیں کہ اس نے سعدی کو بھی ہندوستان آنے اور سیر وسیاحت کا دعوت نامہ بھیجا تھا۔

ساتویں صدی کے آغاز میں جب تاتاریوں نے ایران میں اپنی وحشت وبربریت سے خونریزی کا بازار گرم کیا

تو اکثر شہزادے، امراء، وزراء، علماء، فضلاء، ادباء، اور شعراء اپنی جان بچا کر ایران سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور اسی سرزمین کو اپنا مسکن بنایا اور فارسی زبان وادب کو ان آنیوالے علوم وفنون کے ماہرین سے مزید تقویت حاصل ہوئی کیونکہ شعراء زیادہ تر دربار سے منسلک ہوتے تھے اور بادشاہِ وقت جن کا بیشتر وقت جنگ وجدال میں صرف ہوتا تھا شعراء اپنے شیریں اور پراثر کلام سے انکے دل ودماغ کو فرحت بخشتے تھے۔ جس سے بادشاہ خوش ہو کر انکو انعام واکرام سے نوازتا تھا۔ اس دور میں شمس بلخی، فضلی ملتانی، ضیاء الدین سجزی، ناصری، روحانی سمرقندی، تاج الدین ریزہ، عمید سنامی، شہاب الدین مہمرہ بدایونی اور شیخ جمال الدین ہانسوی جیسے شعراء نے فارسی زبان میں شعر کہہ کر فارسی شاعری کے خزانے میں قیمتی اضافہ کیا۔

جب مملوکیہ سلطنت کمزور ہونے لگی تو جلال الدین خلجی نے سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیکر خلجی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ جلال الدین کا بھتیجا علاء الدین جو اسکا داماد بھی تھا اس خاندان کا اہم ترین اور طاقتور بادشاہ تھا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں دکن اور گجرات کی ریاست بھی دہلی سلطنت کی حدود میں شامل ہوگئیں تھیں۔ علاء الدین کے عہد میں سلطنت میں وسعت کے ساتھ ساتھ فارسی زبان وادب کا دائرہ بھی وسیع تر ہوا۔ اگر چہ یہ بادشاہ خود علم کی دولت سے محروم تھا لیکن اس نے علم وادب کی جسطرح سرپرستی کی، برنی کے بیان کے مطابق ''اسکی نظیر عالمِ اسلام میں کہیں نہیں ملتی تھی''۔ قطب الدین کے انتقال کے بعد اسکے چند نو مسلم غلاموں کی سازش کے باعث اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ قطب الدین کے انتقال کے بعد اس کا وزیر خسرو خاں جس کا تعلق گجرات کی ایک نچلی ذات پرواری کے ایک خاندان سے تھا۔ اسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بچپن میں مسلمان ہوگیا تھا۔ اور اسکا نام حسن رکھا گیا تھا۔ جب عین الملک ملتانی نے ۱۳۰۵ عیسوی میں مالوہ فتح کیا تو مالِ غنیمت کے ساتھ حسن اور اسکے بھائی بھی مالوہ سے دہلی لائے گئے۔ اور شاہی دربار میں حسن یعنی خسرو خاں'' کو سلطان علاء الدین کے ذاتی اور نجی غلاموں میں منتخب کیا گیا۔ جب قطب الدین نے شاہی تخت پر جلوس کیا تو وہ حسن کے نوخیز حُسن کا دیوانہ ہوگیا۔ اور اپنی تخت نشینی کے پہلے سال ہی حسن کو خسرو خاں کا خطاب اور وزیر کا عہدہ تفویض کیا اور ملک کافور کے تمام اختیارات اور جاگیریں بطور تحفہ حسن کو عطا کیں لیکن قطب الدین کی بدقسمتی کہ خسرو خاں اس کی حکومت کے لئے لعنت ثابت ہوا جس طرح علائی عہد کے لئے ملک کافور ثابت ہوا تھا[۱] خسرو خاں کے دہلی سلطنت پر زبردستی قبضہ کرنے کی کوشش میں ظلم وستم کا آغاز کیا تو دیپال پور کے حاکم غیاث الدین تغلق شاہ نے

---

[۱] خلجی خاندان: کے۔ ایس۔ لال ص ۳۲۲ تا ۳۲۷

اس کا خاتمہ کر کے دہلی میں ۱۳۲۰ء میں شاہی تخت پر جلوس کیا اور اسطرح تغلق خاندان برسر اقتدار آیا۔ محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق اس خاندان کے اہم حکمراں گزرے ہیں۔ ان دونوں سلاطین کے عہد میں حکومت کو ایسی رونق اور وسعت ملی کہ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحیح معنوں میں دہلی سلطنت اپنے عروج کو پہنچی۔

بانی خانوادہ تغلق غیاث الدین تغلق کے ایک حادثہ میں جان بحق ہونے کے بعد اسکی حکومت کی باگ ڈور جونا خاں کے نام سے مشہور اسکے بیٹے محمد بن تغلق نے سنبھالی۔ جو ایک شریف النفس حکمراں ثابت ہوا۔ اس نے فرقہ واریت اور نسل پرستی کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ نسل پرستی کے تعصب اور امتیاز کو بھی ختم کیا۔ سلطان کی اس خوبی کی بہترین مثال یہ ہے کہ اس نے رتن نامی ایک عام انسان کو سہسوان کا گورنر بنایا اور کرشنا نامی ایک معمولی شخص کو بہار کا سرکاری وکیل مقرر کیا۔ اسکے علاوہ اس نے علم وادب کی جس طرح خدمت کی وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ یہ بادشاہ بذات خود ایک جید عالم اور شاعر ہونے کے ساتھ خوشخط وخوش نویس تھا۔ وہ علماء اور شعراء کی بڑی قدر و منزلت کرتا اور شعراء کو نوازنے، انکی حوصلہ افزائی کرنے اور اپنی زر پاشی کے باعث اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ محمد بن تغلق کی داد و دہش کی داستان چونکہ بیرونی ممالک میں بھی زبان زد عام تھی۔ لہٰذا اسکے عہد میں تمام علوم وفنون کے ماہرین کا ایک بڑا قافلہ ہندوستان آیا اور شاہی دربار سے منسلک ہو گیا۔ دارالخلافہ کی منتقلی کے وقت سلطان نے صوفیاء، مشائخ، علماء اور شعراء کو بھی دولت آباد روانہ ہونے کا سخت حکم جاری کیا تا کہ وہاں بھی علمی وادبی اور مذہبی محفل آراستہ ہو سکے۔ حالانکہ اس امر سے سخت تباہی برپا ہوئی جسکا ذکر عصامی نے اپنی منظوم تاریخ میں انتہائی تلخ انداز میں کیا ہے۔

ابا خلق دهلی در آن روزگار — برون کرد از دهلیش شهریار
در آن شهر چو کس نماند از کرام — ببستند دروازها را تمام
بگفتا به شهر آتشی در زنند — همه خلق از شهر بیرون کنند[۱]

سلطان کو سنسکرت زبان سے بھی دلچسپی تھی اور اسکے اس شوق اور دلچسپی کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے اپنی ایک بستی کا نام ''سورگ وادی''[۲] رکھا تھا۔

محمد بن تغلق کی وفات کے بعد اسکا جانشین فیروز شاہ تغلق جو ایک عادل اور علم دوست حکمراں تھا اس نے سابقہ سلاطین کی طرح علم وادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ خاص کر سنسکرت کی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کا آغاز

۱۔ فتوح: ص ۴۳۳

۲۔ فارسی ادب بعہد سلاطین تغلق: ص ۱۴

اسی عہد سے ہوتا ہے۔ فیروز خود ایک اچھا شاعر تھا، اسکی کئی غزلیں تذکروں میں درج ملتی ہیں (جن کو راقم نے شعراء کی ضمن میں جمع کر دیا ہے)، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ فیروز کو شعر گوئی پر قدرت حاصل تھی۔ اسکے علاوہ اس نے مذہب کی اشاعت و تبلیغ کیلئے بہت سے مدارس قائم کئے ان میں مولانا رومی[۱] کے زیرِ انتظام سب سے مشہور مدرسہ، مدرسہ فیروزی تھا فروز کو تعمیرات کا بھی از حد شوق تھا صرف دہلی میں ہی فیروز نے ۳۰ عمارتیں تعمیر کرائیں تھیں جن کی تعریف میں شعراء نے قصیدے لکھے اور انعام و اکرام کے حقدار ہوئے۔ عہدِ فیروزی ہی میں جونپور میں شرقی خاندان، دکن میں بہمنی حکومت، گجرات اور مالوہ میں آزاد حکومتیں قائم ہو چکی تھیں ان خود مختار حکومتوں کے قیام کے باعث فارسی زبان و ادب کے دائرے میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ اسی عہد سے کشمیر میں بھی فارسی زبان کا آغاز ہوا اور حضرت سیّد شرف الدین عبدالرحمٰن بلبلؒ شاہ ترکستانی، حضرت سیّد جلال الدینؒ بخاری، مخدومؒ جہانیان جہانگشت، حضرت میر سیّد علی شاہؒ ہمدانی میر سیّد حسینؒ سمنانی، میر سیّد تاج الدینؒ سمنانی وغیرہ جیسی اہم صوفی اور بزرگ شخصیات کے ذریعے فارسی زبان و ادب نے وادیٔ کشمیر میں فروغ حاصل کیا۔

تغلق عہد تک فارسی شاعری اپنے اوج کمال تک پہنچ چکی تھی۔ اس زمانہ میں جہاں ایک طرف شعراء نے بادشاہِ وقت کی شان میں قصیدے لکھ کر انعام و اکرام حاصل کیا تو دوسری طرف ادباء نے بھی تصنیف و تالیف کے میدان میں قیمتی اور اہم شاہکار یادگار چھوڑے۔ فارسی نثر میں تاریخ، فقہ اور موسیقی کے علاوہ دیگر علوم و فنون پر بہت سی کتابیں تالیف ہوئیں جن میں سے بیشتر آج بھی ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک کے مخطوطات کے ذخیرہ میں شامل ہیں۔ اس عہد کے نثر نگاروں میں بساتین الانس کے مصنف اخستان، طوطی نامہ کے مؤلف ضیاء الدین نخشبی، منشآت ماہرو کے مصنف عین الملک ملتانی معروف بہ عین ماہرو، صاحبِ تاریخِ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، تاریخِ فیروز شاہی، شمس سراج عفیف، فتاوائے فیروز شاہی کا مصنف ابوالمظفر، فقہہ فیروز شاہی کے مصنف شرف محمد العطاری، مولانا شمس الدین یحیٰی کنز والعباد اور غنیۃ المنیۃ کا مصنف اعز الدین خالد خانی جیسی شخصیات شامل ہیں جنہوں نے فارسی نثر کے تقریباً ہر میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیئے جو ان کی شہرت کا باعث ہوئے۔

اس عہد میں جہاں شعراء اور ادباء نے اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا وہیں صوفیاء کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کسی دربار سے منسلک نہ تھا بلکہ وہ صرف اپنے صوفیانہ خیالات کو شعر اور نثر کے پیرائے میں بیان کر کے مذہب کی اشاعت و

---

۱ رومی کے متعلق تلاش و جستجو کے باوجود کوئی نتیجہ خیز معلومات حاصل نہیں ہوسکیں کہ آیا یہ شخصیت ایران کی مشہور و معروف صوفی ہستی، مثنوی معنوی کے خالق مولانا رومی تھے یا مدرسۂ فروزی کے منتظم اعلیٰ کوئی اور مولانا رومی تھے۔

تبلیغ کا فرض ادا کرتے تھے اور انکے ملفوظات، فرمودات اور ارشادات کو انکے مریدین کسی قیمتی خزانہ کی مانند صفحۂ قرطاس پر محفوظ کر لیتے تھے۔ تغلق عہد میں جن صوفیاء کرام نے اپنے اشعار، ارشادات اور فرمودات کے ذریعہ مذہب کی تبلیغ کی ان میں حضرت نظام الدینؒ اولیاء، مولانا شمس الدین یحییٰؒ منیری، مولانا معین الدینؒ عمرانی، مولانا شہاب الدینؒ امام، شیخ شہاب الدینؒ حق گو، شیخ زادہؒ ہود، شیخ شہاب الدینؒ تاج العارفین، شیخ شمس الدینؒ اندکانی، برہان الدینؒ ساغرچی، خواجہ کریم الدینؒ سمرقندی، فرید الدینؒ ناگوری، کمال الدینؒ علامہ دہلوی، صدر الدینؒ دہلوی، شیخ یوسفؒ دہلوی، جیسی بزرگ ہستیاں شامل ہیں۔ حسن سجزی دہلوی نے حضرت نظام الدین اولیاء کے ارشادات کو فوائد الفواد، مخ المعانی اور انیس الارواح میں قلم بند کیا ہے۔ شیخ برہان الدین کے ملفوظات حمیدؒ قلندر، کاشانی، شیخ حسین اور عماد الدین نے جمع کئے۔ نصیر الدینؒ چراغ دہلوی کے ملفوظات کو حمیدؒ قلندر نے کتابی شکل میں ''خیر المجالس'' کے نام سے متعارف کرایا۔ ان بزرگ ہستیوں کے علاوہ اور بھی شخصیات گزری ہیں جنھوں نے اپنے قول و بیان سے فارسی نثر میں گراںبہا اضافے کئے۔ ایسے زرین عہد ہونے کے باوجود فارسی ادب میں محض چند نامور شعراء اور انکے کلام کے علاوہ دوسرے شعراء کے متعلق بہت کم اطلاعات دستیاب ہوتی ہیں۔

''تغلق عہد کے غیر معروف شعرا'' میری پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ کا عنوان ہے۔ جس میں ان تمام غیر معروف شعراء اور انکے کلام پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے جو اس عہد کے نامور اور صاحب دیوان شعراء کے ہم عصر تھے لیکن انکو وہ شہرت، مقام اور مرتبہ حاصل نہیں ہو سکا جو اس عہد کے مشہور شاعر امیر خسرو، بدر چاچ، مطہر کڑہ، حسن دہلوی، جیسے شعراء کو حاصل ہوا۔

یہ مقالہ مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اوّل میں تغلق سلاطین کی تاریخ اور اس عہد کی تمدنی، اقتصادی اور معاشی زندگی کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ جو شعراء کے حالات اور انکے رویہ کو سمجھنے کے لئے لازمی ہے۔

باب دوم میں مشہور شعراء اور انکے کلام کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

باب سوم میں محمد بن تغلق کے عہد کے غیر معروف شعراء اور انکے کلام پر تمام دستیاب مآخذ کی مدد سے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب چہارم میں فیروز شاہ تغلق کے زمانے کے غیر معروف شعراء اور انکے کلام کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔
باب پنجم کتابیات کی فہرست پر مشتمل ہے۔

تیسرے اور چوتھے باب میں ایسے شعراء کا ذکر کیا گیا ہے جنکا مقام کسی بھی حیثیت سے اس زمانہ کے معروف شعراء سے کم نہیں تھا۔ لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر سیف جام ہروی کی اہم ترین تصنیف مجموعۂ لطایف و سفینۂ ظرایف ہفت اقلیم، لباب الالباب، مجمع الفصحا، عرفات العاشقین، مخزن الغرائب، ریاض الشعراء، خلاصۃ الاشعار، لسان الغیب، لسان الشعراء، تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، شمس سراج عفیف، منتخب التواریخ بدایونی، تاریخ فرشتہ کے علاوہ ان کا ذکر کہیں اور دستیاب نہیں ہوتا۔

مجموعۂ لطایف و سفینۂ ظرایف (ریوتمہ شمارہ ۳۷۴) سیف جام ہروی کی تصنیف ہے جسکا ایک ناقص الطرفین نسخہ برٹش میوزیم (جواب برٹش لائبریری کے نام سے جانی جاتی ہے) میں دستور الشعراء کے نام سے موجود ہے یہ بیاض ہندوستان میں مکمل ہوئی اور ہندوستان کی سب سے قدیم ترین بیاض ہے جو دستبرد زمانہ سے محفوظ ہے۔ یہ بیاض طویل عرصہ میں پایہ تکمیل کو پہنچی اس میں فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ، ۷۷۹ھ) کے عہد سے لیکر سلطان مبارک شاہ شرقی (۸۰۴ھ) کے بعد کے شعراء کا کلام محفوظ ہے۔ سیف جام ہروی نے مندرجہ ذیل شعر اور عبارت کے ساتھ عہد فیروزی کے ایک نامعلوم شاعر کے چند اشعار نقل کئے ہیں جس میں لکھنوتی کی مہم اور سکندر حاکم لکھنوتی کا فیروز تغلق کو ہاتھیوں کی پیش کش کا ذکر کیا گیا ہے۔

ستون سنگ را گویند که چو نست   بگویم راست کوه بیستونست

این بیت را در وصف بنای قصر درگاه بقا جوی شهنشاه اعظم
فیروز شاه معظم" خَلّد الله مَلکهٔ و سلطانهٔ و اَعلیَ اَمرَهٔ و شانهٔ"
شاعری نبشته است (ورق ۶۰۸الف)

"ای آنکه خدات داد ملك ابدی   درجان بخشی به نام خود سکه زدی
اسکندر اگر پیل ز شاهان بستد   آنی که تو پیل از سکندر ستدی

"این رباعی دران چه (کذا) رایات اعلی در لکهنوتی بود و

سکندر بادشاه لکهنوتی پیلان خدمتی فرستاده به انشاء رسید۔۔۔۔۔۔ ملك لکهنوتی همه وقت از اقطاعت و مضافات دارالملك دهلی است، پس بادشاه دهلی را از ستدن پیلان از پادشاه لکهنوتی چه افتخار باشد که برآن مدح کرده آید الخ"(ورق ٦٠٩الف)

تاریخ شاہد ہے کہ فیروز کوتعمیرات کا ازحد شوق تھا برنی نے اپنی تصنیف میں اس کے تعمیر کردہ متعدد محلات، شہر، حصار اور قلعوں کا ذکر کیا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا ہروی نے مندرجہ بالا شعر میں کس محل کا ذکر کیا ہے اور دوسرے بیان میں اس نے ۷۶۰ھ میں ہوئی لکھنوتی کی مہم کا ذکر کیا ہے جب سلطان سکندر نے فیروز شاہ کو ۲۷ ہاتھیوں کی پیش کش کی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیف نے اپنی تصنیف ۷۶۰ھ کے بعد مرتب کی ہوگی۔

سیف ہروی نے سلطان الشرق شاہ مبارک کا ذکر مندرجہ ذیل عبارت میں کرتے ہوئے تین اشعار نقل کئے ہیں:

"این شعر که نظیرآن صنعت آورده ام از گفتار خانزاده عزیز اللّٰه بسطامی است دام فضله که بمدح سلطان الشرق خلد اللّٰه ملکه نبشته است۔ این اختراع غریب و عجیب است ۔۔۔۔۔شعر میزان الاوزان که درمدح سلطان الشرق خلد اللّٰه ملکه است از شعر مذکور پنجاه وزن بحر مختلف بیرون می آید الخ"(ورق۲۲۸ب)

پادشاه دین پنه سلطان شرق — آنك داد او را کله سلطان شرق
ملك میگیرد بسی از عون حق — ملك می دارد نگه سلطان شرق
سال تاریخ 'ض' و 'ج' ای شاه — ابن سلطان شرق هست گواه

پروفیسر نذیر احمد صاحب نے مندرجہ بالا آخری شعر کے پہلے مصرعہ کے ض=۸۰۰ اور ج=۳ کے جمع سے ۸۰۳ھ تاریخ برآمد کی ہے اور یہی تاریخ "ابن سلطان الشرق" سے نکلتی ہے۔ جسکے بارے میں قطعی طور پر کہا سکتا ہے کہ

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰
س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

ا ۲ ۵۰ ۴۰ ۳۰ ۹ ا ۵۰ ۳۰۰

وہ ۸۰۳ھ میں جونپور کے تخت پر بیٹھا اور ٹھیک ایک سال بعد ۸۰۴ھ میں اسکا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا مندرجہ بالا تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ مجموعہ کا تعلق شاہ شرقی سے بھی تھا۔[۱]

پروفیسر شیرانی صاحب نے بھی اپنے ایک مقالہ میں جو رسالہ اردو (جنوری ۱۹۴۳ء) میں شائع ہوا ہے دو مرتبہ بیاض ہذا کو (ص ۹۶، ۱۰۰) دستور الشعراء کے نام سے تحریر کیا ہے اور شاہ مبارک شرقی سے اسکا تعلق ظاہر کیا ہے انکا بیان شاید اس وجہ سے صحیح ہو سکتا ہے کہ سیف ہروی نے مبارک شاہ کو "بادشاہ دین پناہ" کے نام سے یاد کیا ہے لیکن یہ نکتہ بھی ہمیں ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس نے فیروز شاہ کو بھی ان ہی القاب سے یاد کیا ہے۔ لہٰذا اس وجوہ پر ہمارے لئے پروفیسر نذیر احمد صاحب کے اس بیان کو کہ "سیف جام ہروی نے مذکور الذکر دونوں بادشاہوں کا زمانہ دیکھا ہوگا" تسلیم کرنا ہی زیادہ بہتر ہوگا، کیونکہ اس میں درج آخری کلام شاعر شاہ نعمت اللہ ولی کا ہے جسکی وفات ۸۳۴ھ میں ہوئی اس بنا پر اس بیاض کو سلطان مبارک شرقی کے دور سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

اس بیاض کا دوسرا نسخہ کابل میں موجود ہے جسکی بنیاد پر اسکے صحیح نام کا علم ہو سکا۔ کابل یونیورسٹی میں موجود نسخہ جگہ جگہ سے ناقص ہے لیکن برٹش میوزیم والے نسخہ کے صرف ابتدائی اوراق ضائع ہیں اور یہ نسخہ قدیم ہونے کے باوجود زیادہ محکم، صحیح اور عمدہ خط میں ہے۔

پروفیسر نذیر احمد صاحب نے برٹش میوزیم والے نسخہ کی مائکرو فلم حاصل کر کے اس کا روٹو گراف نسخہ تیار کرایا اور شعبہ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کتاب خانہ میں محفوظ کر دیا۔ یہ نسخہ دو جلدوں میں محفوظ ہے اسی کی بنیاد پر پروفیسر نذیر احمد صاحب نے چند مقالے تحریر کئے جو رسالہ فکر و نظر، انڈو ایرانیکا، ارمغان ایران اور نذر رحمٰن میں شائع ہوئے اور ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے اور آپ ہی کی توجہ سے میرے لئے اس موضوع کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔

پروفیسر نذیر احمد صاحب کے علاوہ اس نادر اور اہم ترین بیاض پر پروفیسر عابدی صاحب کا بھی ایک مضمون شائع ہوا ہے جو بہت زیادہ تلاش کے باوجود بھی دستیاب نہیں ہو سکا۔ راقم کی راہنما پروفیسر ماریہ بلقیس نے اپنے ایک مقالہ میں اس مجموعہ کی مدد سے حافظ کی ایک نایاب غزل کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جو انڈو ایرانیکا میں شائع ہوا ہے، اسکے علاوہ ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب (پاکستان) کا ایک مقالہ جو مجلہ معارف تہران ۱۳۷۸ش میں شائع ہوا اس مجلہ کا ایک شمارہ عارف نوشاہی صاحب نے پروفیسر نذیر احمد صاحب کو بھی ارسال کیا جسکے ساتھ ایک خط بھی تھا جسمیں

۱۔ نذر رحمٰن: ص ۲۲۴

انہوں نے تحریر کیا تھا کہ کابل یونیورسٹی کا نسخہ پاکستان میں موجود ہے اور انکے پاس محفوظ ہے۔ اور اسی نسخہ کی بدولت انہوں نے اپنا مقالہ تحریر کیا ہے۔

زیر نظر مقالہ میں تغلق عہد کے تمام غیر معروف شعراء کا حال اور انکے تمام کلام کو جمع کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ اور اس بات کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے کہ ان تمام شعراء کی معمولی سی بھی اطلاع اگر کہیں سے دستیاب ہوتی ہے تو اسکو فارسی ادب سے دلچسپی رکھنے والے قارئین اور شائقین سے متعارف کرایا جائے۔ لہٰذا ان شعراء کا اگر ایک شعر بھی کسی تذکرہ سے دستیاب ہوتا ہے تو اسکو بھی اس مقالہ میں درج کیا گیا ہے۔

''تغلق عہد کے غیر معروف شعراء'' کو فارسی ادب سے دلچسپی رکھنے والے اساتذہ، قارئین سے متعارف کرنے میں جن اساتذہ نے میری مدد اور رہنمائی فرمائی انکی بے حد مشکور ہوں۔ خاص کر اپنی استاد رہنما پروفیسر ماریہ بلقیس صاحبہ، صدر شعبہ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بے حد ممنون اور شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی مصروفیت کے باوجود اس مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری ہر ممکن رہنمائی اور مدد کی اور ہر گام پر مجھکو میری خامیوں سے آگاہ کیا اور میرا حوصلہ بڑھایا۔ کیونکہ انکی توجہ اور نظر ثانی کے بغیر میرا یہ مقالہ مکمل ہونا ناممکن تھا۔ میں فاضل استاد پروفیسر نذیر احمد صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے نہایت فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجموعہ لطائف وسفینہ ظرائف جیسی اہم ترین اور نایاب بیاض کی روٹو گراف میرے سپرد کی اور عہد تغلق کے تمام غیر معروف شعراء کو دنیا سے متعارف کرانے میں مدد دی۔ جناب غفار احمد صدیقی صاحب (صدر شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی) اور پروفیسر شرفِ عالم صاحب کی بھی شکر گزار ہوں، جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود جمال الدین استاجی کے قصاید جو خلاصۃ الاشعار نسخہ بانکی پور، پٹنہ میں درج تھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھکو ارسال کئے اور میرے کام کو مکمل کرنے میں میری رہنمائی کی۔ ان تمام اساتذہ کے علاوہ میں شعبۂ فارسی کے سیمینار کے انچارج سینئیر ریسرچ اسکالر اور دوستوں صالحہ، مکرم علی، فوزیہ وحید، شائستہ وسیم کی بھی بے حد ممنون ہوں کہ ان لوگوں کی ہمت افزائی کے سبب میرا یہ مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا۔ ان تمام لوگوں کے علاوہ میں اپنے والدین خاص کر اپنی مرحوم والدہ اور بہن بھائیوں کی صدق دل سے ممنون اور شکر گزار ہوں جن کی محبت نیک دعاؤں حوصلہ افزائی توجہ اور معاشی تعاون کے سبب میں اس مقالہ کو انجام تک پہنچانے میں کامیاب ہوئی۔ اگر یہ اہم ہستیاں مجھے فرصت مہیا نہ کرتیں تو شاید میں اس مقالہ کو انجام تک نہیں پہنچا سکتی تھی۔

شکریہ

اس مقالہ کی تیاری کے وقت آنجناب بقید حیات تھے۔ ۱۹ر اکتوبر ۲۰۰۸ء صبح ۸:۳۰ بجے منٹ پر اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔

(اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنْ)

تاریخ سلاطین تغلق

باب (اوّل)

''تاریخ سلاطینِ تغلق''

لفظ ''تغلق'' بمعنی سردار ترکی زبان کا لفظ ہے،اس کے معنیٰ پہاڑی علاقے کا رہنے والا بھی ہے۔ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ تغلق وہ لوگ ہیں جنکے باپ تاتاری اور ماں ہندی ہوں۔ ان کا پیشہ لوٹ مار اور قزاقی ہوتا ہے یہ لوگ جہاں جاتے ہیں اُس علاقے کو ویران کر دیتے ہیں۔مارکوپولو نے اپنے سفر نامے(Yule) میں یہی تحریر کیا ہے[۱]۔ ابنِ بطوطہ[۲] نے ملتان کے مشہور سہروردی صوفی بزرگ شیخ رکن الدین ابوالفتح کی سند پر اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ تغلق ترکوں کے قبیلہ'' قروانہ'' سے تعلق رکھتا تھا یہ لوگ ترکستان اور سندھ کی پہاڑیوں کے درمیان رہتے تھے۔[۳] نوادرالمعانی کے مصنف نے تغلق کے معنیٰ ''وسط'' بیان کئے ہیں اور طبقاتِ ناصری کے حوالہ سے فرشتہ نے تغلق کو''قتلغ'' کہا ہے۔ شمس سراج عفیف،ضیاء الدین برنی اور موجوہ مورخین اس لفظ کے صحیح معنیٰ بتانے کے سلسلے میں خاموش ہیں۔خلیق احمد نظامی، محمد حبیب اورصباح الدین عبد الرحمٰن نے یہی معنیٰ بیان کئے ہیں اور یہ تمام مؤرخین ابن بطوطہ اور مارکو پولو کے تغلق سے متعلق بیان سے اتفاق کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا نکات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تغلق ایرانی النسل تھے خاندان تغلق کا بانی غیاث الدین تغلق علاء الدین خلجی کے دورِحکومت میں سندھ میں داخل ہوا اور اس نے بادشاہ سے'' غازی ملک'' کا خطاب حاصل کیا ایلیٹ نے اپنی تصنیفHistory of India میں تحریر کیا ہے کہ ابن بطوطہ نے غیاث الدین تغلق کے اس خطاب کوملتان کی ایک مسجد کی دیوار پر کندہ دیکھا تھا۔خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ[۴] غیاث الدین تغلق کی پہلی ملازمت ایک چرواہے کی حیثیت سے تھی اور اسکا مالک ایک بڑا تاجر تھا اسکے بعد وہ اُلغ خاں کے خدمت گاروں میں شامل ہوا۔شروع میں ایک معمولی سپاہی کی خدمت انجام دینے کے بعدایک توپچی بنا پھرآگے چل کر وہ ایک اصطبل کا نگراں مقرر ہوا اسکے بعد آہستہ آہستہ اپنی خدمت گزاری اور ایمانداری کے باعث ترقی کے منازل طے کرتا ہوا امراء کی صف میں شامل ہوگیا اور پھر ملتان اور دیپالپور کا گورنر مقرر ہوا۔ جہاں اس نے

---

۱ فارسی ادب بعہد سلاطین تغلق :ص ۹

۲ جامع تاریخ ہند:ص ۵۸۵

۳ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔

۴ اس بات تصدیق امیر خسرو نے اپنی تصنیف تغلق نامہ میں بھی کی ہے۔

نہ صرف منگولوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا بلکہ کئی مرتبہ اُنکو شکست بھی دی۔ ایلیٹ لکھتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے منگولوں کو اٹھارہ مرتبہ شکست دی۔اسکے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیاث الدین ایک بہادر باہمت اور جنگجو سپاہی تھا جس نے شمشیر کے زور سے خسرو خاں جیسے ظالم حکمراں کو شکست دیکر ہندوستان جیسے عظیم الشان اور ایک وسیع ملک پر حکمرانی کی۔

دیپالپور اور ملتان کا گورنر مقرر ہونے کے بعد غیاث الدین کو کافی شہرت اور طاقت حاصل ہوگئی تھی۔ اسی دوران علاء الدین خلجی کی وفات ہوئی اور خسرو خاں نے زبردستی دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کی کوشش میں جو ظلم وبربریت قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔وہ غیاث الدین کی برداشت سے باہر تھا۔ظلم وبربریت کی یہ داستان ''مراۃ لاسرار'' کے مصنف نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

" خسرو خان کہ از سنگِ پرورده واز خاك بر کشیده سلطان قطب الدین مبارك شاه رابکشت۔ هماں ساعت سلطان المشایخ در خانقاهِ خود گشت میکرد واین بیت میخواند:

ای رو بهك چرانه نشستی به جای خویش باشیر پنجه کردی و دیدی سزای خویش [۱]

خسروخان کے ظلم وستم جب حد سے تجاوز کر گئے تو غیاث الدین اسکے ظلم و بربریت کا خاتمہ کرنے اور عوام کو اس ظالم حکمراں کے پنجہ سے نجات دلانے کا ایک نیا عزم لیکر آگے بڑھا اور خسرو کے خلاف نہ صرف علم بغاوت بلند کیا بلکہ اسکو شکست دیکر دہلی کے تخت پر اپنا تسلط قائم کیا اور خسرو کی شکست کے دوسرے دن دہلی میں داخل ہوا۔ امیر خسرو نے یہ واقعہ تمام تر تفصیل کے ساتھ تغلق نامہ میں درج کیا ہے۔

همه شب بود خسرو لشکر آرایی سرآن سرکشانش نیز بر پایی
چو صبح جمعه تیغ تیز برداشت زمانه غلغل خون ریز برداشت
چو صبح عشره شعبان فرخ ببرد از تخت گاه آسمان رُخ

ملک غازی غیاث الدین تغلق نے ۷۲۰ھ/مطابق ۱۳۲۰ء میں دہلی کے تخت پر جلوس کیا۔ فوج اور انتظامیہ کو نئے سرے سے منظم کرکے ہمنوا امراء وملوک کو اہم عہدوں پر فائز کیا۔ خلجی عہد کے بیشتر امراء کے

۱؎ مراۃ الاسرار: ص ۳۷۲

ساتھ مہربانی اور نرم دلی کا سلوک کیا اور انکو جاگیریں عطا کیں۔ ان تمام انتظامات کے بعد تغلق آباد کے قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس قلعہ کی تعمیر میں تین سال کی مدت صرف ہوئی۔ قلعہ کی تعمیر کے بعد اسمیں ایک شاہانہ جشن منعقد کیا گیا۔ جشن کے موقع پر بدرشاشی شاعر نے قلعہ کی تعمیر کی تاریخ'' فادخلوٗ' سے نکالی جو مورخین کے نزدیک ایک نادر تاریخ تھی۔ سلطان نے ان تمام لوگوں کو جنکے مشورے سے خسروخان نے قطب الدین کی ملکہ سے نکاح کیا تھا سب کو سخت سزائیں دیں اور اپنے بیٹے ملک فخر الدین (جونا خاں) جسکے چہرے سے ہی شاہانہ صلاحتیں جھلکتی تھیں اُلغ خان کا خطاب اور چتر شاہی کا اعزاز دیکر اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ کشلو خان کا خطاب دیکر بیرام اللہ کو جسے سلطان نے اپنا بھائی بنایا تھا پورے سندھ اور ملتان کا حاکم بنا دیا اور باقی چار بیٹوں کو بہرام خان، ظفر خان، محمود خان، اور نصرت خان کا خطاب عطا کیا۔

عصامی نے اُلغ اور اسکے بھائیوں کے القاب کا ذکر ذیل کے اشعار میں کیا ہے:

اُلغ خاں شده آن ملك فخر دین   که بدپور مرآن شه راستین
دگر پور شه گشت بهرام خان   که بد حاتمی دیگر اندر جهان
به پور سیوم شد ظفر خان خطاب   که میمون سیربود آن کامیاب
چهارم پسر گشت محمود خان   که بودست کهتر ز شهزاد گان [۱]

۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء میں تغلق شاہ نے اُلغ خاں کو چندیری، بدایوں اور پورب کے شہروں کی فوجیں دے کر دیو گیر اور تلنگانہ[۲] کی مہم پر روانہ کیا اُلغ خان نے دیو گیر پہنچ کر وہاں کی متعنیہ فوج کو اپنے ساتھ لیکر یلغار کرتے ہوئے قلعہ کے باہر کا محاصرہ کرلیا اور عین ممکن تھا کہ وہ اندر کے سنگین حصار کا بھی محاصرہ کرلیتا کہ شاعر عبید اور شہزادہ دمشقی کے ذریعہ پھیلائی سلطان کی وفات کی جھوٹی خبر سے لشکر میں اضطراب پھیل گیا۔ جس کے نتیجہ میں اُلغ خان کو مجبور ہوکر دہلی واپس لوٹنا پڑا۔ ۷۲۳ھ میں اُلغ خاں نے دوبارہ تلنگانہ کا رُخ کیا۔ ارنگل (وارنگل) کا راجہ رائے پرتاب رودر مہادیو پھر قلعہ بند ہوگیا اس مرتبہ اُلغ خاں نے بیرونی حصار کو فتح کر کے راجہ کو اسکے ساتھیوں سمیت گرفتار کیا اور وہاں کے انتظام و انصرام کے لئے عامل مقرر کیا اور وارنگل کا نام سلطان پور رکھا۔ تمام مالِ غنیمت جو ہاتھیوں، جواہرات اور قیمتی سامان پر مشتمل تھا مع راجہ دہلی روانہ کردیا اور خود

---

۱ فتوح: ص ۴۸۰

۲ تلنگانہ دکن میں واقع ہے اور اسکا دارالحکومت وارنگل ہے یہاں جو قلعہ تعمیر تھا وہ اپنے استحکام کے لئے مشہور تھا اس میں ۷۰ برج تھیں۔

بھی دہلی لوٹ آیا۔

۷۲۴ھ میں بنگالہ کے حاکم کی شورشوں کی خبر ملی تو خود سلطان تغلق اس طرف متوجہ ہوا اور اُلغ خان کو تغلق آباد میں ہی ملکی اور مالی امور کی نگرانی کے لئے اپنا نائب مقرر کیا۔سلطان کے لکھنوتی پہنچنے پر وہاں کے حاکم سلطان ناصر الدین اور اطراف کے تمام راجہ اور امراء نے اس کا پر جوش استقبال کیا۔سلطان نے ناصر الدین کو چتر، دور باش اور سلطنت کے اور دوسرے اعزازات کے ساتھ دوبارہ اسے لکھنوتی کی حکومت کا پروانہ عطا کیا۔لکھنوتی سے تغلق نے ظفر آباد کے حاکم تاتار خان کو جسے وہ اپنا بیٹا کہا کرتا تھا۔ سنار گاؤں کے حاکم بہادُر شاہ عرف تورہ پر جو عرصہ سے خود مختار ہوگیا تھا۔فوج کشی کے لئے روانہ کیا۔تاتار خان نے بہادر شاہ کو اسکے تمام ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

بنگالہ اور لکھنوتی کی مہم کو کامیابی سے سر کرنے کے بعد تغلق دہلی کے لئے روانہ ہوا۔ اُلغ خان نے سلطان کی آمد کی خبر سن کر تغلق آباد سے کچھ فاصلے پر ایک بہت بڑا اور بلند چوبی قلعہ تعمیر کرایا۔ تاکہ بادشاہ رات اسی محل میں بسر کرے اور صبح کو تغلق آباد کے لئے روانہ ہو۔لیکن افسوس کہ اسی محل کی چھت کے گرنے کے سبب دونوں باپ بیٹے ملبے کے نیچے دب کر زندہ درگور ہوگئے۔فرشتہ[1] نے صدر جہاں گجراتی اور حاجی محمد ہادی کی تاریخوں کے حوالہ سے اس حادثہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

''صدر جهان گجراتی در تاریخ خود نوشته که اُلغ خان این عمارت به طلسم برپا داشت چون طلسم شکست سقف فرود آمد۔ وحاجی محمد ہادی در تاریخ خویش نوشته که درآن ساعت که سلطان به دستش شستن مشغول بود صاعقه ازآسمان نازل شد وسقف شگافته برسرش ریخت واین رعایت برتقدیر وقوع به صحت اقراب مینماید''۔[2]

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ محمد بن تغلق نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ محل اپنے باپ کو قتل کرنے کے ارادے سے تعمیر کرایا تھا۔لیکن فرشتہ کے نزدیک یہ محض بہتان ہے اور حادثہ اتفاقی تھا۔عصامی جو اس عہد کا عینی شاہد ہے اس نے فرشتہ سے اختلاف کیا ہے اور اس واقع کا ذکر ان اشعار کے ذریعہ کیا ہے۔

---

۱ فرشتہ: ص ۱۳۲

۲ فرشتہ نولکشور کانپور ۱۸۹۱ء: ص ۱۳۲

بـفـرمـود کـارنـد پیـلان مسـت　　　که هریك بسی صف هیجا شکست
در آن جـایـی بنشست شاه جهاں　　　بـه پیشـش گـروهی زکار آگهاں
دوانیـد در صـحـن آن کـاخ پیل　　　به انسان که جنبد زمین تا دو میل
شـنیـدم زپیـران دیرینـه سـال　　　که چون صحن آن کشك شدپیل مال
بـجـنبیـد سـاز عـمـارات نـو　　　ز تـحـفیـض شـه تیر شد پی گرد
بـغـلـطیـد آن صـحـن آراستـه　　　ز زیـرش یـکـی گـرد بـرخـاسـتـه
ازآن حـادثـه خلق خود را جهاند　　　سـر شـاه در زیـر شـه نیـز مـاند
بـقـای شهـنشـه چو آمد بـه سر　　　به هر سو که سرزد، نبودش گذر
بـجـنبیـد بسیـار کـایـد بـرون　　　هم آخـر ستـون شد برو بی ستون
گـر ای تـن شـاه شـکست خـورد　　　بجستند خوردان بزرگی به مرد [۱]

غیاث الدین تغلق متعدد صفات کا حامل حکمراں تھا وہ خود ادبی ذوق کا مالک تھا اور ادیبوں، شاعروں اور ادب دوستوں کی سرپرستی بھی کرتا تھا۔ وہ ایک اچھا اور سخت گیر بادشاہ ہونے کے ساتھ تعمیرات سے بھی بھر پور دلچسپی رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے چار سالہ دورِ حکومت میں تغلق آباد جیسی عظیم بستی قائم کی۔ مشہور مورخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

"سـلـطـان تـغـلـق در مدت چهار سال کا رها کرد، فتحا نمود سـلـطـان عـلاء الـدیـن بـه آن ربـط و ضبط در آن مدت مدید نتوانست کرد"۔ [۲]

مفتی غلام سرور نے ذیل کے اشعار میں غیاث الدین تغلق کی تاریخ وفات مستند طور پر بیان کی ہے۔

چـون غیـاث الـدیـن مـحـمد شاه هند　　　شـد ازیـن دنیـای دیـن بـادا دو آه
از دل سـرد بـه سـال رحلتـش　　　شـد عیـان بـحـرالمعـانی بـادشـاه [۳]



۱　فتوح: ص ۰۸-۴۰۷

۲　تاریخ حقی: قلمی مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ: ص ۹

۳　گنج تاریخ: نولکشور: ص ۱۷۴

''محمد بن تغلق''

عہد تغلق کا ذہین وفطین اور بہادر جنرل محمد بن تغلق ایک بہترین شہسوار اور ماہر شمشیر باز اور ایک تجربہ کار سیاستداں تھا۔ جسکا بیشتر وقت میدان جنگ میں صرف ہوا۔ اسکی پیدائش ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء میں ہوئی۔ بچپن میں وہ جونا خان کے ہندی نام سے جانا جاتا تھا۔ غیر معمولی ذہانت سے اُس نے بہت جلد حفظِ قرآن کے ساتھ ساتھ روایتی اور مروجہ علوم حاصل کر لئے تھے۔ اس کے دوسرے بھائیوں میں وہ تمام خوبیاں مفقود تھیں۔ جو، جونا خان کو عطیۂ خداوندی کی صورت میں حاصل ہوئی تھیں۔

محمد بن تغلق کی صفات کا اندازہ ہم برنی کی ذیل کی عبارت سے کرسکتے ہیں۔

"سخاوتی داشت کہ گنج بہ درویش دادی و آن راحقیرپنداشتی و بخششِ مدت العمر معن زادہ و حاتم کمترین عطائی یك روزہ او بودی بہ هنگام بذل و ایثار غنی و فقیر، آشناو بیگانہ در نظر همتش یکسان نمودی ودرپادشاهئ او این اولیٰ اِلیٰ آخرہ، علماء و کبرأو هنر ورأن و کشتی شکستگان بأمیدِ عواطف ومراحم اواز عراق و خراسان وماوراء النهر و ترکستان و روم و عربستان روبہ هندوستان آور دند۔واز آنچہ تصور کردہ بودند نوازشهامی یافتند"۔[1]

ہندوستان کے کسی بھی سلطان نے اپنی ذات سے متعلق لوگوں کے دلوں میں اسقدر تجسس پیدا نہیں کیا جتنا کہ محمد بن تغلق نے، اور نہ کسی بادشاہ کی تدبیر اسقدر متنازع کا باعث بنی۔ خلیق احمد نظامی اس کی حکمتِ عملی پر اظہارِ رائے اس طرح کرتے ہیں: ''۲۶ سالوں کی اسکی حکومت صحیح طور پر سوچی ہوئی مگر برے طور پر عمل درآمد کی ہوئی اور بالاخر ترک کی ہوئی اسکیموں اور منصوبوں کی ایک دلکش مگر افسوس ناک داستان ہے اسکا اختراع پسند اور خوش تدبیر دماغ نئے منصوبے بنانے میں جس قدر تیز تھا اتنا ہی عوام کی نفسیات سمجھنے میں سُست۔ اپنی اسکیموں پر کامیاب طور پر عمل کرانے

۱؎ تاریخ فیروزشاہی: ضیاء برنی: ج۲، ص ۴۰۸

کیلئے عوام کے ساتھ جسطرح کا تعلق اور باہمی مفاہمت پیدا کرنے کی ضرورت تھی وہ کبھی اُسے حاصل نہیں کر سکا۔ اُسے لوگوں کی نیتوں کے متعلق شک تھا اور لوگ اسکی اغراض و مقاصد پر شک کرتے تھے۔ اُسکے اور رعایا کے درمیان مُنہ کھولے ایک بڑی کھائی حائل تھی اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ یہ کھائی اور وسیع ہوتی گئی۔ ہر ایک منصوبے نے اگلے منصوبے پر اپنا نامبارک اثر چھوڑا۔ یہاں تک کہ ساری فضا تلخی اور مخاصمت سے بوجھل ہوگئی"۔[1]

ان تمام باتوں کے باوجود محمد بن تغلق کی حکومت مورخین کے نزدیک فاصل آب (Water Shed) کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اشوک کے بعد اسی بادشاہ کے عہدِ سلطنت میں سارا ہندوستان ایک ہی سیاسی رنگ میں نظر آیا اور دہلی سلطنت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچی۔ لیکن اسکے کئے گئے چند غلط فیصلوں کی بدولت ایک زبردست ردِعمل ظاہر ہوا اور پے در پے بغاوتوں نے اسکے اقتدار کی دیواروں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسکے باوجود سلطان نے جان توڑ کوشش کی کہ سارے ہندوستان کے سیاسی اور انتظامی اتحاد کو فروغ دے کر دہلی سلطنت کو ایک علَم کے نیچے جمع کر دے۔ لیکن زندگی میں اس کو مہلت نہ ملی کہ وہ اپنے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کر سکتا۔ اسکی موت کے وقت دہلی سلطنت کی بنیادیں کمزور ہو کر کئی آزاد سلطنتوں میں تقسیم ہوگئیں تھیں۔[2]

جونا خان جو بعد میں اُلغ خاں اور محمد بن تغلق کے نام سے مشہور ہوا ہندوستان کے لائق اور دور اندیش حکمرانوں کی صف میں شمار کیا جاتا ہے۔ جسکے چہرے سے ہی شاہانہ صلاحتیں جھلکتی تھیں اور شاید یہی وجہ تھی کہ غیاث الدین نے اپنے دورِ حکمرانی میں ہی اسکو اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا۔ اس کی تخت نشینی برنی کے قول کے مطابق ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء اور عصامی کے مطابق ۷۲۴ھ/۱۳۲۴ء کا سال قرار پاتا ہے۔ غیاث الدین کی وفات پر ۴۰ دِن کے سرکاری افسوس کے بعد اس نے اپنی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ عہدِ شہزادگی میں وہ تغلق آباد میں رہتا تھا لیکن اس رسم کو ادا کرنے کے لئے وہ دہلی کی جانب روانہ ہوا اور دولت خانہ (جسمیں سابقہ تمام سلاطین کی تاجپوشی ہوئی تھی) میں تخت نشین ہوا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس موقع پر دہلی ایک دلہن کی مانند سجائی اور سنواری گئی۔ جب محمد بن تغلق کا شاہی جلوس بدایوں دروازے سے دولت خانے کی جانب روانہ ہوا تو دائیں بائیں سونے چاندی کی بکثرت بارش ہوئی اور زمین و آسمان روشنی سے چکا چوند ہو گئے۔ برنی لکھتا ہے کہ "تمام لوگ مرد، عورت، بچے، جوان، بوڑھے اور سن رسیدہ، آزاد، غلام، ہندو، مسلمان سبھی لوگوں نے صدائے تحسین بلند کی اور محمد بن تغلق کو خوش آمدید کہا اور دُعا دی"۔[3] اس نے اپنے بھائیوں

---

۱ جامع تاریخ ہند: ص ۶۸۴

۲ ایضاً: ص ۶۸۵

۳ تاریخ فیروز شاہی: ج دوم، ص ۴۵۷

کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور انکے مرتبے کے مطابق انکو علاقے عطاء کیئے۔ عصامی نے ان واقعات کی منظر کشی درج ذیل اشعار میں اس طرح بیان کی ہے:

همه عدل و احسان در آغازِ کار عیان کرد در شهر آن شهریار
در آن بار گاه آن چنان زر فشاند که مهراز زر افشانیش خیره ماند
بیا سوده خلقی ز احسان او همه افرین کرده بر جان او
پس آنگه به اعزاز بهرام خاں به لکهنوتی از حکم شه شد رواں
بهادُر شه آں پورۂ دیو بند گرفت از در شاه صدری بلند
شهش پنج چتر گرا نمایه دار به سنار گانوش فرستاد شاد
قوام الدین آن پوربرهان نیو به دکن ز فرمان شه شد خدیو[1]

تاج پوشی کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے ابن بطوطہ اور ابوعمر صفا لکھتے ہیں:

''آج وہ پورے ہندوستان کا مالک ہے۔ وہ بحر و بر کا حکمراں ہے۔ یقیناً وہ ہندوستان کا بادشاہ ہے اور ملک میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو اسکا مدِّ مقابل بن سکے محمد بن تغلق نے بیشتر افراد کو اپنی دادودہش میں پیچھے چھوڑ دیا ہر روز وہ غریب کو امیر بنا دیتا اور اپنی خون کی پیاس میں زندوں کو مردہ بنا تا رہتا''۔[2]

اسکی سلطنت کے پہلے دس سال رعایا کے لئے پرسکون اور خوشحالی کے تھے۔ آغازِ سلطنت میں سرکاری آمدنی اور خرچ کے کاغذات کی دیکھ بھال بہت احسن طریقہ سے کی گئی۔ فرشتہ کے مطابق اس نے بے حد مختصر مدت میں اپنے حسن انتظام کا بہترین ثبوت دیتے ہوئے تمام بڑے راجگان جیسے دوار سُمدر، معبر اور وارنگل کے دور دراز علاقوں سے خراج وصول کیا، لیکن اسکی حکومت کے آخری پندرہ سال میں بے شمار بغاوتیں ہوئیں جن کے خاتمہ کے لئے سلطان نے بے دریغ دولت لٹائی۔

قتلغ خواجہ کے بھائی ترمہ شیرین نے ۷۲۹ھ میں دہلی پر یورش کی۔ اس سے قبل خود قتلغ خواجہ نے بھی ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ ترمہ شریں نے لاہور، سامانہ اور اندری سے بدایوں تک بہت سے قلعہ فتح کرنے کے بعد وہاں

---

۱ فتوح: ص ۴۰۸

۲ فارسی ادب بعہدِ سلاطینِ تغلق: ص ۱۱

لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا، لیکن جب شاہی لشکر مقابلہ کے لئے آیا تو انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ بادشاہ بھی انکے تعاقب میں کلانور تک گیا اور وہاں کے قلعہ کو مسمار کرنے کی ذمہ داری مجیر الدین[1] ابور جا کو سونپ کر خود دہلی واپس چلا گیا۔

۷۳۱ھ/۱۳۳۱ء میں سلطان نے ملک کے ٹیکس کی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے دوآبہ کے زرخیز علاقہ میں محصول بڑھانے کا حکم جاری کیا جسکی وجہ سے مجبور اور کمزور کسان اور زیادہ کمزور ہوگئے اور ٹیکس کی ادائیگی سے محفوظ رہنے کی خاطر اپنے گھر، زمین، جانور چھوڑ کر دوسرے غیر آباد علاقوں میں آباد ہوگئے اور جو لوگ باقی رہ گئے تھے انہوں نے لوٹ مار کا پیشہ اختیار کیا۔[2]

دوآبہ کے محصول میں اضافہ کے حکم کے بعد سلطان کا دوسرا غیر معقول فیصلہ دارالسلطنت کو دہلی سے دولت آباد منتقل کرنے کا تھا۔ بادشاہ نے دہلی کے تمام مکانات خرید لئے اور شاہی خزانے سے اُن کی قیمت ادا کی گئی ہوسکتا ہے کہ سلطان کے نزدیک دارالحکومت تبدیل کرنے کے بہت سے فوائد ہوں کیونکہ دولت آباد ملک کے وسط میں واقع تھا جہاں سے سلطنت کے ہر صوبے کی نگرانی بخوبی کی جاسکتی تھی لیکن اہل دہلی کے لئے یہ منتقلی بہت سے نقصانات کا باعث بنی۔ لوگوں کو اپنے بسائے ہوئے گھر چھوڑ کر ایک نیا اور غیر مانوس شہر آباد کرنا پڑا جہاں وہ سخت دشواریوں میں گرفتار ہوئے۔ برنی اور عصامی کے بیان کے مطابق یہ منتقلی سخت گرمیوں میں کی گئی جسکی وجہ سے بیمار اور ضعیف لوگ راستے میں گرمی کی تاب نہ لاکر انتقال کر گئے۔

سلطان نے صرف دارالخلافہ کی تبدیلی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ دہلی والوں کو دوسرا سخت حکم یہ جاری کیا کہ جو لوگ بھی دہلی میں رہ گئے ہیں وہ دولت آباد جا کر آباد ہو جائیں۔ بادشاہ کے اس فیصلے کی نتیجہ میں دولتِ آباد تو پُر رونق ہو گیا لیکن دہلی ایسی اجڑی کہ بقول برنی ''وہاں کتوں اور بلیّوں کے سوا کوئی نہ رہا''۔[3]

جب سلطان کی غیر دانش مندانہ تدبیروں کی وجہ سے شاہی خزانہ خالی ہونے لگا۔ تو اس نے کاغذی نوٹ اور تانبہ کے سکّوں کی ابتداء کی۔ اس سے قبل چین کے قبلائی خان اور غائی خاتو نے بھی کاغذی نوٹ کا اجراء کیا تھا۔ سلطان کے رائج کردہ کاغذی نوٹ ابتداء میں تانبہ کے سکّوں کے ساتھ کافی مقبول ہوئے لیکن اسکے دوسرے غیر سود مندانہ فیصلوں کی مانند یہ تدبیر بھی ناکام رہی۔

---

۱ بدایونی نے مجیر الدین کے بجائے مجید الدین لکھا ہے اور اسی حوالے سے خلیق نظامی صاحب نے بھی اُن کو مجید ہی سمجھا ہے جب کہ تاریخ فیروز شاہی میں محمد بن تغلق کے وزیر مجیر الدین کا نام ملتا ہے اس کے علاوہ مجید نام کے کسی شخص کا ذکر نہیں میرے نزدیک مجیر الدین ابورجا ہی درست نام ہے کیونکہ مجیر کی مدح میں تغلق عہد کے ایک شاعر منتجب الدین کے کئی قصیدے مجموعہ لطایف میں قسم پنجم میں نقل ہوئے ہیں۔ مجموعہ، ج اوّل ص ۹۱

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں بھی یوسف بن ابورجا نام کے ایک وزیر کا بھی ذکر ملتا ہے۔ جس کی مدح میں برھان الدین بڈھانی کا ایک قصیدہ بھی مجموعہ لطایف میں نقل ہوا۔ محمد بن تغلق کے عہد میں حسام الدین نام کے ایک امیر بھی گذرے ہیں انکی مدح میں مغیث الدین ھانسوی اور مطہر کڑہ دونوں نے قصاید نظم کئے ہیں جو مجموعہ لطایف میں نقل ہوئے ہیں۔

۲ منتخب التواریخ اردو ترجمہ: ج اوّل ص ۱۲۷ ۳ ایضاً: ص ۱۲۷

عصامی محمد بن تغلق کے اس ناکام فیصلہ اور انوکھی تدبیر کے نقصان کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

چون زآن مهرنا خوش بر آمد سه سال — همه خاك شدهر كجا بود مال
یکی روز فرمود آن زر پرست — که کس مهرمس را نگیرد به دست
همه خاك واصل شدا ز هر زری — چواز قلب اکسیر خاکستری
تهی دست شد مرد سرمایه دار — به کشور چنین ظلم شد آشکار[۱]

۷۶۷ھ کے آخر میں بہاء الدین گرشاسپ نے دہلی میں بغاوت کی یہ سلطان کا چچازاد بھائی تھا اور اس نے غیاث الدین کی وفات کے بعد محمد بن تغلق کے حق میں حلفِ وفاداری اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا لیکن عصامی کہتا ہے کہ سلطان نے اسے ''گرشسپ'' کے خطاب سے نواز کر ساگر بھیج دیا تھا جہاں وہ کافی مقبول ہوگیا۔ سلطان نے اسکی سر کوبی کے لئے ملک احمد ایاز خواجہ جہاں کو روانہ کیا جس نے اسے شکست دیکر گرفتار کرنے کے بعد بادشاہ کے حضور پیش کیا جہاں اسے سزا دی گئی۔

ملک بیرام اللہ نے، جسکو سلطان اپنا بھائی کہا کرتا تھا، ملتان میں علمِ بغاوت بلند کیا۔ بادشاہ دولت آباد سے اس فتنے کو دبانے کے لئے ملتان پہنچا اور بیرام سے مقابلہ کیا اگر چہ بیرام نے بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن انجام کار شکست اس کا مقدر ہوئی اور قتل کر دیا گیا۔ محمد بن تغلق بیرام کی بغاوت کے انتقام میں سارے ملتان کو تاراج کر دینا چاہتا تھا لیکن برنی کے مطابق شیخ رکن الدینؒ نے اپنی دستار اتار کر سلطان سے اہلِ ملتان کی جان بخشی کی سفارش کی۔ جسکی وجہ سے ملتان کی عوام کو سلطان کے قہر سے نجات حاصل ہوئی۔

۷۳۱ھ میں محمد بن تغلق نے اسی (۸۰) ہزار فوجیوں پر مشتمل ایک لشکر جرار ہمالیہ کی مہم کے لئے روانہ کیا۔ مورخین نے اس پہاڑ کی ایک خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ وہاں لوگوں اور جانوروں کے شور وغل سے بادل گھر آتے ہیں۔ چنانچہ جب فوج پہاڑ پر چڑھنے لگی تو ان کے شور سے اسقدر برف باری ہونے لگی کہ انکے حوصلے پست ہوگئے فوج تک رسد پہنچنے میں دشواری کا سامنا ہوا جس کے نتیجہ میں ساری فوج ایک آفتِ ناگہانی میں مبتلا ہوگئی اور پہاڑی لوگوں نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بادشاہ کی فوج پر حملہ کر دیا اور انکو شکست دیکر بھگا دیا۔[۲]

۷۳۹ھ میں سنارگاؤں کے حاکم بہرام خاں کی موت کے بعد ملک فخر الدین سلاحدار نے بغاوت کی اور خود کو

---

۱ فتوح: ص ۴۴۲

۱ منتخب: ص ۱۲۷

بادشاہ کہنے لگا۔ لکھنوتی کے حاکم قدر خاں نے ملک حسام الدین، ابو رجاء اور عز الدین یحییٰ اعظم الملک کے ساتھ ملک فخر الدین کو شکست دے کر اسکا سارا مال و اسباب اور خزانہ چھین لیا۔ کچھ دن بعد فخر الدین تمام تر تیاری کے ساتھ پھر مقابلہ کے لئے آیا اور قدر خاں کے ہی ساتھیوں کے ساتھ ساز باز کر کے اسکو قتل کر دیا اور سنار گاؤں کا مستقل حاکم بن بیٹھا۔[۱]

کچھ ہی دن بعد ملک الیاس حاجی امیر بنگالہ جس نے اپنے اطراف کافی لوگوں کو اکھٹا کر لیا تھا۔ لکھنوتی کے امراء کے ساتھ سردار علی مبارک جس نے علاء الدین[۲] کے نام سے بادشاہت قائم کی تھی قتل کر دیا اور اپنا خطاب شمس الدین رکھ کر تخت نشین ہوا۔ ۷۴۱ھ میں سلطان نے سنار گاؤں کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور یورش کر کے فخر الدین کو گرفتار کرنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن شمس الدین نہ صرف سنار گاؤں کا حاکم بنا رہا بلکہ عرصہ تک اس کی اولاد بھی حکومت کرتی رہی۔[۳]

معبر[۴] میں ملک ابراہیم خریطہ دار شاہی کے باپ سید حسن کتھیلی نے جو حسن کانگو کے نام سے مشہور تھا بادشاہ کے ظلم و ستم اور خون ریزی سے تنگ وہاں پر موجود لشکر کے ساتھ مل کر علمِ بغاوت بلند کیا اور اپنا نام علاء الدین بہمن شاہ رکھ کر مستقل بادشاہت قائم کر لی۔ بادشاہ اس شورش کو دبانے کے لئے روانہ ہوا لیکن تلنگانہ تک ہی جا سکا اور ناسازی طبیعت کی بنا پر مجبوراً واپس ہونا پڑا۔[۵]

۷۴۳ھ میں ملک ہلا جون گل چند کھوکھر اور ملک تتار خرد نے لاہور میں بغاوت کر کے حاکم لاہور کو موت کی نیند سلا دیا۔ سلطان نے اس سے مقابلے کے لئے خواجہ جہاں کو مقرر کیا جس نے باغیوں کو شکست دیکر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اس سے اگلے سال سلطان نے سنام[۶] اور سامانہ کے سیّدیوں پر حملہ کیا اور سید حسن کتھیلی کی بغاوت کے صلہ میں تمام سیدوں کا بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ قتلِ عام کرایا۔

اسی سال مصر کے عباسی خلیفہ کی جانب سے حاجی سعید جو برائے نام مصر کا حکمراں تھا، بادشاہ کے لئے خلافت، نشان، خلعت اور ناصر المومنین کا خطاب لیکر ہندوستان آیا اس کے آنے کی خوشی میں بادشاہ نے اس دن تمام شہر میں آئینہ بندی کا حکم دیا اور شہر کی تمام اہم شخصیات کے ساتھ حاجی سعید کے استقبال کے لئے گیا اور پیادہ پا ہو کر حاجی سعید کے قدم چومے اور پیچھے چلا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ خلیفہ کا فرمان اور اجازت آنے تک بادشاہ نے جمعہ اور عیدین کی جماعت برطرف کر رکھی تھی اس دن نہایت خوشی سے جماعت قائم کرنے کی اجازت دی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور

---

۱ ایضاً: ص ۱۳۰ ۲ ایضاً: ص ۱۳۰ ۳ ایضاً: ص ۱۳۰ ۴ معبر (مشرقی گھاٹ) کی مہم ۱۳۴۴ء میں ہوئی۔ معبر عربی زبان میں گھاٹ کو کہتے ہیں۔ عرب دکن کے مشرقی ساحل کو معبر اور مغربی ساحل کو ملی بار کہتے ہیں بیشتر مورخین معبر اور ملی بار میں کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے تیرویں اور چودھویں صدی میں عرب اور ایرانی ہندوستان کے کارمنڈول اور کرناٹک کو ہی معبر کہتے تھے۔ وصاف نے "معبر" کو ہندوستان کی کنجی کہا ہے اور اسکے راجہ کا نام سندر پانڈے اور وزیر کا نام تقی الدین عبدالرحمٰن لکھا ہے اس راجہ کی وفات ۱۲۹۳ء میں ہوئی۔ اسکا دارالخلافہ مُدرا تھا جسے شہر پانڈی بھی کہتے ہیں جو بگڑ کر فارسی تاریخوں میں منڈی یا ماڈی ہو گیا ہے۔ (منتخب) ۵ ایضاً: ص ۱۳۵ ۶ چھٹی صدی ہجری میں اسی جگہ کے مشہور شاعر عمید لوئکی سنامی گزرے ہیں جنکا دیوان پروفیسر نذیر احمد صاحب نے تحقیق، ترجمہ کر کے شائع کیا۔

اس خطبہ میں ماسوا محمود غزنوی کے تمام سابقہ سلاطین کے نام خارج کر دیئے گئے۔ حاجی سعید کو سلطان نے حسبِ عادت اس قدر مال و زر سے نوازا کہ شاہی خزانہ خالی ہو گیا اور مصری خلیفہ کے نام ایک نہایت عمدہ اور نایاب موتی کہ اس جیسا خزانے میں کوئی موتی نہیں تھا بطور تحفہ عطا کیا۔ بادشاہ کو فرمانِ خلافت کیا حاصل ہوا کہ وہ خود کو ہی خلیفہ سمجھنے لگا عوام کو اس کے احکام سناتا اور خلیفہ کے نام پر ان سے بیعت لیتا۔ دوسری مرتبہ خلیفہ کی جانب سے مخدوم زادہ عباسی بادشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ نے اس کو بھی اراضیات اور جاگیریں عطا کیں۔

۷۴۴ھ میں زبردست قحط پڑا اور شاہی خزانہ اسکا بار برداشت کرنے سے قاصر رہا جسکی وجہ سے سلطان نے رعایا کو حکم دیا کہ جسکا دل چاہے پورب کے ممالک میں جا کر آباد ہو جائے اور جسکا دل چاہے دولت آباد کو خیر آباد کہہ کر دہلی میں سکونت اختیار کر لے۔

۷۴۵ھ میں بیدر[۱] میں شہاب الدین باغی ہو گیا بادشاہ نے قتلغ خان کو اس کی سرکشی کو دبانے کے لئے روانہ کیا۔ شہاب الدین نے پہلے تو مقابلہ کیا لیکن شاہی فوج کی تاب نہ لا کر اپنے بیٹے کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ قتلغ خان نے امن کا قول نامہ دیکر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور سلطان کے پاس بھیج دیا۔

برنی لکھتا ہے کہ ۷۴۷ھ میں اودھ اور ظفر آباد[۲] سے عین الملک[۳] کافی مال و اسباب اور قیمتی تحائف کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس سے سلطان کافی متاثر ہوا اور اس نے عین الملک کو قتلغ[۴] خان کی جگہ نامزد کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس تجویز نے عین الملک کو تشویش میں مبتلا کر دیا اور اسکا خوف اس حد تک پہنچا کہ اس نے سرگدواری[۵] سے راہِ فرار اختیار کی اور گنگا عبور کر کے صف آرائی کی۔ بادشاہ اس کی سرکوبی کے لئے خود روانہ ہوا۔ عین الملک، جس کو اس کے بھائیوں اور شاہی لشکر کے جانوروں کی رکھوالی پر متعین ملک فیروز باربک کے آدمیوں نے، بادشاہ کی طرف سے بدظن کر دیا تھا، نے مقابلے کے لئے صف آرائی کی۔ لیکن وہ بالآخر گرفتار ہو کر بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا لیکن سلطان نے اسکی دیرینہ خدمات کے عوض اسکو رہا کر دیا۔

مالوے کی حکومت پر مامور عزیز خمار جو ایک بدطینت اور بدفطرت انسان تھا۔ بادشاہ کے حکم پر وہاں کے بیشتر امراءِ صدہ کو تہ تیغ کر دیا جسکے نتیجہ میں مالوے میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا۔ اس خبر سے گجرات کے امراءِ صدہ نے بھی علم بغاوت بلند کیا۔ جس کے خاتمہ کے لئے سلطان خود روانہ ہوا اور ملک علی سرجان دار اور احمد لاچین کو دولت آباد بھیجا تا کہ

---

۱ حیدر آباد سے ۷۵ میل کے فاصلے پر شمال مغرب میں آباد ہے۔ یہ بریدشاہی بادشاہوں کا دارالخلافہ ہے۔

۲ ظفر آباد کو علاء الدین خلجی کے دور میں ظفر خان نے آباد کیا تھا۔

۳ عہدِ تغلق کے ایک شاعر مغیث الدین نے ان کی تعریف میں قصیدہ لکھا ہے۔

۴ ابن بطوطہ اور فرشتہ نے محمد بن تغلق کا اتالیق بتایا ہے جو دولت آباد اور دکن کا صوبہ دار تھا

وہ دکن کے باغیوں کا قلع قمع کرسکیں۔اس معرکہ میں احمد لاچین مارا گیا۔عزیز خمار جو باغیوں کی سرکوبی کے لئے گجرات اور دیوہری کی جانب گیا وہ بھی مقابلہ کرتے ہوئے گرفتار کرلیا گیا۔ان ناکامیوں اور سرکشی سے بادشاہ سخت ناراض ہوا اور اس نے دولت آباد پر حملہ کردیا۔جسمیں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان قتل ہوئے یا قید کردیے گئے اور کچھ نے بیدر کی طرف بھاگ کر پناہ لی۔ابھی بادشاہ اس مہم سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ گجرات میں غدر برپا ہوگیا۔ملک طغی حاکم گجرات، ملک مظفر کو قتل کرکے اسکے مال واسباب پر قابض ہوگیا۔سلطان اس مہم پر دوسرے امیروں کو متعین کرکے خود تلنگانہ سے گجرات روانہ ہوگیا۔

بادشاہ کے جاتے ہی تمام امیر جو دولت آباد سے بھاگ گئے تھے متحدہ ہوکر دولت آباد پر حملہ آور ہوئے۔عمادالملک سرتیز کو قتل کردیا۔مہم کی سرکوبی کے لئے مقرر ملک جوہر اور قوام الدین اور دوسرے مقرر امراء نے انکے مقابلہ کی تاب نہ لاکر راہِ فرار اختیار کی۔حسن گانگو شہر پر قابض ہوگیا اور سلطان علاء الدین کے نام سے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔اس کے بعد دولت آباد کی سلطنت اسکے خاندان کے نام سے مخصوص ہوگئی۔

ادھر گجرات میں ملک طغی نے دومرتبہ شاہی فوج کا مقابلہ کیا لیکن ہر بار اس کو شکست کا سامنا ہوا وہ در بدر پھرتا رہا۔سلطان بھی مسلسل اسکے تعاقب میں رہا۔اس مہم کو فتح کرنے کے لئے اس نے اپنے بھتیجے فیروز کو بھی دہلی سے بلالیا تھا۔محمد بن تغلق کے آخری دور میں مرکز سے غیر حاضری میں سارے ملک کا انتظام اس کے وفادار امراء کے ہاتھ میں رہتا اور بادشاہ باغیوں کی سرکوبی کے لئے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سرگرم عمل رہتا تھا۔اسوقت بغاوتوں اور فتنوں کا ایک سلسلہ تھا بادشاہ ایک بغاوت کے خاتمہ سے فارغ نہیں ہوتا تھا کہ دوسری جگہ غدر مچ جاتا تھا۔

سلطان محمد بن تغلق کے آخری دورِ حکومت کی تباہی وبربادی کے متعدد وجوہات اگرچہ ''تاریخ فیروز شاہی'' اور ''تاریخ مبارک شاہی'' کے مصنفوں نے بیان کئے ہیں۔لیکن بدایونی نے مندرجہ ذیل واقعات کو اس کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھرایا ہے۔

۱۔ ترمہ شیریں مغل کی تباہ کن غارت گری۔

۲۔ دوآبہ کے وسیع علاقے میں دس اور بیس گنا ٹیکس کا مقرر کیا جانا گاؤں شماری اور خانہ شماری کے اخراجات کی وصولی جس کے نتیجہ میں غریب عوام تنگ آکر باغی امیروں کے ساتھ مل گئی اور بغاوت اور غارت گری کا ایک

بازار گرم ہوا۔ اس کی وجہ سے محصول زیادہ حاصل ہونے کے بجائے اور کم ہو گیا اور سارا علاقہ ویران ہو گیا۔

۳۔ سات سال تک ملک میں طویل اور تباہ کن قحط کا پڑنا۔

۴۔ بادشاہ کا دہلی اُجاڑ کر دولت آباد بسانا۔

۵۔ کوہ ہمالیہ کی مہم جس میں ۸۰ ہزار کا آراستہ و پیراستہ لشکر اور انکے مال و متاع کا تباہ و برباد ہونا۔

۶۔ بادشاہ کے خوں ریزی کے شوق کی وجہ سے لوگوں نے اپنی جانوں کی حفاظت کے لئے بغاوت اور سرکشی کی راہ اختیار کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاتعداد رعایا کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا اور بہت سے علاقہ ویران ہو گئے۔

۷۔ بادشاہ کا سیدوں، عالموں، مشائخوں، شریفوں، کمینوں اور ہر طبقہ کے لوگوں کے قتل و خون ریزی کا لا حاصل جنونانہ شوق۔

محمد بن تغلق کے ظلم و استبداد اور قتل و غارت گری سے ملک کے نظم و نسق اور امورِ مملکت میں ایسا انتشار پیدا ہوا جس کو ختم کرنے میں وہ ناکام رہا اور اسی ناکامی کے غم سے تپ دق جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوا اور بالآخر ۲۱ محرم ۷۵۱ھ/۱۳۵۱ء میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوا اور ہندوستانی عوام کو اس ظالم حکمراں کے ظلم و ستم سے نجات حاصل ہوئی۔

محمد بن تغلق کی تاریخ وفات ''خزینۃ الاصفیاء'' کے مصنف نے مندرجہ ذیل قطعہ سے نکالی ہے:

چون به صد درد و غم سفر ورزید   از جهان در جهان محمد شاه
سال و صلش شه ولایت داں   نیز نور زمان محمد شاه [1]

اسی عہد کے ایک اور معروف شاعر مظفر ہروی نے بھی محمد بن تغلق کی تاریخ وفات کو حسب ذیل قطعہ میں قلمبند کیا ہے:

به روز رزم چو کائوس کی محمد کرت   نهاد بر دل سهراب کی محمد کرت
خدیو کشور اوّل چو بود تغلق شاه   برفت و در عقبش رفت شاه محمد کرت [2]

محمد بن تغلق کی وفات پر اکثر شعراء نے مرثیہ نظم کئے جو نہ صرف کتابوں کی حد تک محدود تھے بلکہ اس عہد کی عمارتوں پر بھی کندہ کئے گئے تھے۔ تغلق عہد کے مشہور سندھی صوفی بزرگ شیخ عثمان مروندی ۷۳۴ھ/۱۳۳۴ء کے مقبرہ پر

۱۔ گنج تاریخ: ص ۱۷۳

۲۔ مفتاح التواریخ: ص ۱۳۵

محمد بن تغلق کی وفات پر لکھے گئے مرثیہ کے چند شعر کندہ کئے گئے ہیں اس مقبرہ کو تعمیر کرنیوالے معمار سرمست کا نام بھی اس مقبرہ میں کندہ کیا گیا ہے۔قصیدہ کے چند شعر حسب ذیل ہیں:[۱]

جهان مردم کش است ای دل مباش از جان وفادارش
که جز کین و جفا نامد ز بیداری دگر کارش
تو از حال محمد شاه بر گیر اعتبار ازوی
که چون اورنگ شاهی در ربود این دور غدارش
شهنشاه است ای، این خواجه که اش بینی به خاك اندر
چشم خرد بکشا در این جانب گر این بارش
جهان بگشاد از مردی و بخشید از جوان مردی
به دهر از کوشش و تخشش فراوان بود کردارش
شد از ماه محرم بست ویك کا ندر شب شنبه
گذشته هفصد و پنجاه و دو،شه عزم آن دارش
به عهدِ دولت فیروز شاه خسرو گیتی
که یزداں بر سریر سلطنت باد نگهدارش
بر آن سلطان دین پرور، بر آمد آن چنین گنبد
که آمد پیش پائی گنبد گردون دوارش
به سال هفصد و پنجاه و چار از حضرت احمد
قبول بندهٔ در گاه او سرمست معمارش

سلطان کی وفات پر بیشتر شعراء نے مرثیہ لکھے جواب مفقود ہیں چند متفرق اشعار بعض تذکروں میں نقل مل جاتے ہیں جن کو اوپر درج کیا گیا ہے۔اسی عہد کے ایک اور نا معلوم شاعر نے محمد بن تغلق کی وفات پر ایک مرثیہ قلمبند کیا تھا جو بشیر الدین احمد نے اپنی تصنیف میں نقل کیا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ مرثیہ پورا نقل کیا گیا ہے یا اسکے چند اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ذیل میں مرثیہ نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ ہفت اقلیم: ص ۵۴۳

مایۀ زهرست شرب عالم را ‌‌ ‌ ‌ میوه مرگ ست تخم آدم را
ای حریفِ عدم قدم ورنه ‌ ‌ ‌ ‌ کم زن این عالمِ کم از کم را
صبح محشر دمید و مادر خاك ‌ ‌ ‌ ‌ بانگ زن خفتگانِ عالم را
هان! که فرشِ فنا بگستردند ‌ ‌ ‌ ‌ در نور وایس بساطِ عالم را
رستخیزست و خیز باز شگاف ‌ ‌ ‌ ‌ سقف و ایوانِ طاق طارم را
شه محمد بخفت در دل خاك ‌ ‌ ‌ ‌ نیلگون کن لباس ماتم را
پس به دستِ خروش در تنِ دهر ‌ ‌ ‌ ‌ چاك زن این قبای معلم را[1]

☆☆☆

---

[1] دارالحکومت دہلی: ج اوّل، ص ۱۳۴

''فیروز شاہ تغلق''

جب محمد بن تغلق کے ظلم وستم حد سے تجاوز کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے اسکو بے رحم موت کی آغوش میں لیکر اپنی مخلوق کو اسکے ظالم پنجہ سے نجات دلا کر تغلق کے بھائی رجب اور بی بی نائلا کے بیٹے کمال الدین جو بعد میں سلطان فیروز شاہ تغلق، کے نام سے مشہور ہوا، جیسے رحم دل، نیک، مشفق اور دین پرور بادشاہ کی پناہ میں دیدیا۔

بدایونی لکھتا ہے کہ لوگوں کا خیال تھا کہ شیخ نصیر الدینؒ چراغ دہلوی اور مخدوم زادہ عباسیؒ بغدادی نے محمد بن تغلق کے دورِ حکومت میں ہی فیروز کی تخت نشینی کی جدوجہد کا آغاز کر دیا تھا۔[1] جب سلطان کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے نصیر الدینؒ اور فیروز کو گرفتار کر کے اپنے حضور پیش کرنے کا حکم دیا۔ سلطان کے آدمی جب دونوں کو قید کر کے ہانسی کے قریب پہنچے تو فیروز نے حضرت نذر الدینؒ اور حضرت شیخ جمال الدینؒ ہانسوی کی بارگاہ میں حاضری دینے کی خواہش کا اظہار کیا اور جب وہ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شیخ کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ ادا ہوا کہ ''ایک کو قید کر کے بادشاہت کے لئے لے جاتے ہیں اور خود اسکو اپنی خبر نہیں'' اسکے بعد جب دونوں کو سلطان کے سامنے حاضر کیا گیا تو اس نے دونوں کو قتل کا حکم دیا۔ لیکن خود حالتِ نزع میں گرفتار ہو گیا۔ شاہی کارندوں نے بادشاہ کا یہ حال دیکھا تو دونوں کو آزاد کر دیا۔

برنی لکھتا ہے کہ محمد بن تغلق نے نصیر الدینؒ کو اپنے کپڑوں کی حفاظت کا کام سونپا تھا ایک دن آپ نے اسکے کپڑے میں گرہ لگا کر فرمایا ''نصیر الدینؒ بند دو خدا کشاید'' مورخین کا بیان ہے کہ اسی دن محمد بن تغلق کا انتقال ہو گیا۔

کمال الدین فیروز شاہ تغلق (۷۰۹ھ ۱۰-۱۳۰۹ء) محمد بن تغلق کا چچازاد بھائی تھا۔ سات سال کی عمر میں باپ کے سایہ سے محروم ہو گیا۔ تغلق نے بی بی نائلا سے اسکی پرورش اپنی اولاد کی طرح کرنے کا جو وعدہ کیا تھا بخوبی پورا کیا۔ محمد بن تغلق کی تخت نشینی کے وقت فیروز اپنی زندگی کی (۱۸) اٹھارہ بہاریں دیکھ چکا تھا۔ تغلق نے اسکو ملکی معاملات و انتظام و انصرام کی بہترین تعلیم دی اور اس کو نہ صرف امیر حاجب، باربک کے عہدے پر مامور کیا بلکہ اس عہدے سے غیر متعلق حکومت کے بہت سے دوسرے فرائض کی انجام دہی بھی اسکے ذمہ کی تھی۔

خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ ''سلطان پر کار کردگی کا خبط سوار تھا۔ لہٰذا فیروز سے یقینی حد سے زیادہ کام لیا

---

[1] منتخب: ص۱۳۲

جاتا۔سلطان کہتا کہ ''اے امیر حاجب کل عید ہے'' اور فیروز کو دستیاب مختصر وقت میں تمام ضروری انتظام کرنے پڑتے''
عفیف کا بیان ہے کہ ''سلطان کا اصل مقصد فیروز کو تربیت دینی تھی لیکن باوجود اسکے کہ وہ خود ایک بہادُر جنرل تھا اس نے فیروز سے کبھی بھی بہ حیثیت ایک شاہی لشکر کے افسر کی خدمات نہیں لیں بلکہ وہ فیروز کے شکار کا از حد شایق ہونے سے ناراض تھا۔ آگے لکھتے ہیں کہ ''محمد بن تغلق کے انتقال کے وقت شاہی خیمہ میں مرد وزن کی تعداد دو لاکھ کے قریب تھی اور ان تمام لوگوں کو دو باتوں کا علم تھا کہ ایک تو سلطان کا کوئی بیٹا نہیں تھا دوسری یہ کہ اس نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا تھا جو لشکر کی کمان سنبھال سکتا۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خیمہ میں افراتفری کا سا عالم ہوگیا۔ سلطان کی موت کے بعد فیروز نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ماوراالنہر سے جو فوج محمد بن تغلق کی مدد کے لئے آئی تھی انکو رقم کی ادائیگی کے بعد شاہی خیمہ سے دور رہنے کا حکم دیا اور ۲۱ / مارچ کا دن سوگ میں گذار کر ۲۲ / مارچ کو سیوم کی رسم کے بعد شاہی لشکر سیوستان کے لئے روانہ ہوا لیکن ترمہ شیریں کا ایک داماد نوروز کرگن غداری کر کے اپنے لوگوں کے ساتھ مل گیا اور شاہی فوج پر شدید حملے کئے ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ شاہی خزانہ اور حرم کی خواتین کو انکے قبضہ سے بہ مشکل محفوظ کیا گیا۔ جس کے بعد ہر شخص کو یہ یقین ہوگیا کہ وہ بنا کسی رہنما کے آگے نہیں بڑھ سکتے اور یہ رہنما یا قائد شاہی خاندان کا کوئی فرد ہی ہوسکتا تھا۔ لیکن ایک بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ شریعت کے مطابق بادشاہ کو حکومت کے اعلیٰ افسران اور شاہی خاندان کے ندیمان خاص کے ذریعہ منتخب کیا جاتا تھا اور یہ محض اتفاق تھا کہ اس وقت شاہی لشکر میں چند ممتاز لوگوں کے علاوہ تمام لوگ ٹھٹھہ سے کوسوں دور مرکزی حکومت میں بیٹھے تھے جو اصل صورت حال سے لاعلم تھے۔ اسکے علاوہ صوبوں کے گورنروں کی رضا مندی کے بغیر بھی نئے سلطان کا انتخاب کرنا دشوار تھا، برنی لکھتا ہے کہ ''تغلق خاندان کا واحد شخص جو اس وقت شاہی خیمہ میں موجود تھا اور سب سے زیادہ توجہ کا مستحق تھا وہ سلطان کے چھوٹے بھائی ملک رجب کا بیٹا فیروز شاہ تھا۔ لہٰذا تمام لوگوں کی متفقہ رائے سے کمال الدین فیروز شاہ کو بادشاہ منتخب کیا گیا۔ لیکن اس نے اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر تاتار خان جسے سلطان نے اپنا بیٹا بنایا تھا، کی مداخلت سے فیروز نے اپنا ارادہ ملتوی کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور ماتمی لباس کے اوپر شاہی لباس پہن کر ۲۴ / مارچ ۵۲ ۷ میں تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اور پھر ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی پھوپھی خداوند زادہ کے پاس گیا جس نے اُسے گلے سے لگا کر اسکی بادشاہی کو قبولیت کی سند عطاء کی اور سلطنت کا تاج جسکی قیمت ایک لاکھ ٹنکہ تھی اسکے سر پر رکھ دیا۔

برنی فیروز کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "سلاطین دہلی میں کوئی بھی فیروز کی طرح شریف، ہمدرد، مشفق اور رحمدل نہیں تھا۔ ایلیٹ اسکی رحمدلی اور دور اندیشی کے بارے میں لکھتا ہے کہ اُس نے خوشحال ریاست کی آرزو میں محمد بن تغلق کی لوگوں کو دی ہوئی تمام سزاؤں کو اسکی موت کے بعد منسوخ کردیا۔ اس نے حکم دیا کہ رعایا ملک میں بنا کسی پابندی کے کہیں بھی سکونت اختیار کر سکتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالسلطنت ہر طبقہ کے لوگوں سے آباد ہوگیا۔ اس نے غلاموں کی پرورش پر زور ڈالا اور امراء کی اس کام کے لئے ہمت افزائی کی اور شاہی خزانہ سے انکی مدد کی گئی، جس کی وجہ سے غلاموں کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہوگئی وہ امراء اور گورنروں سے یہ خواہش کرتا تھا کہ خوبصورت اور چیدہ غلام نذرانے کی صورت میں پیش کریں۔ اس نے تمام علوم وفنون اور تعمیرات کو فروغ دیا۔ پروفیسر شعیب اعظمی صاحب لکھتے ہیں کہ "عہدِ فیروزی میں دستکاروں کی تعداد دس ہزار اور معماروں کی تعداد چالیس ہزار کے زمرے میں داخل ہو چکی تھی"۔ اسکا نظریہ تھا کہ اگر بادشاہ ملک میں امن اور خوشحالی کی خواہش رکھتا ہے تو اسکو چاہئے کہ اپنی تلوار کو میان کے اندر رکھے۔ جیسا کہ خود اسکے ذیل کے شعر سے ظاہر ہوتا ہے:

ملك را قرار می خواهی   تیغ را بر قرار خواهی داشت [1]

وہ ایک خداترس اور نیک دل سلطان تھا لہٰذا اس نے اپنی حکومت کی بنیاد بھی ان ہی چیزوں پر رکھی:

کرم کن چو دست تو بالا تراست   که بخشایش از خشم بالاتراست
نگه کن چو مادر مهر سنج   برآن طفل خود چند بر داشت رنج [2]

فیروز دہلی میں داخل ہوا تو اسکی تخت نشینی کا جشن ۱۲ دن تک منایا گیا۔ اس کے بعد ہر جشن اور سوگ کی یہی مدت مقرر کی گئی لیکن سلطان کو جلد ہی حکومت کے دوسرے اہم اور ضروری قانونی کاموں کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اس نے سب سے پہلے سلطنت کے استحکام کے لئے ایماندار اور منصف لوگوں کا تقرر کیا اور چند ایک تبدیلی کے بعد محمد بن تغلق کے عہد کے افسران کے عہدوں کے قایم رہنے کی توثیق کردی۔ اس کے عہد کے حکام اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ لوگوں کے ساتھ دھوکہ دہی کے بجائے انصاف اور ایمانداری کا سلوک کرتے ہیں۔ البتہ وہ خود ریاست کو دل بھر کر لوٹتے تھے۔

مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ "عہدِ فیروزی میں رشوت خوری کا زبردست دور دورہ تھا" لیکن فیروز نے ان

۱۔ فتوحات: ص ۱۳

۲۔ ایضاً: ص ۱۴

تمام چیزوں سے چشم پوشی کی کیونکہ وہ یہ بات جان گیا تھا کہ اگر ملک میں امن اور تحفظ قایم کرنا ہے تو ان تمام چیزوں سے صرف نظر ہی تمام مسائل کا بہترین حل ہے۔ لٰہذا وہ اس بات پر فخر کرتا تھا کہ خوف، دہشت اور ظلم و ستم کئے بنا ہی اسکی حکومت کا وقار قایم رہا۔

محمد بن تغلق کی وفات کے بعد سلطنت میں ایسی عسرت و تنگی تھی کہ رعایا سے حکومت کے قرض کی صورت میں ایک تنکہ بھی وصول نہیں کیا جا سکتا تھا لٰہذا سلطان نے اپنی تخت نشینی کے بعد دوسرا اہم کام یہ کیا کہ قوام الملک کے مشورے سے تمام بوڑھوں اور جوان لوگوں کی موجودگی میں شاہی دربار کے سامنے ان تمام رجسٹروں کو ضائع کرایا جسمیں ان لوگوں کے نام درج تھے جنھیں سلطان محمد نے قرض دیا تھا۔

فیروز اور خان جہاں دونوں کو محمد بن تغلق نے بلند مراتب عطاء کئے تھے اور وہ دونوں خلوص دل سے اپنے محسن کا احترام کرتے تھے اور ساتھ ہی رعایا کو یہ یقین بھی دینا چاہتے تھے کہ اُن کی حکمرانی کا طریقہ محمد بن تغلق سے علیحدہ ہوگا۔ لٰہذا اُنہوں نے اُن تمام لوگوں کو جنکے خاندان کے افراد کو محمد بن تغلق نے قتل کرایا تھا۔ رقم ادا کر کے معاوضہ کی رسید بطورِ گواہوں کے حاصل کیں اور اُن تمام لوگوں کو بھی جن کے ناک، کان، پیر، ہاتھ کاٹ دیئے گئے تھے معافی نامہ پر دستخط لیکر مرحوم سلطان کی قبر کے سرہانے رکھ دیئے گئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے سرپرست کو اپنی جوارِ رحمت عطا کرے۔

فیروز سیوستان کے راستہ دہلی میں داخل ہوا جہاں احمد ایاز خواجہ جہاں نے ایک نابالغ لڑکے کو غیاث الدین محمود شاہ کا خطاب دیکر تخت پر بیٹھا دیا تھا اور خود اسکا نائب بن گیا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ یہ تمام کاروائی محض ایک غلطی کی بنا پر ہوئی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ''خواجہ جہاں کا ایک رازدار غلام ملیح تو تون تھا۔ جسے اس نے سلطان کے پاس بھیجا تھا اور اس نے اس وقت شاہی لشکر کو خیرآباد کہہ دیا تھا جب منگول اس لشکر پر حملے کر رہے تھے، اس نے خواجہ جہاں کو یہ پیغام دیا کہ سلطان محمد کا انتقال ہوگیا ہے منگولوں نے بڑے بازار پر حملہ کر دیا ہے اور اسے لوٹ لیا ہے۔ فیروز اور تاتار خان کا کوئی علم نہیں کہ آیا منگولوں نے اُنہیں قید کر لیا ہے یا مار ڈالا ہے'' اور جب یہ خبر خواجہ جہاں کے پاس پہنچی تو اسکے دل کا درد اسکی آنکھوں سے بہنے لگا۔ چونکہ عفیف عہدِ فیروزی کا عینی شاہد ہے اور اس نے کئی مرتبہ فیروز کو بے حد قریب سے دیکھا تھا۔ لٰہذا وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ''فیروز اور خواجہ جہاں کے درمیان مثالی محبت قایم تھی۔ جسکے باعث دونوں کے مابین کوئی تیسرا فرد نہیں آسکتا تھا اور خواجہ جہاں کی بیوی فیروز کو بیٹا کہہ کر بلاتی تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی کا بیان ہے کہ جب فیروز کی سلامتی کی خبر دہلی پہنچی تو تمام اراکین دولت نے اسکے حق میں حلفِ وفاداری اُٹھایا لیکن خواجہ جہاں اپنی غلطی تسلیم نہ کرتے ہوئے باغی ہو گیا اور سلطان کے خلاف صف آرائی کرنے کے ساتھ بحث و مباحثہ بھی کیا لیکن اسکا ایک ہی جواب تھا کہ خواجہ جہاں مطیع ہو جائے تو اسکی غلطی کو در گذر کر دیا جائے گا۔ آخر کار خواجہ جہاں کو صلح کا راستہ اختیار کرنا پڑا اس نے مطیع ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ ۱۴/ اگست جمعہ کی نماز کے بعد بحثیت ایک مجرم وہ فیروز کے حضور پیش ہوا۔ اور فیروز نے اسکو معاف کر دیا، لیکن تمام اعلیٰ افسران اس بات پر متفق تھے کہ سابقہ سلطان کے عہد میں ہندوستان کی سرزمین ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے سرخ ہو چکی تھی۔ لہٰذا اب ان تمام باغیوں اور فتنہ پردازوں کا خاتمہ ہو جانا چاہئے جنکی وجہ سے ہزاروں خاندانوں کے چراغ گل ہو چکے تھے۔ لیکن بادشاہ کے لئے اسکی موت کا فیصلہ لینا ایک مشکل ترین مرحلہ تھا۔ دوسری جانب امراء اور افسران کا مطالبہ اپنی جگہ قایم تھا۔ آخر کار افسران اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور اُنہوں نے خواجہ جہاں کے قتل کی خفیہ اجازت لے کر اسکو یہ پیغام دیا کہ سامانہ تمھارے سپرد کیا گیا ہے اور اسکو سامانہ کی جانب روانہ کر دیا لیکن اسکے ساتھ ہی اُنہوں نے محمد بک سپر خاں نامی ایک شخص کو اسکو قتل کرنے کے لئے اسکے پیچھے بھیجا۔ اُدھر خواجہ جہاں کو بھی افسران کے مطالبہ کا علم ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے استاد حضرت نظام الدین اولیأ کا دیا ہوا کلاہ اور دستار پہنی اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے لئے بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہو کر کلمہ شہادت کا ورد کرتے ہوئے اسکے کہنے پر اسکے ایک مہربان دوست نے اسکے طائر روح کو جسم کے پنجرے کی قید سے آزاد کر دیا۔

بدایونی یہ بھی لکھتا ہے کہ مجموعی طور پر یہ دن فیروز کے لئے خوشیوں سے لبریز تھا۔ کیونکہ جب اس نے دریائے سرسوتی کے کنارے قیام کیا تو اسی دن شہزادہ فتح خاں کی ولادت کی خوشخبری ملی اور اسی دن ملک طغی اور اسکے حامیوں کے ہلاک ہونے کی خبر موصول ہوئی۔

۷۵۴ھ میں فیروز قلاہ نور کی جانب شکار کے ارادے سے روانہ ہوا اور دریائے سرسوتی کے کنارے ایک وسیع اور شاندار عمارت تعمیر کرا کر شیخ صدر الدین ملتانی کے سپرد کی اور نائب وزیر ملک قبول کو خانِ جہاں کا خطاب عطا کیا۔

اسی سال کے آخر میں بنگال کے حاکم حاجی الیاس نے (شمس الدین کے لقب سے اپنی آزاد حکومت کی بنیاد رکھی تھی) علمِ بغاوت بلند کیا تو فیروز اسکی سرکوبی کے لئے لکھنوتی کی جانب روانہ ہوا لیکن جب شاہی لشکر اسکے علاقہ میں

داخل ہوا تو وہ مقابلہ کرنے کے بجائے بنگال کے مضبوط ترین قلعہ اکدالہ میں پناہ گزین ہوا۔ بادشاہ نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اس پر یلغار کر دی۔ الیاس چند ہی حملوں سے گھبرا گیا اور ہتھیار پھینک دیئے جس کی وجہ سے بادشاہ کو بہت سامال غنیمت حاصل ہوا لیکن بارش ہو جانے کے سبب مجبور ہو کر اس سے صلح کے لئے راضی ہو گیا اور دہلی واپس آ گیا۔

عہدِ فیروزی میں نہروں کی کھدائی کا اہم ترین کام انجام دیا گیا کیونکہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں میں بارش کی کمی کی وجہ سے پانی کی سخت قلت تھی لوگوں کو پانی حاصل کرنے کے لئے کوسوں پیدل جانا پڑتا تھا جب کہیں جا کر وہ پانی حاصل کر سکتے تھے۔ اسکے علاوہ کم بارش ہونے کے سبب کاشتکاری میں بھی سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ باہر سے آنیوالے سیاحوں اور تاجروں کو ایک پیالہ پانی چار جٹل کے بدلے ملتا تھا۔ لہٰذا فیروز نے نہروں کی کھدائی کا حکم دے کر پانی کی قلت اور کاشتکاروں کی پریشانی کا خاتمہ کر دیا۔

۷۵۹ھ میں حاجی الیاس کے وہ تمام قاصد جو بادشاہ کے لئے تحفہ اور نذرانے لیکر آئے تھے ان کے ساتھ نرمی اور رحم دلی کا سلوک کرتے ہوئے فیروز نے حکم دیا کہ حاجی الیاس تحفوں کے بدلے عمدہ ہاتھی بھیجا کرے۔ اور بہت سے عربی گھوڑے اور دوسری قیمتی اشیاء کے ساتھ ان قاصدوں کو رخصت کیا۔ لیکن ابھی یہ قافلہ لکھنوتی سے کافی فاصلہ پر تھا کہ حاجی الیاس کی موت ہو گئی اور اسکا بیٹا سلطان سکندر تخت پر بیٹھا۔ یہ خبر ملنے کے بعد فیروز نے تمام تحفہ واپس منگا لیے اور قاصدوں کو حکم دیا کہ وہ کڑہ میں قیام کریں۔ ۷۶۰ھ میں ایک لشکر جرار کے ساتھ سلطان نے لکھنوتی کی جانب کوچ کیا اور خانِ جہاں کو مرکزی حکومت کے امور سونپ کر غزنی کی سرحد سے ملتان کی نگرانی تاتار خاں کے سپرد کر دی اور خود بارش ہونے کی وجہ سے ظفر آباد میں ہی رک گیا۔

اسی جگہ اعظم ملک شیخ زادہ بسطامی مع احمد ایاز کے جسے بادشاہ نے جلاوطنی کا حکم دیا تھا۔ خلیفہ مصر کی جانب سے فیروز کے لئے خلعت لے کر آیا، تو فیروز نے اُسے اعظم خاں کے خطاب سے نوازا، اور ظفر آباد سے آئے سید رسول دار کو لکھنوتی کے قاصدوں کے ساتھ سکندر کے پاس بھیجا، جسکے جواب میں سکندر نے بھی سلطان کے دربار میں نذرانے بھیجے لیکن ان تحفوں کی آمد و رفت کے باوجود اسکے اور سلطان کے درمیان امن و آشتی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکی اور بارش ختم ہونے پر سلطان دوبارہ ظفر آباد سے لکھنوتی کی جناب روانہ ہوا، اور راستہ میں اپنے بیٹے فتح خان کو فراش خانہ لعل کا خطاب عطا کیا اور اسکے نام کا سکّہ بھی جاری کیا۔

جب شاہی لشکر پنڈورہ میں داخل ہوا تو سکندر مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ اگرالہ میں روپوش ہوگیا۔ فیروز نے قلعہ کا محاصرہ کیا تو سکندر ۳۷ ہاتھی اور دیگر قیمتی ساز وسامان دیکر صلح پر آمادہ ہوگیا اور فیروز ۷۶۱ھ میں اسی راستہ سے جونپور گیا اور موسمِ برسات میں اسی جگہ قیام کیا اور سال کے آخر میں بہاز کے راستہ سے جاج نگر (اڑیسہ) کی جانب عازم سفر ہوا۔ فیروز کو شکار کا شوق بہت زیادہ تھا اور محمد بن تغلق اس سے بے پناہ محبت کرنے کے باوجود اسکے اس شوق سے سخت نالاں رہتا تھا لیکن اسکا یہ شوق کسی بھی طرح کم نہیں ہوا تھا۔ جب فیروز جاج نگر میں داخل ہوا تو اس علاقہ کے راجہ فرار ہوگئے اور وہ اپنے شوق سے مجبور ہوکر رائے پر بھان دیو کے علاقے میں داخل ہوا۔ جس نے سلطان کو ۳۲ ہاتھی اور قیمتی تحائف پیش کئے اور یہیں سے فیروز پدماوتی اور پرم تلا کے جنگل میں داخل ہوا جہاں ہاتھیوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ خود فیروز نے ۲ ہاتھی کا شکار کیا اور ۳۳ ہاتھی زندہ پکڑنے کا حکم جاری کیا۔ ضیاءالدین برنی نے اس واقعہ کے سلسلہ میں ضیاءالملک کی درج ذیل رباعی اپنی تصنیف میں نقل کی ہے:

شاهی که زحق دولت پاینده گرفت　　اطراف جهان چو مهر تابنده گرفت
از بهر شکار فیل جاجنگر　　آمد دو بکشت وسی وسه زنده گرفت [1]

شکار سے فارغ ہوکر فیروز کڑہ سے ہوتا ہوا دہلی میں داخل ہوا اور کچھ دن رک کر نہر سلیمہ کی جانب گیا بدایونی لکھتا ہے کہ ان ہی دنوں سلطان نے سہرند سے دور دس کوس کے علاقے کو علیحدہ کر کے ضیاءالملک کے سپرد کیا اور فیروز پور کے نام سے قلعہ تعمیر کرایا۔ قلعہ کی تعمیر کا حکم دیکر فیروز نگر کوٹ کی جانب روانہ ہوا، اور دونوں جانب سے صفیں آراستہ کی گئیں آخر کار سلطان نے جنگ کے بعد قلعہ کا گھیراؤ کیا جسکی وجہ سے وہاں کا راجہ صلح پر مجبور ہوگیا اور بادشاہ کے حضور پیش ہوا۔ بادشاہ نے اس جگہ کا نام تبدیل کر کے محمد آباد رکھا۔

۷۷۱ھ میں فیروز نے اٹاوہ اور اکچک پر یورش کر کے وہاں کے راجاؤں کو شکست سے دوچار کرنے کے بعد گرفتار کر کے مع انکے خاندانوں کے دہلی روانہ کر دیا اور علاقہ فتح کرنے کے بعد بادشاہ نے وہاں قلعہ کی تعمیر کرانے کا حکم جاری کیا اور فیروز پور اور بتلائی کا علاقہ ملک تاج الدین ترک کے بیٹے اور اکچک کا علاقہ افغان کے سپرد کر کے بادشاہ نے دہلی مراجعت کی۔

فیروز نے ۷۸۲ھ میں کٹھیل کی مہم کا بیڑہ اُٹھایا یہاں کے راجہ مقدم رائے لکھو کرنے بدایوں کے حاکم سید محمد اور

---

[1] منتخب: ص ۱۳۵

سید علی الدین نامی دو بھائیوں کو قتل کر دیا تھا۔ ان بھائیوں کے قتل کا بدلہ لینے سلطان از خود اس جانب متوجہ ہوا، اور فوج کشی کے لئے کھتیل کی جانب روانہ ہوا جب وہاں کے راجہ کو شاہی لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ فرار ہو گیا اور سلطان نے اپنی طبیعت کے برخلاف اس علاقے کو ویران کر دیا اور وہاں کی بغاوت کے خاتمہ کی ذمہ داری ملک افغان کے سپرد کی اور خود دہلی واپس آ گیا۔

۷۸۷ھ میں سلطان نے بدایوں سے سات کوس کے فاصلہ پر ہولی کے مقام پر ایک قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا جب قلعہ کی تعمیر ہو گئی تو اسکا نام اس نے ''فیروز پور'' رکھا۔ یہ فیروز کی تعمیرات میں سب سے آخری تعمیر تھی۔ اس لئے اسے ''آخرین پور'' بھی کہا جاتا ہے۔ فیروز کو شکار کے علاوہ تعمیرات سے بھی دلچسپی تھی اس لئے اس نے بہت سے قلعہ محل، عمارتیں اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ دہلی کی جامع مسجد جو آج بھی اسی شان اور خوبصورتی کے ساتھ ایستادہ ہے اسی بادشاہ کے حکم پر تعمیر کی گئی تھی ''فتوحات فیروز شاہی'' میں اس مسجد کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

مسجد ست اینکه برین قاعده پر داخته اند　　　یا بهشتست که بر رویی زمین ساخته اند [۱]

فیروز کے درباری شاعر مطہر کڑہ نے بھی اپنے اشعار میں اس مسجد کی تعریف اس طرح کی ہے:

وآن که بنایی مسجد جامع بر آب جون　　　از دیگ روشنی دُر شهوار کرد
ز آن پس مناره ز زمین تا بآسمان　　　از یك ستون سنگ بنابر هزار کرد [۲]

اسکے علاوہ ایک خوشگوار اور پرفضا مقام پر مدرسہ فیروزی کی عمارت تعمیر کی گئی جس میں ہزاروں طالبِ علم کسبِ فیض میں مشغول رہتے تھے اور ان طالبِ علم کے لئے فاضل استادوں کا تقرر کیا گیا مطہر نے اس مدرسہ کے رہائشی انتظام، طعام خانہ اور دیگر چیزوں کی تعریف میں ذیل کے اشعار نظم کئے ہیں:

گفتم این مدرسه باغ شهنشاه جهانست　　　اندرون ای که یك حسن بینی به هزار
چو در آمد ز درش دید ور آن جنت خلد　　　فاضلان صف زده هر سوئی ملایك کردار
عالمان عربی لفظ و عراقی دانش　　　همه در جبه شامی، به مصری دستار [۳]

تعمیرات کے علاوہ فیروز نے قدیم عمارتوں، مقبروں کی مرمت بھی کرائی تھی اور وہ اس بات پر فخر محسوس کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو اس کام کی توفیق عطاء فرمائی کہ وہ سابقہ سلاطین کی تعمیرات کی مرمت اور نگرانی کی خدمت انجام دے سکا۔ اسکے علاوہ اس نے جونپور اور فیروز آباد ۷۵۵ھ/۱۳۵۰ء) شہر آباد کئے۔

۱۔ دیوانِ مطہر: ص۱۳۹

۲۔ ایضاً: ص۶۳

۳۔ فارسی ادب بعہد سلاطین تغلق: ص۱۵

فیروز نے ہندوستان پر ۳۸ سال کی ایک لمبی مدت تک پر امن حکومت کی اور اسکے بعد تمام معاملات اپنے ولی عہد (مرحوم فتح خان کے بیٹے تغلق ثانی) کے اختیار میں دے کر خود گوشہ نشین ہو گیا اور آخر کار اس نیک دل اور دین پرور بادشاہ نے ۲۱ ستمبر ۱۳۸۸ء (اٹھارہ رمضان) میں آخری سانس لی اور اس فانی دنیا کو خیر آباد کہہ کر ابدی دُنیا کو لبیک کہا۔[1]

فیروز کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل قطعہ میں محفوظ ہے:

چو فیروز شاه از جهان رخت بست — به جنت شده از جهان مثل ماه
شهنشاه صالح بگو رحلتش — دگر مالك ملك فيروز شاه[2]



---

۱ جامع تاریخ ہند

۲ گنج تاریخ: ص ۱۷۳

عہد تغلق کے چند مشہور شعراء کا مختصر ذکر

باب (دوم)

''عہد تغلق کے چند مشہور شعراء

کا

مختصر ذکر''

ہندوستان میں قدیم دور سے لیکر آج تک مختلف حکمرانوں کی حکومت رہی ہے، اور انکے عہد حکومت میں سنسکرت، فارسی جیسی مختلف زبانوں کا دور دورہ رہا ہے۔لیکن ہندوستان کی ہمیشہ یہ بدقسمتی رہی ہے کہ جب جب بیرونی ممالک کے حملہ آوروں نے سرزمین ہند پر حملہ کیا، تو نہ صرف اس زمین پر حکمرانی کی بلکہ اپنی زبان اور تہذیب کو بھی ہندوستان میں رائج کیا۔ جتنے بھی فارسی سے واقفیت رکھنے والے حکمراں مثلاً سلطان محمود غزنوی، سلطان غوری، سلطان معزالدین، سلطان قطب الدین، سلطان شمس الدین ایلتتمش، سلطان ناصر الدین، سلطان بلبن، سلطان جلال الدین خلجی اور سلطان ظہیر الدین بابر جیسے حکمراں ہندوستان آئے انہوں نے ہندوستان کی قومی زبان کو نظر انداز کر کے فارسی کو رائج کیا اور اسکو فروغ دیا ان حکمرانوں نے بہت سی سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا اور ہمارے علماء، فضلاء، مدبروں، مصنفوں اور شاعروں نے اس زبان کو نہ صرف سمجھا بلکہ اس میں کامل دستگاہ حاصل کی۔مصنفوں نے بہت سی کتابیں فارسی زبان میں تصنیف کیں اور شعراء نے فارسی زبان میں شعر کہہ کر داد و ثنا حاصل کی۔فارسی زبان کو جن حکمرانوں کے دورِ حکومت میں عروج و تقویت حاصل ہوئی اُن میں تغلق دور سے صرف نظر ممکن نہیں کیونکہ فارسی زبان کو مزید تقویت دینے اور بامِ عروج پر پہچانے میں سلاطینِ تغلق نے اہم کردار ادا کیا۔

سلاطینِ تغلق نے دہلی سلطنت کو ایک نئی شکل دینے کا جو اہم کارنامہ سرانجام دیا تاریخ میں اسکی مثال ملنا مشکل ہے۔تغلق سلاطین نے جب ہندوستان جیسے عظیم الشان گونا گوں مذاہب کے حامل اور تہذیب یافتہ ملک میں اپنی سلطنت قائم کی تو اس وقت ہندوستان میں خلجی حکومت قائم تھی اور تمام سلطنت ٹکڑوں میں

تقسیم تھی۔ انہوں نے نہ صرف اس منقسم سلطنت کو متحد اور مستحکم کیا بلکہ ہندوستان کو ایک نئی شکل دے کر دور دراز کے علاقوں کو بھی مرکزی حکومت کے زیرِ نگین کیا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ اشوک کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ پورا ملک ایک تہذیب اور سیاسی وحدت کی شکل میں نظر آیا اور شمال و جنوب کے فاصلے مٹ گئے۔ ایک طرف جہاں سلاطین نے اپنے طاقتور اور بہادر ہونے کا ثبوت پیش کیا وہیں دوسری جانب آرٹ مصوری، موسیقی، شاعری و ادب کی سر پرستی کر کے انہوں نے اپنی خوش ذوقی اور علم دوستی کا واضح ثبوت دیا۔ بالخصوص عہد تغلق کے شروع کے تین بادشاہوں نے جہاں اپنی شمشیر کے جوہر دکھائے وہیں دوسری جانب علم و ادب سے بھی اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ صوفیاء، مشائخ، علماء، شعراء، ہنردران، صناع، موسیقار اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین ان ادب پرور سلاطین کے زیرِ سایہ پروان چڑھے اور اُنہیں ان کی توقعات سے بڑھ کر نوازا گیا۔ تغلق سلاطین نے ہندوستان کو جو بیش قیمت خزانہ ورثہ میں عطا کیا وہ فارسی ادب ہے۔

ہندوستان میں چودہویں صدی میں مشرقِ وسطیٰ، ترک، خراساں، عراق، ایران سے آنیوالے قافلے اپنے ساتھ جو دولت لائے اسمیں فارسی شاعری بیش قیمت دولت تھی اور یہ وہ گراں قدر سرمایہ تھا جسے نہ صرف درباروں خانقاہوں اور مدارس میں غیر معمولی اہمیت و مقام حاصل تھا بلکہ شعراء کو بھی اہم اور بلند مرتبہ دیا جاتا تھا۔ اسکے علاوہ دوسرا گروہ صوفیائے کرام کا تھا جنہوں نے اپنے ملفوظات، رقعات اور تذکروں کے ذریعہ فارسی نظم ونثر کو ایک نئی وضع عطا کی۔ فیروز شاہ کے عہد میں کئی اہم تصانیف وجود میں آئیں اور مختلف کتابوں کا ترجمہ ہوا لیکن اس عہد کا مخصوص ادب شاعری ہی تھی۔ درباری شعراء کے علاوہ ایسے شعراء کی بھی اکثریت تھی جو متصوفانہ افکار کو دل انگیز شعر کے پیرائے میں ادا کر کے اشاعت و تبلیغ کرتے تھے اور یہ شعراء کسی دربار یا خانقاہ سے وابستہ ہوتے تھے۔ عہد تغلق کی مخصوص صنفِ سخن قصیدہ گوئی تھی اس صنف پر طبع آزمائی کر کے شعراء نہ صرف انعام و اکرام سے نوازے گئے بلکہ فارسی زبان نے بھی جدید لغات، محاورات اور خیالات سے شناسائی حاصل کی۔

خاندان تغلقیہ کے بانی غیاث الدین تغلق شاہ کو اپنے قلیل دورِ حکومت میں یہ موقع فراہم نہیں ہو سکا کہ علوم وفنون کی جانب متوجہ ہو کر علم و ادب کی خدمت انجام دیکر اپنے مختصر اور روشن دور کو مزید روشن کر

سکتا، لیکن باوجود اسکے غیاث الدین نے اپنے دور کے عظیم اور جلیل القدر شاعر امیر خسرو کی جو قدرو منزلت کی وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ صاحبِ فرشتہ امیر خسرو کی عظمت اور غیاث الدین تغلق کی سر پرستی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"در ۷۲۵ھ زمان سلطنت غیاث الدین تغلق شاه چهار سال چند ماه بود۔ امیر خسرو که در عهد بادشاه غیاث الدین ازِ غم معاش بسی فراغتی داشت و تغلق نامه که نسخهٔ آں کمیاب است بنام نامی او نوشته۔"[۱]

صاحب دیوان طوطی ہند امیر خسرو کسی تعارف کے محتاج نہیں ان کا شمار ان نامور شخصیات میں ہوتا ہے جو بیک وقت صوفی، شاعر، ادیب، مورخ اور مصنف تھے انکے والد کا نام امیر سیف الدین محمود لاچین تھا ۔امیر خسرو کے تمام سوانح نگار انکے ترک ہونے پر متفق ہیں، انکے قبیلہ کا نام ہزارہ لاچین تھا لاچین ترکی زبان کا لفظ ہے جسکے معنیٰ باز یاشاہین کے ہیں اسکے علاوہ لفظ لاچین غلام کے معنیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ان کے ترک ہونے کا اندازہ خسرو کے مندرجہ ذیل کے بیت سے ہوتا ہے۔

خه که در عهد تو سلطان سخن خسرو لاچین سلطانی شده است

خسرو کے والد اس وقت ہندوستان آئے جب قطب الدین ایبک کا انتقال ہو چکا تھا اور اسکی جگہ اسکے غلام شمس الدین ایلتتمش نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اور اس نیک اور دین پرور بادشاہ کو ملک میں پھیلی بد امنی اور ظلم وستم دور کرنے کیلئے بہادر سپاہیوں کی ضرورت تھی ان باہمت لوگوں میں امیر سیف الدین محمود بھی شامل تھے جنہوں نے بادشاہ کی ملازمت اختیار کی اور قصبہ پٹیالی میں سکونت اختیار کی اور پٹیالی ہی میں انہوں نے اعتماد الملک کی بیٹی سے شادی کی اور اسی جگہ ۶۵۱ھ میں امیر خسرو پیدا ہوئے۔ انکے والد انکو اپنے زمانے کے ایک بزرگ کے پاس لے گئے اور اُن بزرگ نے دیکھتے ہی کہا کہ" اے امیر محمود تم ایک ایسے بچے کو میرے پاس لائے ہو جو آگے چل کر خاقانی سے بھی سبقت لے جائے گا"۔ خسرو نے "تحفتہ الصغر" کے مقدمے میں اپنے بچپن کے جو دلچسپ حالات قلم بند کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کا

۱؎ تاریخ فرشتہ: ص ۱۳۴

مادّہ انکے اندر پیدائشی تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ جس وقت انکی عمر دس سال تھی ان کے استاد قاضی اسد الدین خسرو کو اپنے ساتھ ایک صاحبِ علم اور فاضل استاد اور شاعر قاضی عزالدین کے گھر لے گئے جنھوں نے خسرو کو ایک کتاب کے چند اشعار پڑھنے کیلئے کہا۔ خسرو نے اُن اشعار کو نہایت ترنم اور شیریں انداز میں پڑھا تو لوگوں کی آنکھوں میں آنسوں آگئے قاضی اسد الدین نے کہا کہ پڑھنا تو کوئی بڑی بات نہیں آپ اس سے کہیے کہ یہ کچھ اشعار اپنے کہہ کر سنائے تاکہ اسکا امتحان ہو سکے۔ پھر قاضی عزالدین نے چار ایسے الفاظ مو، بیضہ، تیر، خربزہ جن میں بظاہر کوئی مناسبت نہیں تھی رُباعی میں بیان کرنے کے لئے دیئے خسرو نے برجستہ یہ رباعی کہی۔

هـر موی که دو دو زلف آن ضم است　　صدبیضه عنبرین برآن موی ضم است

چـون تیرمـدان راست دلش را ' زیرا　　چون خربزه دندانش میانِ شکم است[۱]

اس رباعی کو سن کر قاضی صاحب انگشت بدنداں رہ گئے اور خسرو کی بہت زیادہ تعریف کی۔

امیر خسرو کی شخصیت کا قابل رشک و توجہ کے لائق پہلوان کا علمی استعدا تھا اور یہ علمی استعدادانہوں نے اپنی ذہانت اور ارباب علم کی صحبت سے حاصل کیا تھا، جس نے اُنہیں، اپنے زمانے کے ان تمام علوم و فنون، میں جن کا جاننا اور سمجھنا ایک تعلیم یافتہ اور مہذب شخص کیلئے اہم جانا جاتا تھا، شہرۂ آفاق بنادیا تھا۔ صنفِ شاعری میں بھی وہ کسی کے رہینِ منت نہیں تھے اور نہ ہی کبھی اُنہیں کسی شاعر سے باقاعدہ اصلاح کی ضرورت پیش آئی۔

جس چیز نے امیر خسرو کی شہرت کو چار چاند لگایا وہ انکی ظرافت طبع، حاضر جوابی اور انکی قوتِ مطابقت تھی۔ وہ جدھر کا رخ کرتے لوگ انکی آو بھگت کرتے وہ سوسائٹی کے جس طبقہ میں چلے جاتے اپنے آپ کو اسی طبقہ کے مزاج کے مطابق ڈھال لیتے تھے۔

خسرو کا شمار عام طور پر شعراء کی صف میں ہوتا ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں کیونکہ انکی تمام تر توجہ شاعری کی جانب ہی مرکوز رہی۔

امیر خسرو کئی بادشاہوں کے دربار سے منسلک رہے اور متعدد عہدوں پر کام کیا۔ مگر انہوں نے اپنی

۱۔ لائف اینڈ ورک آف دا امیر خسرو: ص ۱۵

زندگی کا آخری حصہ غیاث الدین تغلق شاہ کے ساتھ گذارا اور اپنی آخری تصنیف ''تغلق نامہ'' اسی بادشاہ کے دورِ حکومت میں مکمل کی۔ اس مثنوی کا آغاز قطب الدین مبارک شاہ کے عہد سے ہوتا ہے اور اسکا خاتمہ تغلق شاہ کی تخت نشینی کے بیان پر ہوتا ہے۔ تغلق نامہ کا اسلوب بیان عام اور سیدھا سادا ہے کہیں کہیں شاعر نے صنائع و بدائع کا استعمال بھی کیا ہے پھر بھی اس مثنوی میں خسرو کے تخیل کی وہ رنگ آمیزی اور شاعرانہ بلند پروازی جو دوسری مثنوی کی شان اور زینت سمجھی جاتی ہے تغلق نامہ میں مفقود ہے۔ اس مثنوی کے اسلوب بیان کے سادہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خسرو اپنے مربی اور محسن کا رجحان دیکھ کر شعر موزوں کرتے تھے۔ جبکہ جلال الدین فیروز خلجی اور غیاث الدین تغلق شاہ دونوں ہی سیدھے سادھے انسان تھے اور جنکے دل دنیا کی طمع سے پاک تھے مزاج میں رنگینی اور عیش پسندی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مثنوی رقت بیان، تغزل، شکوہ الفاظ اور مظاہرہ علم جیسی چیزوں سے محروم ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود خسرو کا مخصوص انداز نادر تشبیہوں کی شکل میں کہیں نہ کہیں نمایاں ہو جاتا ہے۔

دیگر شعراء کی مانند خسرو نے بھی اپنی مثنوی کا آغاز خدا تعالٰی کی حمد سے کیا ہے اور ایک حکایت ختم کرنے کے بعد چند سطر میں اپنے مربی غیاث الدین کی تعریف وتوصیف بیان کی ہے اور آخر میں بادشاہ کی عمر درازی کی دعا کرتے ہیں۔

اگرچه این تحفه نی درخور شاهست — که این زه بی سنرایی این کلاهست
ولیکن پیش سلطانی فقیری — گلیمی هدیه ساز و نی حریری
تو پذیری زمن این هرزهٔ چند — پذیرد از تو هم گیتی خداوند
به هر گه در رکوع و در سجودم — دعایی پادشه حرز وجودم[۱]

تغلق کی مدح کرنے کے بعد خسرو اپنی منظوم تاریخ کو قبول کرنے کی گذارش کرتے ہیں:

چو در سلك آرم این دُرهایی شهوار — پسند شاه عالم خواهمش یار
که گفتار اوچه سهل پسند است — گرش سلطان پسندد ارجمند است[۲]

خسرو صرف مدح سرائی پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے عہد کے حکمرانوں کو عدل اور رحمدلی کی

۱۔ تغلق نامہ: ص ۱۲

۲۔ ایضاً ص: ۱۳

راہ پر گامزن رہنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ عدل اور رحمدلی کے سوا تمام چیزیں چند روزہ ہیں:

شراب عشق و مستی و جوانی　　نشاط عیش و ملك کامرانی
کسی کین بادها اُفتاد در خویش　　کی اندیشه کند ز اندیشۀ پیش
نشاید پادشه رامست بودن　　نه در عیش و هوس پیوست بودن
بود شه پاسبان خلق پیوست　　خطا باشد که باشد پاسبان مست
شبان چو شد خراب از بادۀ ناب　　رمۀ در معده گرگان کند خواب[1]

امیر خسرو نے ”تغلق نامہ“ میں جو تاریخی واقعات و حالات سلسلہ وار بیان کئے ہیں ان کے یقینی ہونے پر شک وشبہ نہیں کیونکہ خسرو خود اُن تمام واقعات اور مناظر کے عینی شاہد ہیں۔

غیاث الدین تغلق خسرو خان کے مابین جنگ میں اسکے بیٹے فخر الدین جونا خان نے جنگجو دستہ کی قیادت کی تھی خسرو نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے۔

به پیش آهنگ آن قطب معظم　　ملك فخر الدول گشته مقدم
ملك دریا صفت در صف هیجا　　خلف در پیش همچون موجِ دریا[2]

ذہنی پریشانی اور پراگندگی خاطر کی تشبیہ خسرو نے کتنے موزوں انداز میں دی ہیں۔

همه شبها کسان در بیم و تشویش　　چو پیر روستایی را سرور پیش[3]

غرور اور تکبُّر میں غرق نیزے اور بھالے سنبھالے ہندو سورما کس طرح اکڑتے ہوئے میدانِ جنگ کیلئے روانہ ہوتے ہیں اس منظر کو خسرو نے یوں بیان کیا ہے۔

روان باخشت و ژوپین هندو گستاخ　　چو آهویی سینه بالازده شاخ[4]

خسرو خان کے میدان جنگ سے جان بچا کر بھاگنے کو اسطرح بیان کرتے ہیں۔

گهی ماند و گهی رفت و گه اُفتاد　　چو برگی در خزان از جنبشِ باد[5]

خسرو نے ہندی لغات کا استعمال بھی اس مثنوی میں نہایت کمال کے ساتھ کیا ہے مثلاً ذیل کے شعر میں ہمیں اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

---

1. تغلق نامہ: ص ۵۸
2. لائف اینڈ ورک آف دا امیر خسرو: ص ۲۶۵
3. ایضاً: ص ۲۶۵
4. ایضاً: ص ۲۶۵
5. ایضاً: ص ۲۶۵

دگــر هــر مــار و بیــری مــار و پــر مــار   ســخــن شان "مار مار" وسر بسر مار[۱]

خسرو کی یہ منظوم مثنوی ادبی نقطہ نظر سے اتنی اہمیت کی حامل نہیں جتنی تاریخی حیثیت سے کیونکہ اسمیں بعض[۲] ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو اس زمانے کی کسی دوسری تاریخ میں نہیں ملتی اور جنکے سچ ہونے میں شک نہیں۔

امیر خسرو نے خمسہ نظامی کے جواب میں پانچ مثنویاں مطلع الانوار، شیریں خسرو، لیلیٰ مجنوں، آئینہ سکندری اور ہشت بہشت نظم کیں۔ خمسہ کے علاوہ خسرو نے تاریخی مثنویاں تغلق نامہ، قران السعدین، مفتاح الفتوح، عشقیہ یا عاشقہ، نہ سپہر، خالق باری نظم کیں جن میں انہوں نے بادشاہِ وقت کے کارنامہ بیان کئے ہیں۔ مثنویوں کے علاوہ خسرو نے تین دیوان تحفہ الصغر ، وسط الحیات اور غرۃ الکمال بھی یادگار چھوڑے ہیں۔ خسرو صرف شاعری میں ہی مہارت نہیں رکھتے بلکہ وہ فصیح، شیریں اور رواں نثر لکھنے میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ نثر میں خزائن الفتوح ، اعجاز خسروی اور افضل الفوائد قابل قدر تصانیف ہیں جو خسرو کی مہارت اور استادی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

امیر خسرو صنفِ ادب کے وہ شہسوار ہیں جنہوں نے علم و ادب کے ہر میدان کو نہایت کامیابی اور کامرانی کے ساتھ طے کیا انہوں نے نہ صرف متعدد کتابیں لکھیں بلکہ غزل کی مژہ نوک کو سنوارنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ جس کی وجہ سے انکا نام شاعری کے آسمان کے اُن درخشاں ستاروں کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے جن میں سعدی اور حافظ جیسے نامور شعراء شامل ہیں۔

امیر خسرو کا یہ مختصر جائزہ ہم حافظ کے اس شعر پر ختم کرتے ہیں جسمیں انہوں نے خسرو کی شیریں بیانی کا اعتراف اور تصدیق کی ہے۔

شـکـر شـکـن شوند همه طوطیان هند   زیـن قـند پارسی که به بنگاله می رود



۱۔ لائیف اینڈ ورک آف دا امیر خسرو: ص ۲۶۵

۲۔ جنگ کا اغاز جمعہ کے دن ہوا تھا یہ دن کسی تاریخ نگار نے نہیں لکھا ہے۔

''بوعلی قلندر پانی پتی''

ہندوستان کے معروف ترین صوفی اور مجذوب شخصیت حضرت شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی اگرچہ صوفیہ کے حلقہ میں اہم اور بلند مقام ومرتبہ کے مالک تھے لیکن انکے حالات زندگی کی تفصیلات بھی بہت کم دستیاب ہیں۔ انکے والد حضرت فخر الدین سالار نے ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء میں عراق سے ہجرت کر کے ہندوستان کے مشہور اور مردم خیز علاقہ پنجاب کے علاقہ بدھا کھیڑا میں سکونت اختیار کی اور ٹھیک چار سال بعد بوعلی قلندر اسی جگہ دنیا میں تشریف لائے، لیکن آپ کی تاریخ ولادت کے سلسلہ میں اکثر مورخین میں اختلاف رائے پائی جاتی ہے۔ پانی پت اور بزرگان پانی پت میں آپکی تاریخ پیدائش ۶۰۴ھ/۱۲۰۷ء بمقام بدھا کھیڑا درج ہے۔ جبکہ تذکرہ سیر الاولیاء اور بزمِ صوفیہ میں قلندر صاحب کی تاریخ ولادت ۶۰۵ھ/۱۲۰۸ء بمقام پانی پت لکھی گئی ہے۔ اور غالباً اسی بنا پر آپ بوعلی قلندر پانی پتی کے نام سے مشہور ہوئے۔

فارسی قلندر صاحب کی مادری زبان تھی انہوں نے اوائل جوانی میں ہی اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم وفنون میں دسترس حاصل کی اور اپنے عہد کے مشہور عالم شیخ شرف طمعہ سے کسب فیض کیا۔ مولانا سیّد میاں اپنی کتاب شرف المناقب میں ''پانی پت اور بزرگان پانی پت'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ آپ کے استاد مولانا سراج الدین مکی تھے۔

حضرت شرف الدین نے اپنی زندگی کے چالیس سال پانی پت میں ہی گذارنے کے بعد دہلی میں سکونت اختیار کی اور قطب مینار کے نزدیک درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔

قلندر صاحب نے اپنی دانائی وبصیرت اور علمی قابلیت کے سبب تمام علمی اور سیاسی شعبوں میں اپنی ذہانت کا لوہا منوایا اور ارکان دولت نے آپکی علمی بصیرت سے متاثر ہو کر آپکو منصب قضا پر مامور کیا اور بیس سال تک آپ اس اہم ترین عہدے کے فرائض انجام دیتے رہے ان کی قابلیت اور علمی تبحر کے سبب نہ صرف مولانا ضیاء الدینؒ سنامی، خواجہ شمس الدینؒ ترک، نجم الدینؒ قلندر، شیخ جلال الدینؒ پانی پتی، حضرت نظام الدینؒ اولیا اور حضرت امیر خسرو وغیرہ جیسے انکے ہمعصر علماء وفضلاء آپکا بے حد احترام کرتے تھے اور آپ سے خاص عقیدت ومحبت رکھتے تھے بلکہ انکے عہد کے عوام و خواص کے علاوہ سلاطین وامراء بھی قلندر صاحب سے محبت وعقیدت رکھنا باعث فخر وانبساط سمجھتے تھے۔ قلندر صاحب

نے طویل عمر پائی تھی اور انہوں نے کئی بادشاہوں کا دور دیکھا تھا خصوصاً علائی سلاطین اور غیاث الدین تغلق قلندر صاحب کی صحبت میں بیٹھنے اور انکے ارشادات وفرمودات سننے کا شرف حاصل کرتے تھے۔ غیاث الدین تغلق قلندر صاحب سے گہری عقیدت رکھتا تھا اور انکا بڑا ادب واحترام کرتا تھا خود قلندر صاحب کو غیاث الدین سے دلی انس تھا اور اسکو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ایک درباری شاعر نہ ہونے کے باوجود انہوں نے بھی غیاث الدین تغلق کی مدح کی ہے۔ اگرچہ مدح سرائی قلندر صاحب کا خاصہ نہ تھا لیکن وہ غیاث الدین کی بہادری، شجاعت اور اسکے عدل وانصاف کی تعریف کرتے ہیں۔ ذیل کے اشعار غیاث الدین اور قلندر صاحب کے خوشگوار تعلقات کے شاہد ہیں:

دهان و لب و قد و شخصیت نگار هست سیمین بر
یکی راحت یکی بسته یکی سرو، ویکی عرعر
شه اعظم غیاث الدین که ازو آتش شرف شد
یکی تخت و یکی بخت و یکی خاتم یکی افسر
به عزم و جزم و کر و فرو هیبت بی سراندیشان
یکی بهمن یکی کسریٰ یکی دارا یکی نو ذر
چو او شاهی به عالم در نیامد از عدم بی شك
یکی عادل یکی باذل یکی ضابطه یکی داور
زهی شاهی که در حلم و حیا و عدل و بزل و حئی
یکی بکر و یکی عمر و هکی عثمان یکی حیدر
لُویی شاها درین عالم به ازم دوست و دل
یکی حاتم یکی رستم یکی خاقان یکی سرور

امیر خسرو کی محبت وعقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب سلطان علاء الدین خلجی کے تحائف کے ساتھ بوعلی قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قلندر صاحب کو اپنے اشعار سنانے کے علاوہ انکا کلام بھی سنا کرتے۔ خسرو جب قلندر

صاحب کے یہاں حاضر ہوئے تو انہوں نے شیخ صاحب کو درج ذیل مصرع کی غزل سنائی:

ای کہ گویی ہیچ سخنی جز فراق یار نیست
گر امید وصل باشد آن چنان دشوار نیست[۱]

جب کچھ معاصر علما قلندر صاحب کے مخالف ہو گئے تو آپ منصب قضا سے مستغنیٰ ہو گئے اور تصوف کا راستہ اختیار کیا اور تمام دنیاوی علایق و علوم سے دستبردار ہو کر ریاضت و مجاہدہ میں دل و جان سے مشغول ہو گئے۔ عبدالحق محدث دہلی لکھتے ہیں:

"شرف الدین پانی پتی او را بو علی قلندر نیز گویند از مشاہیر مجاذیب اولیاء ست می گویند کہ در اوائل حال تحصیل علم کرد و در طریقت مجاهده و سلوك و ریاضت نمود۔ در آخر مجذوب شد کتابهارا در آب اندافت"۔[۲]

قلندر صاحب صرف ایک صوفی مجذوب اور سیر سلوک کے راہی ہونے کے سبب عہد علائی اور تغلق کی اہم شخصیت نہیں تھے بلکہ وہ ایک عمدہ نثر نگار اور صاحبِ دیوان شاعر کی حیثیت سے بھی کافی مقبولیت کے حامل رہے ہیں۔ قلندر صاحب کے نثری آثار میں مکتوبات بنام اختیار الدین اور حکم نامہ شرف الدین کا ذکر ملتا ہے۔

عبدالحق محدث دہلوی انکے مکتوبات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"اورا مکتوب است بہ زبان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترك دنیا و طلب و آخرت و محبت مولیٰ"۔[۳]

قلندر صاحب کی رواں اور عمدہ نثر نگاری کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا قلندر صاحب کی فارسی زبان پر دسترس اور مہارت کا اندازہ انکی تصانیف و شاعری سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے اُنہوں نے شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور گویا ہر صنف کا حق بخوبی ادا کیا۔ وہ ایک پر گو شاعر تھے اور خود کو خاقانی اور نظامی کے مدمقابل سمجھتے تھے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں:

شرف در پر تو رویت کلام از قدس آورده
نہ چون نظم نظامی دان نہ چون اشعار خاقانی[۴]

---

۱ بزم صوفیہ: ص ۲۹۲

۲ اخبار الاخیار: ص ۱۲۵

۳ ایضاً: ص ۱۲۵

۴ کلام قلندری: ص ۱۲۴

قلندر صاحب نے متقدمین خصوصاً سلمان ساوجی اور ظہیر فاریابی کے کلام کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور انکی پیروی میں شعر کہنا باعث فخر سمجھتے تھے:

جمال و ساوجی و من برادریم همه — همان قدر که بود جامگی مناسب برد[۱]

کردم مطابعت به ظهیر آنکه گفت او — شرح غم تو لذت شادی به جان دهد[۲]

قلندر صاحب ایرانی نژاد ہندوستانی تھے لیکن وہ اپنی عراقی نسبت پر فخر کرتے تھے۔ انہوں نے خود اپنی حیات میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عراق وخراسان میں بھی اپنی شاعری کی شہرت کا غلغلہ خود خود اپنے کانوں سے سنا دہ اس بات پر افسوس ظاہر کرتے ہیں کہ ایک عراقی ہونے کے باوجود وہ ہندوستان میں ہیں:

مرا گله ز هندوستان ست هندوی

شرف به هند پرست و لیکن عراقیست[۳]

قلندر صاحب کے شعری آثار میں دو مثنویاں ''کنز الاسرار'' اور ''رسالہ عشقیہ'' اور ایک کلیات دستیاب ہے۔ کنز الاسرار منظوم حکایتوں کا مجموعہ ہے مثنوی ''رسالہ عشقیہ'' تین سو باسٹھ اشعار پر مشتمل ہے جو اُن کے عشق الٰہی اور عرفانی جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔ اسکے کاتب اور مولف یوسف احمد شاہ نے مثنوی کی تعریف درج ذیل عبارت میں کی

''هر بیتش از متاع عرفان معمور و هر شعرش عارفان راموجب وجدو سرور ریخته قلم جادو رقم''۔[۴]

صاحب نزہۃ الخواطر نے قلندر صاحب کی مثنوی کے چند عنوانات حسبِ ذیل طریقہ سے ترتیب دیئے ہیں:

''درویشی چیست؟ نفس کشتن، طلسم هستی شکستن ترا ز غیر گفتن از خود بستن و بد دوست پیوستن دو آتش محبت سوختن و خاکستر شدن''۔[۵]

قلندر صاحب نے اپنے اشعار میں عشقِ الٰہی مردان خدا، صوفی، زاہد، فقر وفاقہ، قناعت، یادخدا، تواضع، ایثار، مجاہدہ، ریاضت، زہد وتقویٰ، حلال وحرام، ترک دنیا جیسے تمام موضوعات کو شرح وبسط کے ساتھ اس طرح بیان کیا

---

۱ کلامِ قلندری: ص ۱۰۵

۲ ایضاً: ص ۱۱۰

۳ ایضاً: ص ۹۹

۴ مثنوی: ص ۱۸

۵ نزہۃ الخواطر ج۰ ص ۴

ہے کہ ہر موضوع کا حق ادا کر دیا ہے انہوں نے قرآن وحدیث سے استفادہ کرنے کے علاوہ علماء وعرفاء کے اقوالِ زرین بھی دلائل کے ساتھ بیان کئے ہیں اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ اور اسکے اثرات کی تشریح بھی کی ہے۔

قلندر صاحب کے آثار کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مولانا رومی اور انکے افکار وخیالات سے نہ صرف متاثر بلکہ بڑی حد تک ہم خیال بھی تھے اور انکے اشعار ان تمام افکار وخیالات کے ترجمان ہیں۔

قلندر صاحب زندگی کی آب وتاب اور دنیا کا تمام سوز وساز کو عشق کا رہن منت بتاتے ہیں انکی خواہش ہے کہ انسان کے دل میں عشق الٰہی کا سوز لحہ بہ لحہ بڑھتا رہے ذیل کے اشعار انکے خیالات کی بہترین ترجمان ہیں:

دل ز ساز عشق با دلبر رسد   عشق کو تا جامۂ هستی درد
عشق کوبی بال و پر طیران کند   عشق کو در لامکان جو لان کند
عشق کو تا تاج سلطانی دهد   عشق کو ملك سلیمانی دهد
عشق کو تا چشم دل بینا کند   عشق کو تا سینه پر سودا کند
عشق کو تا عقل را زائل کند   عشق کو تا عقل راجاهل کند
عشق کو تا جام مدهوشی دهد   عشق باید تا فراموشی دهد
تشنگانِ عشق راجانی دگر   هر زماں از غیب احسانی دگر[1]

قلندر صاحب کا عقیدہ ہے کہ جب عاشق مسلک عشق میں داخل ہوجاتا ہے تو اسکو ذات ازلی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور ذات حق میں مست عاشق ہی درحقیقت حقیقی عاشق ہوتا ہے اور ایک صادق عاشق ہی عشق حقیقی کا صحیح مفہوم سمجھ سکتا ہے اور جب وہ اس مطلب کو جان لیتا ہے تو وہ ذات حق میں اپنی ذات کو فنا کر دیتا ہے اور یہی عاشق مرد خدا کہلاتا ہے:

عاشقا نند در جهان مست خدا   تو چه دانی عشق را ای هر گدا[2]

قلندر صاحب کہتے ہیں کہ اگرچہ عقل وفہم آگاہی کا ذریعہ ہے لیکن وہ عاشق، عشق اور عشق حقیقی کو نہیں سمجھ سکتی کیونکہ عقل نور وبصیرت سے محروم جزو سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اور عشق کل کا درجہ رکھتا ہے عشق

---

۱ کلام قلندری: ص ۸۹،۹۰

۲ ایضاً: ص ۴۸

ہرصورت میں تمام چیزوں سے ارفع واعلیٰ ہے۔ ذیل کے اشعار انکے خیال کی بہترین عکاسی کرتے ہیں:

عقل جز از عشق کل دایم بیاست — عشق کل با عقل کل هم آشناست
عقل چون در حضرت بی چون رسید — عقل جز منکر شود که چون رسید
عقل جان با ز آمده اندر جهان — عقل باشد در پناه این و آن
عقل را تو جاهل و حیران به بین — عشق باشد نکته دان باریك بین[۱]

مولانا رومی نے فیہ مافیہ اور مثنوی معنوی میں یادخدا کو سب سے اہم اور بڑی عبادت بیان کیا ہے قلندر صاحب نے اسی عقیدہ کو اپنے اشعار میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ذات ازلی کی یاد ہی عارف کو بلند مقام پر فائز کرسکتی ہے ان کی نظر میں کائنات اللہ تعالیٰ کا بے پایا رحم وکرم ہے وہ دنیا کی ہر شہ میں ذات ازلی کا جلوہ دیکھتے ہیں اور یہی وہ اہم چیز ہے جو وحدت الوجود کے رجحان کا اہم جز ہے:

مست افتم بی خبر در کوی او — هر که بوی بشنوم از بوی او
لاله از رخسار او شد داغدار — سنبل از بوی خوشش شد تابدار
غنچه باصد شوق پیراهن درید — سد زبان در وصف آن سوسن کشید[۲]

بوعلی قلندر کے زمانہ تک ''همه اوست'' کا تصور صوفیاء کے حلقوں میں عام تھا قلندر صاحب بھی اسکے اثر اور تصور سے محفوظ نہیں رہ سکے وہ بھی ایک سچے عاشق کی طرح عشق حقیقی کے دریا میں غرق ہوجانا چاہتے ہیں اور اپنے وجود کو دریاء عدم کی نذر کرنے کی خواہش رکھتے ہیں:

علم حق اینجا بود دریای محو — کی بود علم الٰهی سکر و صحو[۳]

قلندر کا نظریہ ہے کہ ایک صوفی کی اصل دولت تقویٰ اور نماز ہے نہ کہ گدڑی، شانہ، مسواک اور وعظ گوئی جیسی ظاہری چیزیں۔ نماز ہی انسان کی نجات کا اصل اور واحد ذریعہ ہے۔ وہ نماز کی حقیقت واہمیت کو مندرجہ ذیل اشعار میں حسب ذیل طریقہ سے بیان کرتے ہیں:

زهد و تقویٰ نیست کز آن بهر خلق — صوفیی گویی و پوشی کهنه دلق
شانه و مسواك و تسبیح و ردا — جبه و دستار و قلب بی صفا
این نماز تو شود آخر تباه — ذکر باطل ها کند روی سیاه[۴]

---

۱ کلام قلندری: ص ۳۸، ۳۶

۲ ایضاً: ۸۶

۳ ایضاً: ۵۹

۴ ایضاً: ۸۶

قلندر صاحب کی غزلیات بھی فارسی ادب خصوصاً متصوفانہ شاعری میں خاص مقام کی حامل ہیں۔ان کی غزل معنی آفرینی قادر الکلامی اور شاعرانہ عظمت کی شاہکار ہیں۔انہوں نے مثنوی کی طرح غزل میں بھی عشق حقیقی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔انکے اشعار میں عشق ازلی کی گرمی اور وحدت شدت سے نمایاں ہوتی ہے انکا کہنا ہے کہ عشق الٰہی کا جذبہ کسی بھی انسان میں آسانی سے نہیں سماسکتا۔اسکے لئے ذوق وشوق کے علاوہ سچی لگن کی اشد ضرورت ہے۔صبر و رضا، توکل، قناعت، استغنا کی منازل سے گذر کر ہی انسان وادیٔ عشق میں داخل ہوتا ہے اور جب ان تمام مقامات کو طے کر لیتا ہے تو درحقیقت وہی شخص عاشق صادق ہوتا ہے جسکا سینہ ہر لحہ آتش عشق سے روشن رہتا ہے اور اسکو ہر شئے میں صرف ایک ہی ذات جلوہ گر نظر آتی ہے۔قلندر صاحب بھی اسی عشق کے جذبہ سے سرشار نظر آتے ہیں وہ اپنے عشق حقیقی پر نازاں ہیں۔لیکن کبھی کبھی وہ شکوہ کناں بھی نظر آتے ہیں کہ غم عشق میں میری حالت بہت زیادہ خستہ ہوگئی ہے اور یہ اطلاع سات ملکوں تک پہنچ گئی ہے لیکن محبوب حقیقی کے رحم وکرم سے ہنوز محروم ہوں ان کا کہنا ہے کہ اگر عشق نہ ہوتا تو کائنات کا وجود کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔اس دنیا میں ہر شخص لذت عشق سے لطف حاصل کر رہا ہے اور عشق واحد راستہ ہے جو انسان کو خدا تک پہنچاتا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اگر انکے دل میں آتش عشق روشن نہ ہوتی تو وہ ہرگز عشق کے پوشیدہ راز بیان نہیں کرتے۔ذیل میں قلندر صاحب کی غزلوں کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

خمار عشق تو اندر دماغ ز ان باقیست
که صورت "لمن الملك"[۱] هر زمان ساقی ست

ز تو گستن و از من هزار پیوستن
که آن گستن و پیوستن از تو مشناقیست[۲]

شرف ز عشق تو گشت آن قلندر مست
که جمله مدعیان از مهابتش مردند[۳]

گر عشق نبودی و غم عشق نبودی
چندین سخن نغز که گفتی که شنودی
گر عشق نبودی به خدا کس نرسیدی

---

۱ وہ علاقہ جو بادشاہ کی ریاست میں داخل ہو۔

۲ کلام قلندری: ص ۲۳

۳ ایضاً: ص ۹۹، ۱۰۵

۴ ایضاً: ص ۱۲۷

این ذوق محبت بہ جہان کس نچشودی[۱]

قلندرصاحب کی مثنوی اور غزل کی طرح انکی رباعیات سے بھی آتش عشق ہویدا ہے انہوں نے اپنی رباعیوں میں عشق کی طاقت، عظمت اور قدرت کی وضاحت بڑے مؤثر طریقہ سے بیان کی ہے:

آوازہ عشق مابہ بھر خانہ رسید　　در دل مابہ خویش و بیگانہ رسید
از دست غم عشق تو ھر جاکر روم　　گویند زرہ دور کہ دیوانہ رسید[۱]



حسن دہلوی

حسن گلی ز گلستان سعدی آوردہ است　　کہ اھل معنی گل چین ازاں گلستانند

سعدی ہند امیر نجم الدین حسن دہلوی جنکو بعض مورخین اور تذکرہ نگاروں نے جلال الدین حسن کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ ہندوستان کی ایک ایسی نامور شخصیت ہیں جنکے حالات پر بھی انکے بیشتر ہم عصر معاصر ادباء اور شعراء کی طرح تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اگر کسی ذریعہ سے انکے حالات پہر کچھ روشنی پڑتی ہے تو صرف فوائد الفواد کا دیباچہ اور انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود انکے دیوان کا قلمی نسخہ ہے جسکے دیباچہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ دیوان ۷۱۵ھ میں جبکہ میری عمر ۶۳ سال تھی میں نے یہ دیوان مرتب کیا[۲]۔ اگر اُن کے بیان کے مطابق ۶۳ سال ۷۱۵ سے کم کر دیئے جائیں تو ۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء کا سن نکل کر آتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسن دہلوی کی سالِ ولادت ۶۵۲ھ ہے۔

حسن دہلوی کی سالِ ولادت کی طرح انکے والد کے نام میں بھی مورخین نے قیاس آرائیاں کیں ہیں۔ انہوں نے اپنی مشہور تصنیف ''فوائد الفواد'' کے دیباچہ میں خود کو ''حسن علاء سجزی'' لکھا ہے۔ جس سے ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''علا'' اور ''سجزی'' سے انکی مراد کیا ہے۔

صاحبِ اخبار الاخیار اور شاہنواز خاں صاحب تذکرہ ''بہارستان'' نے ''علاء'' سے مراد انکے والد کا نام ''علاء الدین'' تحریر کیا ہے یا پھر ''علاء'' کو انہوں نے سلطان علاء الدین خلجی کی طرف منسوب کیا ہے۔ انکے نام کے دوسرے جز ''سجزی'' کے متعلق اغلب خیال یہ ہے کہ لفظ ''سنجری'' کاتب کی غلطی ہے اور صحیح لفظ ''سجزی'' ہے

۱۔ کلام قلندری: ص ۱۱۱

۲۔ دیباچہ امیر حسن اور ان کا زمانہ: ص ۲۰

نا کہ ''سنجری''۔ فوائد الفواد میں بھی حسن نے ''حسن سجزی'' رقم کیا ہے اور یہی صحیح نام ہے ہندوستان کے بیشتر شرفا کے خاندان عرب سے ہجرت کر کے ایران، افغانستان اور اسکے نواحی علاقوں میں آباد ہو گئے اور اسکے بعد وہ ہندوستان آئے اور اسی سرزمین کو اپنا مسکن بنایا اس بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حسن کا خاندان بھی عرب سے ہجرت کر کے سیستان یا سجستان میں آ کر آباد ہوا اور اسکے بعد انہوں نے ہندوستان کا رخ کیا اس لئے انہیں سنجری کے بجای سجزی کہنا زیادہ بہتر ہے۔

حسن دہلوی کی جائے پیدائش کے سلسلہ میں بھی تذکرہ نگاروں اور مورخین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کچھ نے انکی جائے پیدائش دہلی لکھا ہے جبکہ انکا اصل مولد بدایوں ہے کلیات حسن میں موجود قصیدے کے درج ذیل شعر سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

پرور دہ فضل ایزدش، ارشاد غیبی مرشدش

بودہ بدایوں مولدش، دھلی است منشا داشتہ

اگر چہ حسن دہلوی کے حالات کی تفصیلات بہت کم ملتی ہیں لیکن انکے اشعار اور انکی تصنیفات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پاکیزہ اور اعلیٰ اخلاق وعقائد کے مالک ہونے کے ساتھ انتہائی ذی ہوش اور وضع دار انسان تھے۔ حسن اپنی عمدہ اور شیریں گفتاری اور مجلس آداب کے لئے بھی بہت مشہور تھے اور شرفا انکے پسندیدہ اطوار کی بدولت انکی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے امیر خسرو جیسے شاعر جو حسن کے نہ صرف ہم عصر تھے بلکہ انکے گہرے دوست بھی تھے۔ حسن کو بے حد پسند کرتے تھے۔

حسن دہلوی بھی امیر خسرو کی طرح حضرت نظام الدینؒ اولیاء کے مرید تھے۔ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے حسن امیر خسرو کے ساتھ محبوبِ الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا وقت گزارتے تھے۔ حضرت نظام الدینؒ اولیاء سے حسن دہلوی کی عقیدت واحترام کے لئے ایک واقعہ عام طور پر مشہور ہے کہ جب حسن کی عمر چھپن سال کی تھی تو اس وقت وہ دہلی میں اپنے ہم مشربوں کے ساتھ شمسی تالاب پر بیٹھے شراب نوشی کرنے میں مشغول تھے اس وقت حضرت سلطان المشائخ کا وہاں سے گذر ہوا اور حسن کو پہچان کر انہوں نے حسبِ ذیل قطعہ پڑھا:

سالها باشد که ماهم صحبتیم — گرز صحبتها اثر بودی کجاست

زهدتان فسق از دل ما کم نکرد — نسق ما بهتر ز از زهد شماست

حسن نے یہ قطعہ سن کر فوراً جواب دیا۔

"صحبتها را اثر است" اور اسکے فوراً بعد خود کو حضرت محبوب الٰهی کے قدم مبارك میں ڈال دیا اور آپکےؒ مرید ہو گئے"۔[1]

مولانا جمالی نے اس واقعہ کا ذکر ذیل کی عبارت میں اس طرح کیا ہے:

"نقل است از مولانا شهاب الدین امام که روزی حضرت شیخ المشایخ نظام الملته والدین قدس روحه به زیارت مزار متبرك حضرت سلطان المشایخ قطب الدین بختیار اوشی قدس سره رفته بودند من به خدمت مولانا برهان الدین به رکاب ایشان بودیم بعد از زیارت حضرت شیخ را بر حوض شمسی گذر افتاد تابر مزار بعض بزرگان که بالائی حوض مزکور آسوده اند فاتحه، بخواندند ناگاه خواجه حسن علائی سجزی شاعر با جمعی یاران خود در کنارے حوض مذکوره شراب می خورند او را باحضرت شیخ در مبداء حال دربد اوْن آشنائی و صحبت بودهست پیداگشت و این دو بیت بر زبان راند۔ فی الحال سر برهنه ساخت خود را به پای حضرت شیخ انداخت و تایب و مرید گشت هفتاد و سه سال عمرداشت"۔[2]

ریاض الشعرا کے مصنف والہ داغستانی امیر حسن کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"خواجه امیر حسن دهلوی علیه الرحمة از مریدان خواجه نظام الدین اولیاء ست صیت کمالاتش نه چنه ان جهان را فراگرفته که احتیاج به تعریف ما باشد۔[3]

---

[1] فوایدالفواد: ص۱۵

[2] سیرالعارفین: ص۸۷

[3] ریاض الشعرا: ص۱۲

حسن نے سلطان المشائخ کی صرف مریدی ہی اختیار نہیں کی بلکہ اپنے روحانی پیشواء کی درس وتدریس کی محفل میں حاضر ہوکرانکے ملفوظات کو بھی جمع کیا اور اسے "فوایدالفواد" کے نام سے متعارف کرایا۔

فوایدالفواد ایک اہم ترین روزنامچہ ہے جسمیں حسن نے اپنے پیراورروحانی پیشوا کی ترتیب وارمحفلوں کے ارشادات جمع کئے ہیں جو ہندوستان کی ایک عظیم صوفی شخصیت اورانکے افکاروخیالات کے ساتھ ساتھ اس زمانہ کی تہذیب، معاشرت اورکسی حدتک بعض تاریخی واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں۔اس کتاب کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ حسن اکثروبیشتر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکراسکی تصحیح بھی کراتے تھے جسکے سبب اسکی اہمیت وافادیت میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حسن کے مرتب کردہ ملفوظات سب سے زیادہ اہم اور مستند قرار دیئے جاتے ہیں۔حسن پہلے ہندوستانی ہیں جنھوں نے صوفیانہ افکاروخیالات کوسادہ،شیرین اورموثر انداز میں تحریری شکل دیکر محفوظ کیااوراس طرح ہندوستان میں ملفوظ نوسی کی روایت قائم ہوئی جو بعد ملفوظ نویسی کی ایک مستقل ومقبول صنف کی شکل اختیار کر گیا جس کی پیروی میں بہت سے ملفوظات وجود میں آئے۔فوایدالفواد پانچ ابواب میں تقسیم کی گئی ہےاور ہر باب میں متعدد مجالس سلسلہ وار ترتیب دی گئیں ہیں۔

یہ کتاب اپنے زمانہ میں ہی بہت زیادہ مقبول ہوئی اسکی مقبولیت کا اندازہ امیرخسروکی اس خواہش سے لگایا جاسکتاہے کہ

" امیر حسن اپنی یہ مشہور کتاب انکے نام منسوب کردیں اور اسکے عوض انکے تمام دواوین لے لیں"۔

فوایدالفواد اگرچہ عہد علائی کی تصنیف ہے لیکن اسکا آخری اور پانچواں جز غیاث الدین تغلق کی تخت نشتی کے بعد مرتب کیا گیا تھااس لئے یہ مایہ ناز کتاب عہد تغلق کی اہم تصانیف میں شمار کی جاتی ہے۔

حسن اگرچہ ایک مرید اور فارسی نثر نگار کی حیثیت سے کافی مقبول شخصیت کے مالک تھے لیکن بہ حیثیت ایک فارسی شاعر بھی اُنہیں کافی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔صاحب سیرالاولیاء انکی شاعرانہ صلاحیت کے معترف ہیں۔

"وایں بزرگ پیوستہ میاں شعراء متمکن و مستجل

بـوده۔هیـچـکـس بـه لـطیـفـه و پـند پر گوئی بهتر از و نگفت و
پـادشـاهـان و پـادشـاهزادگان گوش و هوش به لطایف اومی دا
شتـنـد و سـرهمه سعاد تها آن بود که در سلك بندگان حضرت
سلطان المشایخ منسلك شده"۔[1]

مجمع الفصحا کے مصنف نے حسن کی شعری اور نثری خوبیوں کا اعتراف حسبِ ذیل عبارت میں کیا ہے:

" در دم شـاعـری از شـاعـر یـگـانـه عصر علائی امیر حسن
سـجـزی بـوده اسـت اورا تـالیـفـات نـظم و نثر بسیاراست و به
سـلاسـت تـرکیـب و روانـی سـخن آیت بوده است و از بسکه
غـزلهـائی و جـدانـی و رعـایـت روانـی بسار گفته اورا سعدی
هندوستان خطاب شده"۔

حسن ایک صاحبِ دیوان اور قادرالکلام شاعر تھے اُنہوں نے شعر کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی اور ہر صنف کا حق نہایت کامیابی کے ساتھ ادا کیا لیکن ان کا سب سے اہم کارنامہ انکی غزلیات ہیں جن کی بدولت انہیں سعدی ہند کہا جاتا ہے۔ حسن ایک صوفی شاعر تھے لیکن اسکے باوجود انکی غزلیں صوفیانہ رنگ سے مبرّا نظر آتی ہیں اور "همه اوست" اور وحدت الوجود جو اس عہد کی شاعری کا اہم ترین موضوع تھا اسکے بجائے عشق و عاشقی اور محبوب کا ذکر زیادہ پایا جاتا ہے عشق ہی ان کی زندگی کا اصل مقصد ہے خواہ وہ عشق حقیقی ہو یا عشق مجازی وہ اپنے محبوب کے زبردست عاشق ہیں اور اسکے بے مثال اور خیرہ کن حسن پر فریفتہ ہیں اور اسکے خوبصورت عارض کے تل کو اپنا قاتل قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ذیل شعر سے ظاہر ہوتا ہے:

جـز رُخ و زلف تـرا در دل خـود نقـش نبسـت
هـر کـه حـرفـی ز سپیدی و سیـاهـی دانسـت
خـون شـد دل دیـوانـه ام زلـفـت ببازی همچنان
آخـر رسـد افسـانه ام شب را دراز می همچنان[1]

---

[1] سیرالاولیاء: ص ۳۰۸

حسن کا محبوب بھی روایتی شعرا کے محبوب کی طرح اس پر نظر التفات نہیں کرتا اور وہ اپنے محبوب کی ایک نظر کے لئے آہ وزاری کرتے ہوئے عاجزی، انکساری کے ساتھ کہتے ہیں:

گشتم ز فرق تا بہ قدم حلقہ چون رکاب
آن شہسوار من قدم از من دریغ داشت
دلم ببیردی و ننواختی افسوس
چنان کہ دلبریت ہست دلنوازی نیست[۲]

حسن کو اگر کبھی اپنے دوست کی قربت اور اسکی توجہ حاصل بھی ہوتی ہے تو انکا دشمن یعنی غم انکے درمیان مداخلت کرتا ہے چنانچہ کہتے ہیں:

من بودم و کنجی و حریفی و سرودی ۔۔۔ غم را کہ نشان داد بلا را کہ خبر کرد[۳]

جب انکے محبوب کے درمیان انکا غم مداخلت کرتا ہے تو وہ بڑے دُکھ اور افسوس کے ساتھ قدرت سے شکوہ کناں نظر آتے ہیں:

بہ چرخ برین میکنی تکیہ دایم ۔۔۔ ندانی کہ چرخ برین ہم نماند
چہ مونس ہمی گیری از ہر قریبی ۔۔۔ کہ مونس نباید قرین ہم نماند
اگر بگذرد مرد کم گویی و کم دان ۔۔۔ سخن دان باریك بین ہم نماند
سخن را اگر چند سحر آفریدند ۔۔۔ سر انجام سحر آفرین ہم نماند
ہمین نالۂ ماند بیکس حسن را ۔۔۔ بترسم از آن روز کین ہم نماند[۴]

لیکن اگر انکا شکوہ، شکوہ ہی رہ جاتا ہے اور انکی دُعا کو قبولیت کا درجہ حاصل نہیں ہوتا تب بھی اُنہیں کوئی افسوس یا غم نہیں ہوتا:

حسن دعایی تو گر نیست مستجاب مرنج ۔۔۔ ترا زبان دگر و دل دعا چہ کند

حسن اپنی گذشتہ زندگی پر شرمندہ ہیں اور تایب ہونے کے باوجود بھی انکی شرمندگی ختم نہیں ہوتی اور وہ غیر مطمین نظر آتے ہیں:

---

۱ کلیات حسن: ص۶۷
۲ ایضاً: ص۳۵۷
۳ نتایج الافکار: ص۱۷۱
۴ کلیات حسن: ص۱۷۸

یکسر مودلم سپید نگشت　　　هیچ مر برتنم سیاه نماند
ای حسن تو به آنگهی کردی　　　که ترا طاقت گناه نماند

حسن کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قدرتی مناظر سے بھی بہت متاثر تھے ذیل کے اشعار سے منظر نگاری پر انکی دسترس صاف ظاہر ہوتی ہے:

ساقیامی ده که ابری خاست از خاور سپید　　　برگ راسر سبزی آمد سرورا چادر سپید
ابر چون چشم زلیخا بهر یوسف زاله بار　　　ثراله چون با دیده یعقوب پیغمبر سپید

حسن کی غزل کی طرح انکے قطعات بھی بڑے دلکش اور پر آثر ہیں انکا ذیل کا قطعہ کافی مقبولیت کا حامل ہے:

دارم دلکی غمیس بیا مُرزد مپرس　　　صد واقعه در کمین بیا مُرزد مپرس
شرمنده شوی اگر میپرس غم　　　ای اکرم اکرمین بیا مُرزد مپرس

حسن کے دستیاب حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جلال الدین کے عہد تک انہیں شاہی دربار میں باریابی کا موقع فراہم نہیں ہوسکا البتہ شاہی لشکر سے انکا تعلق ضرور تھا لیکن علاء الدین جو ایک لاپرواہ سلطان تھا اور اپنی بے التفاتی کے سبب شعراء اور ادبا کی قدر و منزلت نہیں کی اسکے باجود حسن خوش نصیب شاعر ہیں جنہوں نے اس سلطان کے دربار میں بلند مقام حاصل کیا اور اس بادشاہ اور اسکے اعزہ کی شان میں قصاید اور قطعات بھی نظم کیے۔

سلطان محمد تغلق کے دورِ حکومت میں دار الخلافہ کی منتقلی (۷۲۷ھ) کے وقت حسن کو بھی اپنی عمر کے آخری زمانے میں دہلی کو الوداع کہہ کر دیو گیر (دولت آباد) کا رُخ کرنا پڑا۔ حسن کو بھی اپنے معاصر شعراء کی طرح دہلی سے قلبی لگاؤ تھا اور وہ اپنے دوستوں کو بھی بہت عزیز رکھتے تھے۔ لہٰذا دہلی سے جدا ہونے کا انہیں بہت دکھ تھا انہوں نے دہلی کی تباہی و بربادی پر ایک قصیدہ بھی نظم کیا جسکا مطلع حسبِ ذیل ہے۔

آخر نتر سید از دلم آن شحنه خون ریز آه　　　سهری که پار آباد امسال ویران از چه شد

اگر چہ حسن کو دہلی سے جدا ہونے کا افسوس اور دُکھ تھا لیکن نئے دار السلطنت دولت آباد نے بھی انہیں بہت متاثر کیا۔ انہوں نے بھی اپنے معاصر شعرا حمید قلندر، عصامی اور محمد جان قدسی کی طرح اس شہر کی خوبصورتی اور رعنائی کی تعریف اپنی مثنوی میں اسطرح کی ہے:

زهی خرم بنای دولت آباد　　که هم بر پایی دولت یافت بنیاد
فلك كر دار عالی بارگاهی　　ستاره كیست این جا یار خواهی
سعادت هاست در وی رُخ نهاده　　جهان بروی در دولت کشاده
چون ایوان قمر از دوشنایی　　چو ایوان فلك در یر پایی
خداوند از مین این مكان را　　بدوه قدری کی دادی آسمان را
مبارك فال کن بربار و بر دوست　　خصوصاً بر کسی کو بانی اوست[1]

حسن متقدمین میں سعدی اور رومی سے بہت متاثر تھے اور انکی تقلید میں شعر کہنا باعث فخر سمجھتے تھے ذیل کے شعر میں انہوں نے سعدی کی تقلید بہ خوبی کی ہے:

از نظم حسن نو شد دیباچه عشق آری　　جلد سخنشن دارد شیرازه شیرازی[2]

حسن جب دہلی سے دولت آباد آئے تو زندگی نے انکو اتنا موقع فراہم نہیں کیا کہ واپس دہلی جاتے انہوں نے اسی شہر میں وفات پائی اور اسی جگہ دفن کئے گئے۔ دولت آباد سرکار آصفیہ حیدرآباد دکن کا ایک مشہور قصبہ ہے جہاں حسن کا مدفن ہے وہاں کی عوام انکو ''حسن شہر'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت نظام الدینؒ اکثر اپنے خاص مریدوں کو انکے پیار کے نام سے پکارتے تھے مثلاً امیر خسرو کو ''ترک اللہ'' کے نام سے پکارتے تھے اس امر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے حسن دہلوی کو بھی محبوب الٰہی نے انکے ترک اور تجرد کی وجہ سے ''شیر دل'' کے نام سے یاد کیا ہو حسن نے بھی ذیل کے بیت میں خود کو شیر دل کہا ہے۔

شیر دل خواندن حسن را، لطف بود　　نی سگِ خود خوان که جاه دیگراست[3]

حسن کی مادّہ تاریخ مندرجہ ذیل قطعہ میں درج ہے:

چون حسن احسن شه اهلِ جمال　　باکمال حسن در جنت رسید
رحلتش حسن حقیقت شد عیان　　سید مرشد حسن آمد پدید[4]

☆☆☆

---

1. کلیات حسن: ص ۱۷۸
2. ایضاً: ص ۳۴۲
3. مجمع الفصحا: ص ۵۶۲
4. [illegible]

غیاث الدین تغلق کے برخلاف محمد بن تغلق نے ایک طویل مدت تک ہندوستان پر حکمرانی کی اور علم و ادب کو فروغ دیا۔ وہ بڑا ادب پرور بادشاہ تھا۔ اس نے علماء وفضلا کی سرپرستی کی جس کے نتیجہ میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین اسکے دربار کی زینت بن گئے۔ عبدالقادر بدایونی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"درآن سال چنداں مردم از ولایت خراسان و عراق و سمرقند
بہ اُمید بخشش سلطان درھند آمدند کہ دریں دیارِ غیر از
ایشان طایفہ دیگر بہ نظر کم می آمد"۔[۱]

وہ بادشاہ خود ہمہ گیر شخصیت کا حامل تھا اور شاعری پر اسکو کامل دستگاہ حاصل تھی۔ ضیاء الدین[۲] برنی نے اپنی تصنیف تاریخ فروز شاہی میں محمد بن تغلق کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کئے ہیں۔

بسیار دریں جھان چمیدیم — بسیار نعیم و ناز دیدیم
اسپان بلند بر نشستیم — ترکان گراں بھاء خریدیم
کردیم بسی نشاط و آخر — چوں قامت ماہ نو خمیدیم[۳]

ترجمہ: اس دنیا میں ہم بہت گلگشت کرتے رہے۔ ہم نے بہت سی نعمتوں اور نازوں سے لطف اٹھایا۔ بڑے بڑے اونچے گھوڑوں پر بیٹھے اور بڑے بڑے قیمتی ترک غلام خریدے۔ ہم نے بہت مزے اڑائے لیکن آخرکار نئے چاند کی طرح ہم جھک کر رہ گئے۔

محمد بن تغلق اپنی تمام خوبیوں کے باوجود ایک سخت گیر بادشاہ تھا جسکے نتیجہ میں وہ اپنے زمانے کے علماء فضلاء، شاعر اور مصنف کی نظر میں ایک جابر اور ظالم حکمراں سمجھا جاتا تھا وہ عوام کی معمولی خطاء پر انکو سخت سزا دیتا تھا۔ عصامی نے اپنی تصنیف میں اس کی جان لیوا سزاؤں کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے۔

ولیکن عجب بین کہ دوران ما — کہ دارد رھی طرفہ سلطان ما
نہ شیطان مرا او را مسلم شدہ — نہ اندر کتفھاش ماری زدہ
تھی دست شد مرد سرمایہ دار — بہ کشور چنین ظلم شد آشکار[۴]

عصامی معروف بہ فردوسی ہند'' فتوح السلاطین'' کا مصنف جسے ہندوستانی شاہنامہ کہا

---

۱ منتخب التواریخ: ص
۲ تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ: ص ۴۱۵
۳ ایضاً: ص ۴۱۵
نوٹ: یہ اشعار محمد بن تغلق نے حالت نزع میں موزوں کئے تھے۔
۴ فتو. ۶۰۷، ۴۳۳

جاتا ہے امیر خسرو کی مانند کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کے دور کے مورخین نے اپنی تصانیف میں عصامی اور اسکی مشہور زمانہ کتاب کا ذکر کیا ہے پروفیسر شعیب اعظمی صاحب نے ''خزینۂ گنج الٰہی'' کے حوالہ سے اپنی تصنیف میں عصامی کا پورا نام خواجہ عبدالملک عصامی تحریر کیا ہے۔ اسکا قلمی نام ''عصامی'' اسکے خاندانی نام سے ماخذ ہے عصامی کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۷۱۱ ھ / ۱۳۱۱ ء میں پیدا ہوا لیکن اسکی وفات کے متعلق معلوم نہیں ہوسکا کیونکہ وہ آخری وقت میں مکّہ معظمہ چلا گیا تھا اور اسکے بعد وہ واپس نہیں آیا۔

فتوح السلاطین عصامی کا ایک ایسا زندہ جاوید کارنامہ ہے جس کی نظیر کہیں نظر نہیں آتی۔ فتوح السلاطین ہندوستان کی مسلم سیاسی تاریخ سے بحث کرتی ہے۔ محمود غزنوی کی ہندوستان آمد اور تغلق عہد کے مفصل حالات و واقعات اور علاء الدین بہمن شاہ کے سلسلے وار واقعات پر مشتمل ہے۔ عصامی نے بہمنی سلطنت کے بانی اور خاندان کا حال نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے عصامی نے عام شعراء کی طرح اپنے ممدوح اور سرپرست کی تعریف میں مبالغہ آمیزی کی ہے اور اپنے ممدوح سلطان علاء الدین کو دنیا کا عظیم بادشاہ کہا ہے۔ فتوح السلاطین تاریخی حیثیت سے نہایت مستحکم، مستند اور اہم ترین کتاب ہے۔ عصامی نے اپنے عہد کے تغلق بادشاہوں کا ذکر بڑے تلخ انداز میں کیا ہے۔ وہ محمد بن تغلق کی نہایت بدترین تصویر پیش کرتا ہے۔ کیونکہ اس کو اسی بادشاہ کے عہد میں لامحدود صعوبتیں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا دارالحکومت کی منتقلی کے موقع پر اس کے خاندان اور خاص کر اس کے ضعیف العمر دادا کو سفر کی جن اذیتوں اور دشواریوں سے گزرنا پڑا تھا۔ عصامی نے ان کو ان اشعار میں بیان کیا ہے:

نود سالہ آں پیر روشن ضمیر	ہمی بود در خانہ آرام گیر
لقب عزدیں داشت آں نیك مرد	ہمہ عمر از و کس شکایت نہ کرد
مراو را پدر بود صدر الکرام	کز و تازہ شد گلشن بو عصام
ظہیر ممالك یل نام جو	وکیل در شاہ فرزانہ خو
چون آن پیر فرخ عصامی نژاد	بہ حد نود سالگی سر نہاد
ابا خلق دہلی در آن روزگار	بروں کرد از دہلیش شہریار

چو خدامش از شهر بیرون کشید   نشسته به مهدی به تلپت رسید[۱]

تلپت ہندی لفظ کو کس خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔

اس کی تمام املاک بذریعہ حکومت ضبط کر لی گئی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ تغلق حکمراں سے سخت نالاں تھا اور محمد بن تغلق کو وہ ناشائستہ اور توہین آمیز الفاظ اور القاب سے یاد کرتا ہے۔

دو همنام درین مر غزار   بکردند کار خزان و بهار
گرش کرد محمود پور شباب   شد از پور تغلق سراسر خراب
محمد اگر هر دورا گشت نام   یکی از لیام است یکی از کرام
گر او کشت ریحان درین مر ز بوم   بر آورد دین جایی ریحان ز خوم
گر او هند تا آب دریا گرفت   شد از دست در عهد این ناگرفت[۲]

متقدمین کی پیروی کرتے ہوئے، عصامی نے فتوح السلاطین کی ابتداء، خدائے تعالیٰ کی حمد، رسولؐ کی نعت اور خلفاء کی منقبت، سے کی ہے۔ جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

جهان سر بسر از نو تا کهن   یکی قطره آمد ز دریائے کن
از آن قطره شد از سمك تا سماك   چو بد قطرهٔ آب یك ذرّه خاك
ازو ربع مسکون به قدر و قیاس   چه چیز است ای مرد ایزد شناس[۳]

عصامی گو نا گوں خصوصیات کا حامل شخص تھا اسکی تصنیف بے انتہا دلچسپی کی حامل ہے اسکا مطالعہ کرتے وقت قاری اپنے گرد و پیش سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور تاریخ کے طالبِ علم کے لئے اسکا مطالعہ اہم تاریخی معلومات کا بے بہا خزانہ فراہم کرتا ہے۔

عصامی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تاریخی واقعات نظم کرتے وقت حقائق سے منہ نہیں موڑتا جسکی وجہ سے اسکے بیان کردہ واقعات بڑی قدرو قیمت رکھتے ہیں۔ اسکی زبان پر اثر ہے اور اشعار دلچسپ اور رواں ہیں اپنے خیالات کے اظہار میں عصامی کو مہارت حاصل تھی۔

فتوح السلاطین شاہوں کا تذکرہ ہے اس میں خاندان تغلقیہ کے کارناموں اور فتوحات کو مفصل بیان کیا

---

۱ فتوح: ص ۴۳۱

۲ فتوح: ص ۲۳

۳ فتوح: ص ۷۷

گیا ہے عصامی کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ بادشاہ وقت سے ناراض اور خفا ہونے کے باوجود انکے کا رنامے اور بہادری کے واقعات کو نظم کرتا ہے۔ خاندانِ تغلق کے بانی نے جس جانفشانی، جدوجہد اور قربانی سے خسرو ملک کو شکست دے کر ملک کو اسکے ظلم وستم سے آزاد کرایا تھا، عصامی نے اس واقعہ کو بہت خوبصورتی اور عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

گزین کرد آن تغلق هوشیار　　ز افواج خود صدیل نامدار
بفرمود شان را که یکجا شوند　　خروشان پس قلب دشمن روند
درآیند از پس برآورده تیغ　　بر آنند بر دشمنان بی دریغ
بگویند درتیغ راندن نشان　　قلاع لماورد هر یك زبان[1]

عصامی کے نزدیک غیاث الدین تغلق کا پانچ سالہ دورِ حکومت امن اور استحکام کا دور تھا اسکی وفات کے بعد اسکا بیٹا محمد بن تغلق تخت پر بیٹھتا ہے اور اسکی برائی کرنے میں عصامی کوئی گنجائش نہیں رکھتا اور محمد بن تغلق کو وہ شیطان، ضحاک، قاہر، اور ظالم جیسے توہین آمیز خطاب سے نوازتا ہے کیونکہ یہی وہ بادشاہ تھا جسکی وجہ سے اسکے خانوادے کو ہر مشکل سے گزرنا پڑا۔

عصامی بزرگوں اور صوفیوں کا بہت احترام کرتا تھا اس نے اپنے زمانے کے متعدد بزرگوں کی شان میں قصیدہ سرائی بھی کی ہے۔ عصامی کے اشعار سے اسکے وطن پرست ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے اس نے ہندوستان کی تعریف میں بہت لطیف اشعار کہے ہیں۔ ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی کو ہندوستان کا دل کہا ہے جس نے ہر ملک کے لوگوں کو اپنے اندر پناہ دی ہے۔ روشنیوں کے اس شہر کی اہمیت وحیثیت ہر دور میں ممتاز اور اعلیٰ رہی ہے، اور یہ پررونق شہر ہمیشہ سفراء، سیاستدانوں، سیاحوں اور فاضلوں کا مرکز رہا ہے۔ عصامی نے دہلی کی اس شان وشوکت اور عظمت کو اپنے اشعار میں تسلیم کیا ہے۔

عصامی نے اپنی منظوم تاریخ میں اپنے عہد کی ہر اچھی اور بری اقدار کی منظر کشی کی ہے اسکے ذیل کے چند اشعار سے اس معاشرہ کی تصویر واضح ہوجاتی ہے۔

دریغا جهان جمله قلاب شد　　به بازارِ او صدق نایاب شد

---

[1] فتوح: ص ۳۷۷

همین یك سخن در جهان راست است — کز اهلِ سخن راستی خاسته است
کسی را که امروز جنبد زبان — همون هست بس ذو فنون زبان
به صد لا به یك حرفه حاصل کنند — به هر جمعی آن حرف لافی زنند
برانند از عربده باد را — به شاگردی آرند استاد را
کزان بوئ خرم شود جان من — بگردد دل خسته بستان من[1]

عصامی کی یہ تصنیف تغلق عہد کی تاریخی، تمدنی ، معاشرتی اورعلمی زندگی کی آئینہ دار ہے اس میں ہندوستان کی تعریف کے ساتھ ساتھ صوفیاء اکابرین کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ یہ منظوم مثنوی تغلق عہد کے علمی آثار کا بہترین نمونہ ہے۔



بدر چاچ محمد بن تغلق کے عہد کا مشہور و معروف اور اسکا درباری شاعر بدر چاچ تھا۔ جو اسکے دورِ حکومت میں تاشقند سے ہندوستان آیا لیکن کسی تذکرہ میں اسکے ہندوستان آنے کی قطعی تاریخ اور اسباب وعوامل کا مفصل طور پر بیان نہیں ملتا لیکن محمد بن تغلق کا درباری شاعر ہونے کا اعتراف ہر ایک تذکرہ نگار نے ضرور کیا ہے۔ بدر چاچ ایک مشکل پسند شاعر تھا اور اسی مشکل اور دقیق شاعری کے سبب سلطان سے ''فخر الزماں'' کا خطاب حاصل کیا تھا۔ بدر چاچ کے کلام اور خاص کر قلعہ نگر کوٹ کی فتح پر لکھے گئے قصیدہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محمد بن تغلق کے دربار سے سات سال(۱۳۳۷ء ۔۱۳۴۴ء) تک منسلک رہا۔

صاحب دیوان بدر چاچ غیر معمولی صلاحیت کا حامل شاعر تھا اور اس کوفن شاعری پر کامل دستگاہ حاصل تھی اس کی صلاحیتوں کا اظہار ذیل کے اشعار سے ہوتا ہے۔

ای رانده بر زبان مبارك هزار بار — که امروز همچو فخرزمان در جهان کجاست
مثلث زمین ندارد و بر روی آسمان — جز در شب چهارده او را نشان کجاست
بدر است باز در خور بدره هزار بار — کاندر زمان چو او به زمان درفشاں کجاست
چون بحر کامل است بهر فن به جویی فضل — از لفظ او لطیف تر آب روان کجا است

---

[1] فتوح: ص ۱۳۰

در اهتمـــام شـــرع مـــحـــمـــد بغيـــر او
مفتيي با صلاحيت و حيدر بيان كجا است

جزوی كه فخر نام وی از خاك ایں درست
يك نكته دان دين طلب شرع دان كجا است

آن را كـه بـادشـاه خـطـابـش چنين كند
سگ باشد لرز خويش پر سد كه جان كجااست[1]

عصامی کی طرح بدر چاچ نے بھی اپنے قصاید میں تاریخی واقعات نظم کئے ہیں۔ جو تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے دانشوروں کے لئے بے بہا خزانہ ثابت ہوسکتا ہے۔ جب محمد بن تغلق نے قلع نگرکوٹ فتح کیا تو بدر چاچ نے اس واقعہ کو اپنے قصیدہ میں اسطرح نظم کیا۔

کشاد حصن نگر کوٹ را که سنگین بود
شـه زمـانـه بـه تـاریخ ادخلوفیهـا

چه قلعه ایست که فرشی بود زرفعت او
فـضـایـی عـرصـه بـام رواق او ادنٰـی

بـرونِ اوهـمـه دیوانِ منـجینق انداز
درون اوهـمـه حوران آفتـاب لـقـا

چو بامِ چشم بلند است همچو مردمِ چشم
از آنِ سـواد وی آمـد میـانـهٔ دریـا

سگـان او هـمـه شیران آسمان بیشه
کسـان او هـمـه غولان اژدهـا سیمـا

کبـار او هـمـه جاموس کر گدن کردن
صـغـار او هـمـه طائوس عندلیب نوا[2]

پروفیسر شعیب اعظمی صاحب نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ محمد بن تغلق ایک نادر الوجود سلطان تھا اور بعض اوقات اسے خبطی بھی کہا جاتا ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ ایک باکردار بادشاہ تھا۔ بدر چاچ نے اپنے ایک قصیدہ میں سلطان کی ایک خوبصورت کنیز گل چہرہ کا ذکر کیا ہے۔ جسمیں اس کے حسن اور شہرت کا ذکر ہے اس کنیز کا ذکر دوسرے کسی مورخ اور شاعر نے نہیں کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بدر چاچ سلطان کی ذاتی زندگی سے کسقدر واقفیت رکھتا تھا۔ یہ کنیز فروخت ہونے والی تھی اور بدر اس حسین وجمیل کنیز کا شیدائی تھا اور اس کو خریدنا چاہتا تھا لیکن اس کی قیمت فروخت اسکے ذرائع آمدنی سے باہر تھی۔ جس کا وہ سخت افسوس کرتا ہے۔

بـه بـاغ مـلك ببینـم گلی بـه بار آمد
کـه پیش عـارض او ماه شرمسار آمد

کـمـنـد طرهٔ او بـر کـنـار لالـهٔ تـر
چـون سنبلی ست که از یاد بیقرار آمد

قـرار بیـعـه به صد حیله بست برنه صد
اگـرچـه قیـمـت آن ماه صد هزار آمد

---

[1] قصائد بدر: ص۲۲

[2] ایضاً: ص۲۹

هوایی وجه زرم رویی زرد کردچنان　　که نقد یمن روان گشت ودر کنا آمد[1]

بدر چاچ اپنی دقیق اور مشکل شاعری کیلئے بہت مشہور ہے اسکا سبب عجیب وغریب استعارات اور نادر تشبیہات ہیں وہ علم نجوم سے بھی خوب واقف تھا، یہی مشکل پسندی اس کے قصائد کی شان بڑھا دیتی ہے لیکن وہ ہمیشہ مشکل پسندی کی طرف مائل نہیں رہتا ہے۔ اس کے یہاں اس کی سہل پسندی کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ جسمیں بے حد سادہ، دلچسپ اور مؤثر تشبیہات اور استعارے استعمال کئے گئے ہیں۔

بدر چاچ نے تاریخی واقعات کو قلمبند کرنے اور شعری محاسن اور ترکیبات کی خوبی کے استعمال کے علاوہ اپنے محسن اور مربی محمد بن تغلق کی مدح میں بھی متعدد قصیدے نظم کئے ہیں ایک قصیدے میں بدر نے اپنے ممدوح سے عقیدت اور خدمت کا اظہار واضح طور پر بیان کیا ہے۔ ذیل میں اس قصیدے کے چند اشعار نمونے کے طور پر نقل کئے جاتے ہیں:

ای که در فحوایی منشورِ امام المومنین　　مبدا القاب تو سلطان اعظم آمده
نام خاصت بر زبان خاص و عام و شرق و غرب　　ازپس سلطان دین خالق دو عالم آمده
پیش بحر پنج شاخ درفشان دست تو　　هفت دریا کمتر ازیك قطره شبنم آمده
گوشه دهلیز دارالملك دهلی این زمان　　حاوی هستم رواق هفت طارم آمده
بزم تو باغ جنان ست و عدویی بدگهر　　سنگ آسا هیزم نارِ جهنم آمده
تابگردن درمیان زر نشیند چون نگین　　هر که پیشت بشت حلقه همچو خاتم آمده
خصم بی مهرت چو صبح کاذب جام نیست　　چون حباب اینك بقایی برسه یکدم آمده
تا به زیر هفت شوهر چارزن در جنبش اند　　کافرم گر مثل تو از نسل آدم آمده[2]

بدر نے قصاید کے علاوہ قطعات اور غزل میں بھی طبع آزمائی کی ہے اس نے قطعات میں بھی قصاید کی طرح تاریخی واقعات نظم کئے ہیں۔ علم نجوم سے واقفیت کے علاوہ بدر چاچ علم موسیقی سے بھی کافی متاثر تھا، اسی وجہ سے اس نے موسیقی پر بھی ایک قصیدہ نظم کیا، جسمیں موسیقی کے آلات و پرزوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

اس مختصر جائزہ سے ہم بخوبی یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ بدر تغلق عہد کا استاد اور مانا ہوا شاعر تھا اور وہ اپنی

۱۔ قصائد بدر: ص ۹۷

۲۔ ایضاً: ص ۳۹، ۳۸

شعری قابلیت اور فطانت کو ظاہر کرنے کے فن سے بہت اچھی طرح آگاہ تھا اس کے اشعار تاریخی واقعات کے آئینہ دار ہیں جن کے مطالعہ سے ہم اس دور کے تاریخی حالات بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

بدر اور فنِ شعر میں اس کی مہارت کا یہ مختصر جائزہ بدایونی کے اس قول کے ساتھ ختم کرتے ہیں جو بدر کی استادی کی ضمانت ہے:

"واز شعرائی مشهور سلطان محمد بدر شاشی مذکور است که شاهنامه بنامِ او گفته قریب سی هزار بیت منظوم است غنیمت است"۔[۱]



تغلق سلسلہ کا تیسرا حکمراں فیروز شاہ تغلق ہمہ گیر صفات کا مالک تھا اس نے اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کے ساتھ ساتھ اپنی ہمدردانہ طبیعت اور رحمدلی سے رعایا کا دل جیت کر ملک کی شورشوں اور بغاوتوں کا خاتمہ کیا۔ دوسری جانب شعراء وادبا کی سرپرستی کرکے اپنے علمی ذوق وشوق کا شاندار مظاہرہ بھی کیا۔ فیروز تغلق نے نہ صرف اچھی عمدہ کتابوں کا سنسکرت زبان سے فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا، بلکہ اُس نے خود بھی صنفِ شاعری میں طبع آزمائی کی اور فیروز تخلص اختیار کیا اور نہایت عمدہ غزلیں لکھیں۔ ذیل میں فیروز تغلق کے عہد اور اس کے درباری شاعر مطہر کڑہ کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مطہر کڑہ فیروز شاہ تغلق کا درباری شاعر تھا اسکے اپنے اشعار کے مطابق مطہر کی پیدائش ۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء میں ہوئی تھی عصامی کی مانند مطہر کے آباواجداد کا ذکر بھی بہت کم ملتا ہے لیکن مطہر کے مشہور اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے کا ثبوت انکے متعدد شعر سے ہوتا ہے۔

ترا خویش و فرزند و خیل و تبار فزون از هزارانـد گر بشمری[۲]

مطہر کو اپنے اعلیٰ خاندانی ہونے پر بہت ناز تھا جسکا اظہار انہوں نے اسطرح کیا ہے۔

من هم نشین شا هم وهم همنژاد خان من همدم امیرم وهم همسر وزیر[۳]

مرحمتهای فراوان شد و فرماں فرمود تا به حضرت رسی، آسوده به صد، استظهار[۴]

---

۱ منتخب التواریخ: ص ۲۰۱

۲ دیوانِ مطہر: ص ۱۵۴،۱۵۳

۳ ایضاً: ص ۱۱۲

۴ ایضاً: ص ۹۸

اس کے علاوہ مطہر نے فیروز شاہ کی مدح میں تقریباً پندرہ قصیدے قلمبند کیے جن میں فیروز کی شان عظمت اور بڑائی کے گن گائے ہیں اور اس کو دنیا بھر کے بادشاہوں، پہلوانوں، صلحا اور پیغمبروں تک کا مقام دے ڈالا۔

مطہر کے پہلے اور بڑے سر پرست عین الملک ملتانی تھے یہی وہ شخصیت تھی، جس نے مطہر کو نہ صرف دربارِ فیروزی میں پہنچانے میں مدد دی بلکہ درباری شعراء کی صف میں بھی شامل کرایا۔ مطہر کو فیروز شاہ کے دربار میں پہنچنے سے پہلے ہی شاعری کے میدان میں شہرت حاصل ہو چکی تھی اور فیروز کے تخت نشین ہونے سے قبل ہی قصیدہ لکھنے کا تجربہ ہو چکا تھا، مگر دربار میں اس کی رسائی نہیں ہو سکی تھی جس کا اظہار انہوں نے اسطرح کیا ہے۔

نی یار نی دیار نی آرام و نی مقام — نی مال و نی منال ونی نصاب ونی نصاب
گفتا چه شد ترا که در این دور خرمی — ماندی چنین حزین و نشستی چنین مصاب[۱]
عهد چنین مبارك و ملکی چنین لطیف — شاهی چنین کریم و ملوکی چنین مثاب
افزوده عدل و رونق و آسوده خاص و عام — خوشدل غریب و شهری و خشنود شیخ و شاب
زنهار در مقام تردد مدار دل — فرصت شمار وقت و غنیمت شمر شباب
بخت آزمائی کن و بنویس قصه ای — از جو دهد خدائی تعالیت فتح یاب
بر خیز این قصیده هم امروز کن تمام — فردا برو به حضرت سلطان کامیاب[۲]

مطہر نے فیروز شاہ کی ثنا خوانی کے علاوہ عین الملک ملتانی کی مدح بھی کی ہے اور تقریبا گیارہ قصیدے اسکی مدح میں نظم کئے ہیں اس کے علاوہ مطہر نے بیشتر بزرگ وصوفیاء کی شان میں قصیدہ سرائی کر کے ان سے اپنی عقیدت اور احترام کا ثبوت بھی دیا ہے۔ مطہر نے مشہور صوفی بزرگ حضرت نظام الدینؒ اولیاء کے مزار کی زیارت بھی کی تھی۔ مطہر خود نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید تھے اور انکے وصال پر ایک طویل مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار سے شیخ کی عظمت اور مطہر کی ان سے عقیدت معلوم ہوتی ہے۔

۱؎ قصائد بدر، مطاب

۲؎ ایضاً: ص ۱۰۹

دوش آن زمان که از افق مغرب شتا — خورشید خوانده سورة و النجم اذا هوی
شمع فلك زبانه فرو برد اندر آب — دور زمین نشانه بر آورد بر سما
گفتی مگر که یوسف خورشید شد به چاه — کز تیرگی چو دیدهٔ یعقوب شد هوا
والا نصیرِ ملت و دین و دول که هست — نعم النصیر از پس یزدان بدو سزا [۱]

مظہر نے صرف مریدی اختیار کرنے اور بزرگوں وصوفیاء حضرات کی قصیدہ سرائی پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کی بہت سی ایسی نظمیں اور بند ہیں جن سے انکے صوفیانہ خیالات اورصوفیاء کی تعلیمات پر عمل ظاہر ہوتا ہے انہوں نے تمام دنیاوی علایق پرقلندری کو فوقیت دی کیونکہ قلندری کی شان اور بے نیازی کا جلوہ مظہر کے اشعار اور قطعات میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

مجرد شود از دین و دنیا قلندر — که راه حقیقی است زین هر دو برتر
جهان چیست دانی، به نزدیك مردان — طلسمات ابلیس پر شور و پر شر
به ظاهر عمارت به باطن خرابی — قبایی جهان را نیا بی تو استر
به آبیست زنده به بادیست قائم — چه برباد تکیه چه برآب پیکر
زنی بی وفائیست مکاره گیتی — بیندپیش تا چند کشته است شوهر [۳]

مظہر کی شخصیت صحیح معنوں میں قلندرانہ شان کی مظہر تھی اس فانی دنیا کا حال اُن سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک قلندری تمام چیزوں سے افضل اور بہتر ہے۔

عجب طایفه در خرابات عشق است — نه ملحد نه ترسا، نه مومن نه کافر
بسازند دوزخ ز سوزِ دلِ ایشان — در آرند شان را به خلد برین گر [۴]

انکے نزدیک قلندر سوائے خدا تعالیٰ کی طلب کے کسی اور ذات کا طالب نہیں ہوتا۔

نخواهند حور و نه خواهند غلمان — نخواهند تخت و نخواهند افسر
یکی دان، یکی خوان، یکی گو یکی جوی — قلندر قلندر قلندر قلندر [۵]

عہد تغلق میں صوفیانہ افکار اور وحدت الوجود کا اثر بہت زیادہ تھا مظہر، کے یہاں یہ تمام افکار اور

۱؎ اس مرثیہ کو قصیدے کی صف میں شامل کیا گیا ہے۔
۲؎ دیوانِ مظہر: ص ا
۳؎ ایضاً: ص ۱۱۹
۴؎ ایضاً: ص ۱۱۷

خیالات بکثرت موجود ہیں۔

مطہر نے طویل زندگی پائی تھی اور ان کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب مطہر دنیا سے ترک تعلق کر کے گوشۂ تنہائی کے خواہشمند نظر آتے ہیں۔ مطہر نے نہایت خوبی کے ساتھ عہد تغلق کے واقعات، شخصیات، شہروں اور عمارتوں کی منظر کشی اپنے اشعار کے ذریعہ کی ہے۔ جس سے ان کے باکمال اور باصلاحیت ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے مطہر کو اپنے خیالات بیان کرنے پر قدرت حاصل تھی انکا مشاہدہ، تجربہ، الفاظ کی شیرینی اور ترکیبات کا استعمال قابلِ توجہ ہے ان کی تشبیہات بہت پر اثر اور خوبصورت ہوتی ہیں۔

مطہر نے متقدمین کی پیروی بھی کی ہے خاص کر ان کے قصاید منوچہری کے قصاید کی یاد دلاتے ہیں مطہر کو اپنی ترکیبات کے استعمال اور اپنے اشعار کی تاثیر اور قبولیت پر بہت فخر تھا جسکی وجہ سے وہ اپنا مقابلہ سعدی، خاقانی اور انوری کے ساتھ کرتے ہیں۔

هم الفاظ خاقانیم در بلندی   هم آواز سعدی به شیرین بیانی

بنده کمتر مطهر را به مدح آستانت   فیض خاقانی و ذهن انوری پیوسته باد[1]

مذکورالذکر نامور شعراء کے علاوہ ساتویں آٹھویں ہجری میں اور بھی بہت سے صوفی شعراء گذرے ہیں جنھوں نے اس دور کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا اور ان تمام واقعات و حالات کو اپنے اشعار میں بیان کیا۔ جنھوں نے اپنے روحانی اور جانفزا صوفیانہ کلام کے ذریعہ شاعری کو ایک نیا رخ عطا کیا ان شعراء کا کلام اب دیوان کی شکل میں شائع ہو چکا ہے اور ان کے کلام کا یہ قیمتی خزانہ نہ صرف مولانا آزاد لائبریری بلکہ ہندوستان کے کئی بڑے کتب خانوں میں موجود ہے۔

اس باب میں ہم نے جن شعراء کا ذکر کیا ہے وہ سب اپنے عہد میں اپنے کلام کی مقبولیت کی بدولت اعلیٰ مقام اور شہرت حاصل کر چکے تھے، لیکن تغلق عہد میں کچھ ایسے شعراء بھی گذرے ہیں جنھوں نے بادشاہِ وقت کی مدح خوانی تو کی لیکن ان کو وہ مقبولیت اور شہرت حاصل نہیں ہو سکی جن کے وہ حقدار تھے۔ کچھ ایسے شعراء بھی تھے جنھوں نے کسی سلطان کی مدح سرائی نہیں کی بلکہ دربار سے باہر رہ کر ہی

---

[1] دیوانِ مطہر: ص ۲۱۴

فارسی شاعری میں کمال حاصل کیا لیکن اپنے عہد میں اپنے کلام کی مقبولیت کا شہرہ نہیں سن سکے۔ یہی وجہ تھی کہ اس عہد کے بیشتر شعراء اپنے عہد سے بیزار تھے اورصرف یہی نہیں بلکہ تمام تذکرہ نگاروں نے بھی انکے کلام اور انکے حالات سے چشم پوشی کی اور انکے کلام کو قابل اعتنا نہ جان کر فارسی شاعری کو چند اہم اور باکمال شعراء کے نام سے محروم کردیا اور انکی شاعری کا بیش قیمت خزانہ صفحہ قرطاس پرنہیں آسکا آئندہ باب میں ہم ان غیر معروف لیکن باصلاحیت اور استادشعراء کا مفصل حال اور کلام پیش کریں گے جو عہد تغلق کی شان تھے اور جنہوں نے اپنے کلام کے ذریعہ فارسی شاعری کی جلتی ہوئی شمع کومزید روشن کیا اور بنا کوئی فیض اور شہرت حاصل کئے اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔



محمد بن تغلق عہد کے غیر معروف فارسی شعراء

باب (سوم)

محمد بن تغلق عہد کے غیر معروف فارسی شعراء

عہد تغلق میں چند اہم اور معروف شعراء ایسے تھے جو اپنے کلام کی شیرینی اور فصاحت و بلاغت کے سبب آسمان ادب پر روشن ستاروں کی مانند جگمگائے اور نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی شہرت اور کامیابی نے انکی قدم بوسی کی اور صنف شاعری میں انکو وہی شہرت اور بلندی مقام حاصل ہوا جو ایران میں سعدیؔ، حافظؔ، انوریؔ اور خاقانی جیسے شعراء کو حاصل ہوا۔

ان نامور شعراء کے علاوہ اس دور میں کچھ ایسے غیر معروف شعراء بھی گذرے ہیں جنہوں نے شاہانِ وقت کی ثنا خوانی بھی کی اور جنگوں میں انکے ہم رکاب بھی ہوئے اور ان حکمرانوں نے اُن سے خوش ہو کر داد و دہش کے در انکے لئے وا کر دیئے، لیکن ان تمام شعراء کو وہ مقام، وہ شہرت اور نام حاصل نہیں ہو سکا جنکے وہ حقدار تھے۔ ان شعراء کو فنِ شعر میں ایسی دستگاہ حاصل تھی کہ انکی استادی کا اعتراف خود عہدِ تغلق کے مشہور شعراء نے کیا۔ ان میں بعض ایسے شاعر بھی گذرے ہیں جنہوں نے متقدمین کی پیروی کرتے ہوئے پورے پورے قصیدے نظم کئے ہیں۔ مغیث الدین ہانسوی نے ظہیر، نظامی گنجوی اور حسن سجزی کی تقلید میں اپنے بیشتر قصاید نظم کئے اور اپنے ان قصاید پر وہ فخر و انبساط محسوس کرتا ہے۔ اس عہد میں مستزاد نظمیں بھی لکھی گئیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مستزاد نظم کا رواج ہندوستان میں کافی پرانا ہے۔

ہم تغلق عہد کے جن نہ معلوم شعراء کا کلام حاصل کر سکے ہیں اس قیمتی سرمایا کا زیادہ تر حصّہ سیف جام ہروی کی قدیم بیاض مجموعہ لطائف وسفینۂ ظرائف کی مدد سے حاصل ہوا۔ اس بیاض کے علاوہ ان تمام غیر معروف شعراء کا کلام خلاصۃ الاشعار، منتخب التواریخ میں درج ہے۔ فاضل استاد پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اسی بیاض کی مدد سے تغلق عہد کے چند شعراء کو اپنے مختلف مقالات کے ذریعہ جو رسالہ ''فکر و نظر'' اور ''انڈو ایرانیکا'' میں شائع ہوئے متعارف کرایا۔

تغلق سلاطین صرف حکمرانی کی حد تک محدود نہیں تھے بلکہ اُنہوں نے مذہب کی تبلیغ و

اشاعت، لوگوں کی فلاح و بہبود اور مسلمانوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے لئے جگہ جگہ مدارس قائم کئے۔ اُن مدارس میں دور دراز کے شہروں اور ممالک سے طالب علم، علم کے حصول کے لئے آتے تھے۔ مدارس کے اندر ہی طالب علموں کے لئے رہائش کا انتظام تھا اور تمام طالبعلموں کو وظیفہ بھی دیا جاتا مدارس کے تمام اخراجات حکومتِ وقت برداشت کرتی تھی۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے تمام صنفِ ادب کی بھی خدمت کی۔

غیاث الدین کو اپنے چار سالہ دورِ حکومت میں ملک میں برپا بغاوتوں کو ختم کرنے کے بعد یہ موقع فراہم نہ ہوسکا کہ ادب کی جانب متوجہ ہو کر اپنا نام بھی محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق جیسے ادب پرور بادشاہ کی فہرست میں شامل کرسکتا۔ پھر بھی اس نے امیر خسرو جیسی باکمال شخصیت کو جو ادب و احترام دیا اسکی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔

اگر چہ محمد بن تغلق سلاطین دہلی کا ایک کامیاب حکمراں، عالم و فاضل اور بہادُر جنرل تھا۔ لیکن اکثر مورخین نے اسکی ذات کے تاریک پہلوؤں کو اُجاگر کر کے اسکو ایک ظالم اور جابر حکمراں کی حیثیت سے بھی متعارف کرایا ہے۔ اسکی سخت سزاؤں کی وجہ سے اسکو نہ صرف ضحاک اور کافر جیسے توہین آمیز القاب والفاظ سے نوازا گیا بلکہ جب وہ تخت نشیں ہوا تو اس پر پدرکش کا الزام بھی عاید کیا گیا۔ لیکن اگر اسکی شخصیت پر لگے تمام الزام کو نظر انداز کر کے ایمانداری کے ساتھ اسکی ذات کا محاسبہ کیا جائے تو وہ ایک کامیاب حکمراں، ادب دوست وادب پرور بادشاہ اور اپنے زمانے کا ایک جید عالم نظر آتا ہے۔ اسکی داد و دہش کی شہرت نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی زبان زد عام تھی۔ دور دراز کے علماء، فضلاء اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین اسکے دربار میں آکر جمع ہو گئے تھے اور اسکا دربار مختلف علم و ہنر کی آماجگاہ ہو گیا تھا۔ شعراء اور ادباء کو عطیات سے نوازنے میں اسکا کوئی ثانی نہ تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اسکو اپنے عہد کے ایک گمنام شاعر اختسان الدین کے اشعار اس حد تک پسند آئے کہ اس سے خوش ہو کر شاعر کو ۶۰ گھوڑے اور ۶۰ ہزار دینار سے نوازا تھا۔ شعر دوستی کا یہ عالم تھا کہ اگر اسکو کسی شاعر کا کوئی شعر بے حد پسند آتا تو شاعر کو اجازت ہوتی کہ وہ شاہی خزانے میں داخل ہو کر جس قدر مال وزر لینا چاہے لے سکتا تھا۔ اس نے صرف سرپرستی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اُسکو فنِ شعر کی باریکیوں اور اسکی گہرائیوں سے بھی آگاہی حاصل تھی۔ وہ خود بھی شعر موزوں کرتا تھا۔ اسکے بیشتر اشعار گذشتہ صفحات میں درج کئے جاچکے ہیں۔

چونکہ محمد بن تغلق خود ایک زبردست عالم تھا اور اسکو مروجہ علوم پر قدرت حاصل تھی لہٰذا اس

نے اپنے دربار میں علماء، فضلاء اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر بھی پڑھے لکھے باشعور اور ذی ہوش لوگوں کا تقرر کیا۔ وہ اپنے دربار میں فضلاء، ادباء اور مفکرین کی محفل منعقد کرنے کا حکم دیتا جہاں دنیا کے تمام علم و ہنر پر بحث ومباحثہ کیا جاتا۔ سلطان خود مریضوں کا علاج بھی کرتا تھا اور اطباء سے ان کے مرض کی تشخیص کے لئے تبادلۂ خیال کرتا۔

تغلق حکمرانوں نے اگر ایک طرف علمیت سے اپنی دلچسپی ظاہر کی تو دوسری طرف انکے امراء اور وزراء نے بھی بادشاہِ وقت کی پیروی کرتے ہوئے شعراء کو نواز کر نہ صرف اپنے علم دوست ہونے کا ثبوت پیش کیا بلکہ ہنرمند لوگوں کے مشکل وقت میں کام آ کر انکی ہمت افزائی کی اور انعام واکرام دے کر انکو سخت آزمائش سے عہدہ برآ ہونے میں مدد کی۔ یہی سبب ہے کہ اُس عہد کے بہت سے غیر معروف اور گمنام شعراء نے بادشاہِ وقت کو نظر انداز کر کے اسکے امراء اور وزراء مثلاً حسام الدین، رکن الحق اور عز الدولہ جیسی شخصیات کی شان میں مدح سرائی کر کے انکی سرپرستی کا حق ادا کرنے کی کوششیں کیں۔

تغلق سلاطین نے اگرچہ فارسی ادبیات کی خدمات میں اہم کردار ادا کیا، لیکن اس دور کے فارسی ادب بالخصوص فارسی شاعری کے سلسلہ میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ مشہور شعراء کے علاوہ دیگر شعراء جنہوں نے اس عہد کے اراکین سلطنت کی مدح سرائی کی اُنکے حالات زندگی سے متعارف کرانے کے سلسلہ میں ہندوستان کی تقریباً تمام تاریخی کتب اور تذکرے خاموش ہیں۔ صرف انکے کلام کے چند نمونے مجموعۂ لطایف وسفینۂ ظرایف خلاصۃ الاشعار اور منتخب التواریخ میں درج ہیں۔ ان تذکروں کے علاوہ جناب نذیر احمد صاحب کے مقالوں کے ذریعہ جو بھی اطلاع حاصل ہوسکیں اُن تمام معلومات کو اس باب میں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آئندہ صفحات میں عہد تغلق کے اُن تمام غیر معروف شعراء کے حالات اور کلام پیش کیا جائے گا۔ جنہیں وہ مقام اور مرتبہ نہ صرف اپنی حیات بلکہ اپنے بعد آنیوالے زمانے میں بھی حاصل نہ ہوسکا جسکے وہ حقدار تھے۔

مغیث الدین ہانسوی

علوم وفنون کا عظیم گہوارہ خاک ہند غزنوی دور سے فارسی زبان وادب کا اہم مرکز رہا ہے اس زبان نے ہندوستان پر تقریباً چھ سو سال تک اپنا تسلط قائم رکھا جسکا اثر براہِ راست مذہب، معاشرت، علم وادب اور

سیاست پر پڑا۔ ہر جگہ یہی زبان خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنی۔ جب اس زبان کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہوا تو عوام پر بھی لازمی طور پر اسکا اثر پڑا اور اُنہوں نے بھی اس زبان کو نہ صرف سیکھا بلکہ اس میں مہارت بھی حاصل کی اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے فارسی شعراء، ادباء، علماء وفضلا پیدا ہوئے جس کی وجہ سے ہندوستان کے متعدد صوبے جیسے ملتان، لاہور، اودھ، کشمیر، جے پور اور پنجاب علم وادب کا اہم مرکز بن گئے۔ ان تمام خطّوں میں بڑے بڑے دانشور، علماء، فضلا، شعراء وادباء، صوفیا کرام اور مورخین پیدا ہوئے جنھوں نے نہ صرف اپنے صوبے یا شہر کا نام بلکہ ہندوستان کا نام بھی روشن کیا۔ علم وادب کے ان مراکز میں پنجاب کے شہر ہریانہ کا ایک قصبہ ہانسی کو تاریخی اعتبار سے سرزمین ہند کا ایک مردم خیز خطّہ کا شرف حاصل رہا ہے جہاں ماہرین علوم وفنون نے اہم کارنامے یادگار چھوڑے انکے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہیں نہ صرف فارسی زبان سے آگاہی حاصل تھی بلکہ وہ اس زبان پر استادانہ قدرت رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے درنایاب بھی تھے۔ ہانسی کی خاک سے جو گوہر نایاب پیدا ہوئے ان میں شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ نورالدین ہانسوی، مولانا قطب الدین منور ہانسوی، احمد بن محمد ہانسوی، خواجہ عبدالکبیر پانی پتی، جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی اور الطاف حسین حالی کے نام سرفہرست نظر آتے ہیں لیکن ان معروف ہستیوں کے علاوہ ایک گمنام اور غیر معروف شخصیت مغیث الدین ہانسوی کا تعلق بھی اسی مردم خیز خطّہ سے تھا۔

مغیث الدین ہانسوی عہدِ تغلق کے اُن غیر معروف شعرا میں سے ایک ہیں جنکا کلام مجموعۂ لطایف سے دستیاب ہوتا ہے۔ چند نا معلوم اسباب وعوامل کے باعث مغیث اور انکے کلام کے متعلق اکثر تذکرے خاموش ہیں۔ تذکروں میں ہفت اقلیم امین احمد رازی اور تاریخوں میں تاریخی فیروز شاہی ضیاء الدین برنی، منتخب التواریخ بدایونی، اور عہدِ جدید کے مورخ محمد حبیب اور خلیق احمد نظامی کے سوا اُن کا ذکر کسی تذکرہ نگار اور تاریخ نگار نے نہیں کیا ہے۔

شرح مخزن اسرار اور بحر الفضائل کے مصنف محمد بن قوام الدین بن رستم بن احمد بن محمود بدر خزانۃ البلخی معروف بہ کریمی نے اپنی تصنیف میں مغیث کو ''افضل العصر'' کے خطاب سے نوازتے ہوئے ''در ین عصر بی نظیر'' اور صاحب بدایع الحکایات قرار دیتا ہے اور حسبِ ذیل عبارت میں انکی تعریف کرتا ہے:

''بعضی مثنویهات از آنهاست که هر چند دقت معانی

آن بـه تـفـحـص و تـصـنـع در غربال فكر چفته اند معنى
ديـگـر ازآن دقيق تر روي نمايد بلكه اشكال ديگر پيش
آيـد كـه اصـلاح آن جـزبه تكلف و تسامح ممكن نبود
چـنـانـكـه غـواص لآلـى نـظم و نثر افضل العصر مولانا
مـغيـث الدين هانسوى كه درين علم و فضل بى بديل و
بى نظير بوده دربد ائع الحكايات شگفته"۔[1]

بلخی کے اس بیان کے سلسلہ میں جناب مولوی امتیاز علی خاں صاحب عرشی، ناظم کتابخانہ رامپور اپنے ایک مضمون بنام "ظہور الاسرار نامی اور مطہر کڑہ" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"اس عبارت کی تصحیح میں مطبوعہ اور قلمی دونوں نسخوں سے کام لیا ہے۔ یہاں اس امر کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مطبوعہ میں شاعر کا نام مولنا معین الدین ہانسوی اور کتاب کا نام بدیع الحکایات درج ہے اور پانچویں شعر میں تصفح کے بجائے تفحص لکھا گیا ہے"۔[2]

صاحب بحر الفضائل قوام الدین نے اپنی تصنیف میں اپنے ہم عصر اور آٹھویں صدی کے جن شعرا کا ذکر کیا ہے ان میں مولانا مغیث الدین ہانسوی، مطہر کڑا، ضیاء الدین نخشی، ملک احمد پسر امیر خسرو، مولانا خواجگی اور حمید قلندر کے علاوہ کسی معین الدین ہانسوی نامی شاعر کا ذکر نہیں ملتا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدائع الحکایات کا مصنف عہد تغلق کا گمنام مگر صاحب کلام شاعر مغیث الدین ہانسوی ہی ہے اور مطبوعہ بدیع الحکایات میں درج معین الدین نام کتابت کی غلطی ہے۔[3]

مولانا عرشی اپنے مضمون میں مغیث الدین اور انکے معاصر صوفی بزرگ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"ایک دن محفل سماع میں قوال سے مندرجہ ذیل شعر سن کر شیخ صاحب پر وجد طاری ہوگیا:

جـفابر عاشقان گفتى نخواهم كرد، هم كردى
قلم بربيدلان گفتى نخواهم راند، هم راندى

---

[1] انڈوایرانیکا: ص۴۴

[2] معارف: ص ۴۵ نمبر ا جلد ۴۸ جولائی اگست ۱۹۴۱ء۔

[3] تفصیل کے لئے دیکھیے معارف جولائی، اگست ۱۹۴۱۔

مولانا مغیث کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے ایک رسالہ تحریر کیا جسمیں درج بالا شعر کے مطلب سے بحث کی اور اس بات پر اعتراض کیا کہ شیخ نے اس لغو شعر پر سر دُھنا''۔[۱]

شیخ محدث دہلوی[۲] نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور تذکرہ ''مصنفین دہلی'' میں مغیث کے علمی تبحر اور فضیلت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''ودرهمان جز و زمان (عهد فیروز شاه تغلق مراد هے) مغیث الدین هانسوی نیز شخصی بود که به عالم فضیلتِ نسبتی داشت، در بیان صنائع و بدائع رساله دارد، امامشهور نیست، و ذکر ازین مرد نیز در ذکر شیخ نصیر الدینؒ محمود رفته است''۔[۳]

مفتی غلام سرور لاہوری نے بھی اس واقعہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔[۴]

صاحب ہفت اقلیم امین احمد رازی نے اپنے تذکرے کے اقلیم سوم میں پنجاب کے ایک شہر ہانسی اور شیخ جمال الدین خطیب کا ذکر کرتے ہوئے مغیث کا ذکر ذیل کی انتہائی مختصر عبارت میں کیا ہے اور ذیل کے تین اشعار درج کئے ہیں:

''مولانا مغیث الدین از شعرائی مشهور است اگر چه احوالش به نظر نیامد اما شعرش بسیار مطالعه افتاد۔''

چاك کند گل بسی جیب به بستان حسن
چون تو گلی گر، کشد ز گریباں حسن
مایدۂ لطف غیب، شد چو به گیتی فراز
جای نمکدان نشست روی تو بر خوان حسن
مملکت دلبری محبتی اوّل نداشت
داد نگنیش کنون لعل تو از کان حسن[۵]

---

۱ معارف: ص ۴۵
۲ اخبار الاخیار: ص ۹۳ مطبع احمدی، دہلی، ۱۲۷۰ھ
۳ تذکرۂ مصنفین دہلی: ص ۱۸
۴ تفصیل کے لئے دیکھیے خزینۃ الاصفیا: ص ۳۴۳
۵ ہفت اقلیم: ص ۳۸۵

ضیاءالدین برنی نے بھی اپنی تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں مغیث الدین کا ذکر کیا ہے اور اسکو عہد خلجی کا قاضی قرار دیا ہے۔لیکن برنی غالباً کسی غلط فہمی کا شکار ہے اور اسکی غلط فہمی کی تصدیق درج ذیل امور سے روشن ہوتی ہے:

۱۔ خلجی عہد کا آخری حکمراں علاءالدین خلجی کی وفات ۶ شوال ۷۱۵ھ (۴ جنوری ۱۳۱۶ء) میں واقع ہوئی۔

۲۔ عہد تغلق کا شاعر مغیث الدین خود اپنے درج ذیل شعر میں یہ کہتا ہے کہ محمد بن تغلق کے دورِ حکومت میں وہ صرف ایک ۲۳ سالہ نوجوان تھا۔

سنہ بیست و ہفت و ہفصد کہ بیست و سہ رسیدم
ز دم ازین قصیدہ بہ شگوفۂ جوانی

مذکورہ بالا شعر کے مطابق اسکی سالِ ولادت ۷۰۴ھ نکلتی ہے۔

علاءالدین کی تاریخ وفات ۷۱۵ء اور مغیث الدین ہانسوی کی سال ولادت ۷۰۴ھ کو درست سمجھا جائے تو علاءالدین کی وفات کے وقت مغیث کی عمر صرف ۱۱ سال ہوتی ہے اور ایک کمسن بچہ کسی بادشاہ یا کسی امیر اور وزیر کی مدح سرائی نہیں کرسکتا۔لہٰذا یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ برنی نے جس مغیث الدین کا ذکر کیا ہے وہ عہد خلجی میں بیانہ میں قاضی کے عہدے پر فائز تھے نہ کہ عہد تغلق کے مغیث الدین ہانسوی۔[۱]

برنی کی طرح مولانا حکیم عبدالحیٔ[۲] بھی اخبارالاخیار کے حوالہ سے مغیث کو عہد علائی (فیروز شاہ خلجی) کا شاعر قرار دیتے ہیں لیکن انکا یہ بیان درست نہیں اخبارالاخیار میں مغیث کا ذکر فیروز کے درباری شاعر مطہر کڑہ کے بعد آتا ہے اخبارالاخیار میں فیروز کے ذکر کو غالباً عبدالحیٔ نے فیروز تغلق کے بجائے فیروز خلجی سمجھا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مغیث محمد بن تغلق کے عہد کا شاعر تھا اور اسی بادشاہ اور اسکے امرا اور وزرا کی شان میں اسکے قصاید دستیاب ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مغیث نے فیروز شاہ کا دور بھی دیکھا ہو اور اسکی مدح بھی کی ہو لیکن اس بات کی تصدیق کے لئے کوئی مستند ثبوت حاصل نہیں ہوسکا جسکی وجہ سے مغیث کو محمد بن تغلق کے عہد کا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔

مغیث الدین (پ ۷۰۴/۱۳۰۶ء) پنجاب کے مشہور شہر ہانسی میں پیدا ہوئے اور اسی شہر کی مناسبت سے ''ہانسوی'' تخلص اختیار کیا۔محمد بن تغلق کی مدح میں نظم کئے گئے ایک قصیدے کے درج ذیل بیت کے مطابق وہ اس بادشاہ کے عہد میں اپنے شباب پر تھا اور اس وقت اسکی عمر ۲۳ سال تھی:

۱۔ جامع: ص ۵۱۷

۲۔ نزہتہ الخواطر: ص ۱۶۹

سنه بیست و هفت ، و هفصد که بیست و سه رسیدم

زدم ازین قصیده به شگوفۂ جوانی[۱]

اس بیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مغیث نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور سے ہی شاعری کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کے ایک قصیدہ میں بادشاہ کے ایک سکہ کے اجراء کا بھی ذکر ملتا ہے۔

یاد گار سکه ات چون زر عدد چون کیمیا

هست تا اکسیر عدلت از پی و جدان زر

مجموعہ میں مغیث کے ۸ قصاید درج ملتے ہیں۔ جن میں اس نے اپنے محسن اور سرپرست کی مدح کی ہے۔ شاعر کے اُن تمام مربی اور محسن کا ذکر پیش کیا جائے گا جنہوں نے مغیث کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی۔ جسکی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ **محمد بن تغلق** مغیث نے اس بادشاہ کی مدح میں دو قصیدے نظم کئے ہیں جسمیں ایک خطابیہ اور دوسرا بہاریہ ہے۔ مغیث کے موجودہ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہی دربار سے اسکی وابستگی تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی اگرچہ مغیث نے حکمرانِ وقت کی مدح سرائی تو ضرور کی ہے لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ اس نے سلطان کی تعریف میں صرف دو قصیدہ ہی کیوں نظم کئے اور آخر وہ کیا وجوہات تھیں کہ مغیث نے محمد بن تغلق جیسے ادب دوست حکمراں کو نظر انداز کر کے اسکے امراء اور وزراء کی تعریف میں قصیدے لکھے جبکہ مورخین کے مطابق اس نے شعرا کو قیمتی تحائف اور انعام و اکرام سے نواز کر ادب سے اپنی گہری دلچسپی اور لگاؤ کا اظہار کیا ہے۔

۲۔ **ملک اعظم حسام الدین** مغیث کے سرپرستوں میں ملک اعظم حسام الدین نامی ایک شخصیت بھی شامل ہے یہ حسام الدین کون تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے اس سلسلہ میں تاریخی کتب کوئی اطلاع فراہم نہیں کرتی البتہ تاریخی فیروز شاہی میں حسام الدین ابورجا کو عہد محمدی کی اہم شخصیات تسلیم کرتے ہوئے امیر اودھ قرار دیا ہے۔ جبکہ پروفیسر نذیر احمد صاحب اپنے مقالہ بنام "Three little known Persian Poets of the time of Muhammad Bin Tughlaq" میں منتخب التواریخ انگریزی ترجمہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

۱۔ انڈو ایرانیکا: ص ۳۰، ۱۹۶۵ء

"About Malik Husamu-d-Din we have no information He may be identical with Malik Husamu-d-Din Abu Rija mentioned in the Ta'rikhi-Firuz Shahi (P.455)' among the important Personalities of the time of Muhammad Bin Tughlaq. From the qasida we learn that he was perhaps the ruler of oudh but the historical works are silent about it".[1]

حسام الدین کی تعریف میں لکھے گئے قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مغیث کے اس سر پرست نے شاعر کی فلاح کے لئے بہت سے کام کئے اور اسکی مدد اور حوصلہ افزائی کی۔ مغیث کے علاوہ حسام الدین ملتانی نے فیروز کے درباری شاعری مطہر کڑہ کی بھی سر پرستی کی تھی اور مطہر نے بھی اسکی تعریف میں اشعار قلمبند کئے تھے۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسام الدین صرف ایک ادب دوست امیر ہی نہیں تھا بلکہ وہ عدل پرور اور انسان دوست شخص تھا۔ ذیل میں مغیث کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں جن میں شاعر نے حسام کی ادب دوستی اور سخاوت کے گن گائے ہیں:

مکرم گیهان ملك اعظم حسام الدین که ساخت

از هر اقطاع خود اندر مملکت دیگر بهشت

گر بهشت عدن ره یابد شبی در بزم او

پیش اور ریزد ز کوثر باده در ساغر بهشت

گر عدو تخم خلافی کشت از آنکه بر خورد

باغ زر تشی نشد از دانۂ کشمر بهشت

از فلك رضوان قریب آمد خطاب آن شعررا

نعمت جاوید هر بیتش بر گوهر بهشت

۳۔ **رکن الحق** مغیث کے تیسرے مربی اور محسن صدر رکن الحق ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، ادب شناس اور عدل پرور انسان تھے وہ اچھے خطیب اور مبلغ ہونے کی وجہ سے ''افصح الخطبا'' کے لقب سے بھی نوازے گئے تھے۔ جسکا اشارہ مغیث کے مندرجہ ذیل شعر میں ملتا ہے:

رکن الحق افصح الخطباء آنکه می کند

از لفظ خویش بر سر منبر نثار در

۱۔ انڈو ایرانیکا: ص ۳۱

رکن الحق کے سلسلہ میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوسکی ہیں۔تاریخ فیروز شاہی بھی مغیث کے اس ممدوح کے بارے میں کوئی خاص اطلاع فراہم نہیں کرسکی۔مغیث نے رکن الحق کی تعریف میں دو قصیدے لکھے ہیں۔جن میں ایک کی ردیف ''دُر'' اور دوسرے کی ردیف ''سنگ'' ہے مغیث نے امیر حسن دہلوی (م ۷۳۸ھ) کی پیروی میں ایک نظم لکھی جسمیں ''دُر'' کی ردیف کا التزام کیا گیا۔جیسا کہ مندرجہ ذیل شعر میں خود شاعر نے اسکا اعتراف کیا ہے:

لعل و گهر امیر حسن چون ردیف ساخت

کرد از نگاه داشت مغیث اختیار دُر

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امیر حسن کے کسی قصیدہ کی ردیف ''لعل و گہر'' تھی لیکن نہ صرف یہ کہ حسن کے دیوان بلکہ مجموعہ میں بھی اس ردیف کی کوئی نظم موجود نہیں۔البتہ ''در'' ردیف میں دیوان اور مجموعہ میں پانچ اشعار پر مشتمل صرف ایک نظم ملتی ہے۔

اگرچہ مغیث نے حسن دہلوی کا ذکر بطور قطعی نہیں کیا ہے لیکن امیر حسن سے مغیث کی مراد نامور صوفی شاعر حسن دہلوی حضرت نظام الدینؒ اولیا کے مرید امیر خسرو کے ہمعصر اور قریبی دوست کے علاوہ اور کوئی دوسری شخصیت مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر نہیں ہوسکتی۔

جن کو پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اپنے مقالہ میں پیش کئے ہیں:

۱۔ حسن دہلوی مغیث سے قبل شاعر گذرے ہیں اور کسی گذشتہ شاعر کی پیروی عین ممکنات میں سے ہے۔

۲۔ دیوان میں ''دُر'' ردیف کی نظم کی موجودگی بھی مغیث کی مراد حسن دہلوی کو ثابت کرتی ہے۔

۳۔ **ملک امیر الدین عین الملک** شاعر کے چوتھے ممدوح اودھ اور ظفر آباد کے گورنر امیر الدین عین الملک کی شخصیت ہے یہ وہ ہی عین الملک ہیں جنہوں نے مطہر کڑہ کی بھی سرپرستی کی تھی اور مطہر نے ان کی شان میں گیارہ قصاید نظم کئے تھے۔عین الملک وہ ہی شخصیت ہے جس نے بادشاہ کے خلاف نظام الدین کی بغاوت کو فرو کرنے میں مدد کی تھی لیکن دوسال بعد ہی اس نے خود بادشاہ سے بغاوت کی لیکن گرفتار ہوا اور کچھ ہی عرصے کے بعد رہا کردیا گیا۔[۱]

مطہر اور مغیث کے اس سرپرست اور ممدوح کو زندگی کے نشیب وفراز کا سامنا کرنا پڑا اور

---

۱ منتخب التواریخ: ص ۱۲۹

بالآخر نہ صرف غازی پور کے گورنر مقرر ہوئے بلکہ "ملک الشرق" اور عین ماہرو" کے خطاب سے سرفراز ہونے کے ساتھ ساتھ ظفر آباد کی حکومت کی باگ ڈور بھی ان ہی کے سپرد کی گئی۔[1]

جس طرح عین الملک نے مطہر اور مغیث کی سرپرستی کی اور انکی پریشانی اور مشکل وقت میں اُنکا ساتھ دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین الملک صرف ایک ادب پرور اور اعلیٰ افسر ہی نہیں تھے بلکہ رحم دلی اور انسانیت انکی شخصیت کا خاص حصہ تھی۔ شعیب اعظمی صاحب کے اس بیان سے جوانہوں نے اپنی تصنیف میں تحریر کیا ہے کہ "عین الملک زندگی کے مختلف دور سے گذر کر غازیپور کا گورنر مقرر ہوا"۔ یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عین الملک بھی زندگی کے مختلف دشوار گزار مراحل سے گذرے تھے اور شاید یہی وجہ انکے انسان کے دُکھ درد سے آشنا ہونے کی رہی ہوگی۔

مغیث نے اپنے اس ممدوح کی تعریف میں ایک التزامی قصیدہ نظم کیا جو انکے دستیاب قصاید میں موجود ہے۔ مغیث نے یہ قصیدہ ظہیر فاریابی کی تقلید میں نظم کیا تھا جیسا کہ خود مغیث کہتے ہیں:

به عشق بیت ظهیر آنك هست مصراعش
که هر چه بسته شود استوار بگشاید
مغیث ملتزم این ردیف گشت و منم
که یافت از سخنم اعتبار بگشاید

ظہیر فاریابی کی پیروی میں حمید نے بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن مغیث حمید قلندر سے قبل ظہیر کی اتباع میں قصیدہ لکھ چکے تھے۔

۴۔ **صدر جہاں کمال الدین** کی مدح میں بھی شاعر نے ۱۳ ابیات پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا تھا۔ ان کا شمار عہد تغلق کی اہم شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ صدر جہاں محمد بن تغلق کے زمانے میں قاضی القضاء کے عہدے پر معمور تھے۔ برنی اپنی تصنیف میں اسے صدرِ جہاں قاضی کمال الدین[2] لکھتا ہے۔

۵۔ مغیث کے آخری سرپرست اور ممدوح **عزالدولہ** تھے جنکو دہلی میں صدر الصدور کا عہدہ حاصل تھا۔ شاعر نے اپنے اس مربی کی شان میں تین قصیدے نظم کئے تھے۔ عزالدولہ بھی عہدِ تغلق کی علم دوست اور ادب پرور

۱۔ فارسی ادب بہ عہد السلاطین تغلق: ص ۱۳۴

۲۔ تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ: ص ۶۵۹

شخصیتوں میں شامل ہیں انہوں نے بھی بیک وقت عہدِ تغلق کے دو شعرا مغیث الدین اور مشہور شاعر جمال الدین استاجی کی سرپرستی کی تھی۔ ان کی مدح میں مغیث کے صرف تین قصیدے مجموعہ سے دستیاب ہو سکے ہیں۔

مغیث کا نام عہد تغلق کے ان خوش نصیب شعرا کی صف میں شامل ہے جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنی شہرت کا غلغلہ سنا۔ لیکن افسوس اسکے کلام کا بیشتر حصّہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکا جسکی وجہ سے وہ اپنے بعد آنیوالے زمانے میں وہ مقام اور مرتبہ حاصل نہیں کر سکے جو بدر چاچ، عصامی، امیر خسرو، حسن سجزی اور مطہر جیسے دیگر شعرا کر حاصل ہوا۔

غزلیات:-

عہد تغلق کے اس غیر معروف شاعر نے صرف بادشاہِ وقت وزرا اور امراء کی خوشنودی اور انعام و اکرام حاصل کرنے کی خاطر مدح خوانی نہیں کی بلکہ اس نے شاعری کی سب سے اہم اور مقبول صنف ''غزل'' میں بھی طبع آزمائی کی اور نہایت ہی کامیابی اور کمال کے ساتھ اس صنف کی وادی پر خار سے گزرے اور تمام تر مہارت اور استادی کے ساتھ استعارات، کنایات، تشبیہات اور دیگر صنعتوں کا انتہائی برجستہ اور برمحل استعمال کرتے ہوئے درحقیقت غزل گوئی کا حق ادا کر دیا۔

خصوصیات کلام:-

مغیث کا کلام غزلگوئی کے علاوہ شاعرانہ خصوصیات اور شعری محاسن کے لحاظ سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ ایک قصیدہ جسمیں بادشاہ کی مدح کے ضمن میں اسکے ایک سکہ کے اجرا کا ذکر ہے، تاریخی حیثیت کی بنا پر جو قابل توجہ ہو گیا ہے اس کے علاوہ تمام قصاید جو اس نے محمد بن تغلق کی مدح میں قلمبند کئے ہیں بہت ہی زیادہ سادہ، سپاٹ اور بے رنگ ہیں۔ جسمیں ایک قصیدہ خطابیہ ہے اسمیں تشبیب کا استعمال بھی نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرا قصیدہ بہاریہ ہے اسمیں شاعر نے دیگر شعرا کی مانند عام تشبیہوں جیسے غنچہ، گل، بنفشہ، چمن وغیرہ کا استعمال کیا ہے۔ جسکی وجہ سے وہ اپنا مقابلہ عربی و فارسی کے مشہور قصیدہ گو شعرا بحتری، متنبّی، فرزوق، سنائی عمعق وغیرہ سے کرتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

در وصف برنشسته، مصنوع تو عاجز

صد بحتری، صد متنبی وصد فرزوق

در نعت یکی بندۂ ناپاك تو الكن

صد همچو سنائی و دو صد اعشیٰ و عمعق

یہ قصاید مغیث کے شاہی دربار کی بابت ان خیالات کی عکاسی کرتے ہیں جو وہ اپنے دل ودماغ میں رکھتا ہے۔ اس نے قصاید اورغزلوں میں مروجہ پھلوں جیسے سیب، انگور، خربوزہ وغیرہ کا نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ انکی خوبیاں بھی بیان کی ہیں:

پیش سر سبزی عناب تر و شیر ینست

شد، سیه روي انگور، خضاب انگور

اس نے اپنے کلام میں صنایع وبدائع اور مبالغہ کا بھی بھرپور استعمال کیا ہے اوران کا یہ فن ان کی غزلیات اور قصاید میں نمایاں نظر آتا ہے۔

چاك كند بسی جیب به بستان حسن

چون تو گلی کی کشد سر ز گریبان حسن

ز آب و هوای بهشت یافته پرورش

نشکند از بهار، چون تو، گلستان حسن

مایدۂ لطف غیب شد، چو به گیتی فراز

جایی نمکدان تست رویی تو برخوان حسن

مصر ملاحت تویی یوسف جانی مرا

گرز نخدش کرده است در چه زندان حسن

مغیث نے صرف اپنے رنگ اور سبک میں ہی قصاید نظم نہیں کئے بلکہ اس نے متقدمین کی بھی پیروی کی ہے خاص کر نظامی گنجوی، حسن دہلوی اور ظہیر فاریابی کے قصاید کو مدنظر رکھ کر اس نے اپنے قصیدے نظم کئے ہیں جسکا اعتراف

وہ اپنے اشعار میں کرتا ہے۔

شاعر کے کلام کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قدرتی مناظر سے کس درجہ متاثر تھا اور سماجی اخلاقیات کی اسکی نظر میں کیا قدر و قیمت تھی۔

آیندہ صفات میں مغیث کا وہ تمام کلام جو تلاش و جستجو اور سخت کوششوں کے بعد دریافت ہوسکا ہے، نقل کیا گیا ہے:

در مدح سلطان محمد بن تغلق

[۱] صبحدم کزتاب خور گردد زمین میدان زر
شاه راگویی خور آید در خم چو گان زر
آن محمد شاه بن تغلق شه غازی که گشت
از زرا فشانیش میدان زمین میدان زر
از زرا فشانیت[۲] برده خاك بیزان گنجها
ساختی از مشرق و مغرب زمین راکان زر
خصم ننهد دل به تیغت باچنان آبِ گهر
کارد نتوان در شکم زد گرچه باشد از آن زر
بس که می غلطد میان زرکش افشاندی به خاك
پوست هم برپشت حیوان میشود کیسانِ زر
آنکه شان بهردرم صد خم زدندی پشت را
بین، کمر بگرفته ازبار بسي همیان زر
در گلستان جهان از زر دمانیدی سمن
تازه کردی باغ عالم از گل خندانِ زر

۱۔ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۴

۲۔ اس شعر میں شاعر نے لفظ ''افشانیت'' کا استعمال کیا ہے جب کہ محترم استاد نذیر احمد صاحب نے ''افشانیش'' کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن اگر غور کے ساتھ اس شعر کو پڑھیں تو افشانیت ہی عبارت کے اعتبار سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔

خلـق سنگ وزن مـوزونـات از زر کرده اند
اینك اینك از تـو بشکست این چنین میزان زر
مــی شــود ادرا ریـان را قـرصــه هــای زر ادا
زیـن بیـاسـایـش که خلقی راخو رانی نانِ زر
کـرده ازنـون والـقـلـم نسخــه قضابر آفتاب
سکّـه تـو کــان زده بــرتـنکـهٔ رخشـانِ زر
مـدح تـو شـایـد کـه بنویسد به آب زر مغیث
ابــر دستــت در جهــان بـارید چو بـارانِ زر
خـواری چـون خـاك، فـرق دشـمنت رابر زمین
خــاك پــای بــنـده ات راعـزتـی بـرسـان زر
یاد گار سکه ات چون زر عدد چون کیمیا
هســت تــا اکسیر عدلـت ازپـی وجدانِ زر

☆☆☆

درمدح سلطان محمد بن تغلق

[۱]گشـاد با ز لب بسته غنچه در خنده — بر آمد از گل صد برگ خنده بر خنده
زنـد دهــان شـکـر خنده غنچهٔ شیرین — نـه، نبات چـمـن بـلکه بر شکر خنده
زخـنـده گـرچـه لالـه می شود تاریك — گشـایـدش بـه گـه صبح بیشتر خنده
زچشـم گل که چکانست قطرهٔ شبنم — تو گویی آبِ روان شد ز دیده در خنده
زبس که خاصیت زعفران گرفت سمن — به بـاغ نیست، به هر جانبی مگر خنده
دهان غنچه از آن گشت پر گهر زسحاب — کـه ریـزد از دهنش در بسی بهر خنده

---

۱ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۴ .

بنفشه کوژ شده، زد چولاف رعنایی — بسی زدند گل و لاله یکدگر خنده
نباشد گه از آن کافتدش رسن به گلو — کند سمن را از بس که بی خبر خنده
زند چو قهقه درباغ، کبك معذورند — گرفت در همه گلهای باغ اگر خنده
شجر ز تازگیی خود زند چولاف به باغ — بگوچسان نزند غنچه بر شجر خنده
سزد بخندد اگر بربهشت گل اکنون — چو زد به حسن شهنشاه دادگر خنده
خلیفه ابن خلیفه محمد آنکه زند — کفش بر اَبر بباریدن گهر خنده
شهی، که هست همه نزهت و طرب جشنش — بدان صفت که گلِ تازه سر بسر خنده
ز رخش خنجر او محو گشت ظلمت کفر — بلی نماند شب، کرد چون سحر خنده
دریتیم شد از جود او چنان بی آب — که کرد گوهر کان در دل حجر خنده
ایا شهی که چو شمشیر برکشی ز نیام — کند زبیم مگر این برق بر شرر خنده
قمر بر[1] ابر این درنهد چو خرگه خویش — بگو چسان نزند صبح بر قمر خنده
چو پیش تیغ تو خواهد که خوجهان گیرد — به صبح گیرد، پیش ازطلوع خورخنده
به عجز پیش تو دندان کشد فلك ز نجوم — ترا نماید باآنکه در نظر خنده
از فرمدح تو تا این ردیف چابك من — زندبر اهل سخن دایم ازهنر خنده
همیشه تاکه بود در سحاب گریه به دهر — همیشه تاکه کند برق رعدو ر خنده

به یادِ تیغ تو از خوف، خصم در گریه
بیاد شمع تو از نور، بخت در خنده

☆☆☆

---

۱ کذا

درمدح حسام‌الدین

[۱] حور ازآنی توکه بی شبه در آیی دربهشت
ورنه مومن رانماید بی تو مستنکربهشت
حور را درحسن بسیاری بیفزودی هنوز
گرز رضوان می شنیدی و صف آن، بنگر، بهشت
چوکنند حور امامت[۲] جلوه بهریك نظر
خاك پارضوان خورد افتاده پیش در بهشت
اهل دوزخ گربه دیدارت مشرف می شده
صد فضیلت داشته، هر دوزخی بر هر بهشت
دوزخی افروخت عشقت، کزبرای آن همه
تاشکیبد وز جمله ناشکیبا تر بهشت
گر مثل زآب حیاتی هم چوتو اگه شدی
حوروغلمان رابکردی غرق، در کوثر، بهشت
جنته الکافر[۳] مگر دنیا به جودی همچوتست
بی تو یاری هست سخن مومنا یکسر بهشت
چشم جادوی ترا باروی تو خویشی چراست
دور میدار ند چون مطلق زجادو گر بهشت
حور خواندی خویش راروزی و پیش مومنان
جلوه دادی حور رامنت نهادی بر بهشت

---

۱ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۴

۲ کذا

۳ کذا

مـــازرو در بـــادو گیتـــی خـــاك راهم كـرده ام
قـصـرهـا دارد اگـر از درو خشت زر بهشت
وصل او را گر به جانی می شود حاصل به جوی
حـاصـل کونین بفروش و بدان می خر بهشت
یـــابـــه رویـــت یـــابـــد و یـا بـر در میـر اوده
گر کسی خواهد که بیند هرچه هست اندر بهشت
مکرم گیهـان مـلك اعـظم حسام الدین که ساخت
ازهـر اقـطاع خود اندر مملکت دیگر بهشت
جـــاشـغـوری ابـن جـــا شغوری ملك دوشـاه
کـوز لشکر که پدید آرد به هر کشور بهشت
گـــر بهشـــت عـدن ره یـابـد شبی دربـزم او
پیـش او ریـزد ز کـوثر، باده، درساغر بهشت
بـر زمیـن نـازیـد چـرخ ازخـلد اختر چرخ را
بـزم اوبـنـمـود و گفت آنك دگر بهتر بهشت
در غـــزا تیـغ ثـواب الـفتـح و آتـــش بـــار او
هسـت آن دوزخ که باشد اندرو مضمر بهشت
دو لتش راعون حق بس چرخ اینجا عاجزاست
نیسـت مـحتاج سعادت بخشیی اختر بهشت
گـر بـردر رضـوان به سوی خلد نعل مرکبش
مـومـنـــان را آن نهـد فـردا بسـر افسر بهشت

گستـرانـد بـردرش گیسـوی خـود را ولیك
خـاك صـحـن خویشتن نپسندد از عنبر بهشت
گر عدو تخم خلافی کشت آز انکه بر خورد
بـاغ زرتشتیَ نشـد از دانـهٔ کشـمر بهشت
مـلك ازتـائیـد تیـغـش در نـعیـم سر مدست
یـافـت ازعـون مـلك ادریـس پیغامبر بهشت
دولـت اورا ز بـار اختـلافِ کـس چـه بـاك
در ریاض خود ضرر که بیند از صرصر بهشت
گـر بهشـت خـلـق او بـاهـمدگر طیبت کنند
در جـواب خـلقش آید عاجزو مضطر بهشت
مـکرما، شعر چنین که آنرا بهشت افتد ردیف
نـام آن دانـی چـه باشدلایق و در خور بهشت
ازفـلك رضوان قریب آمد، خطاب آن شعررا
نـعـمـت جـاویـد و هر بیتش پر گو هر بهشت
از مغیث آن شعرر امی خواست رضوان نسختی
تـابـا ادریـس نبـی تـحـفـه رساند در بهشت
گفتم اوّل بگذرد پیش کسی که مدح اوست
گـفـت تا آن روز خواهد گردنش ازبر بهشت
صـاحـبِ تـمیـز وبـی تـمیـز راگو زین مدیح
کـه ابـلهـا عـراق بیـن و عـارفـا بنگر بهشت

در سخا دستت قیامت کرد کو گیتی ببین
گر نمی افتد کسی را فی المثل یاور، بهشت
زیور تو گوهرت بر تاج شاها ن را سزاست
ز آنکه مستغنیٰ ست از آر ایش زیور، بهشتَ
خصم دجال و منافق شد دوبین ذات ترا
زآن نخواهد بود جای احول و اعور بهشت
خُلق تو طیبیست روح انگیز و بهر کیان[1]
باد در افزایش ازخلق تو تا محشر بهشت



رکن الحق افصح الخطبا

[2]ای کرده خندهٔ تو، ز لعل، آشکار دُر
در درج آن دو لعل نهفته مدار، دُر
از شرم لعل و لولوی تو بسکه کرد خوی
شد، باز آب در صدف گوشوار، دُر
در دیده بس که اب زد ندانت درر وار
آویخته بماند به هر گوشوار دُر
سر گشتهٔ دو رستهٔ لولوی تست آنکه
در گوشوارهٔ تو نگیرد قرار دُر
بحر ارچه قطره قطره کنیش از مطالبه
ندهد یکی چواشك منت آبدار، دُر
گوشی کی لفظ تست شنیده نداشته
حقا که هیچ گاه در آن گو شوار، دُر
نسبت بدیده ام، نکند ابر را، کسی
ور هست، او چو دیدهٔ کوهسار دُر
در اشتیاق گردن و برهاء گو هرنیت[3]
زنار درمیان است کشیده زهار دُر
وقتی بگوی یك سخن، آخر که من برم
بهر جناب صدر جهان یاد گارِ دُر

---

۱ کذا
۲ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۳
۳ کذا

رکن الحق افصح الخطبا آنکه می کند — از لـفـظِ خـویـش بـر سـر منبر نثار دُر

انـدرمیـان بـحـر و دلـش هست فرقها — هـر دو دهـند اگرچه برون از شمار دُر

در بــحــر دایـم از مـدد ابـر مـی دهـد — لیکن دلش از خویش دهد صد هزار دُر

ای مانده، از لطافت لفظت، خجل گهر — وای کشته از خط شب گون تو، خوار دُر

بـایـد گـر از مـقـال تو سر رشتهٔ کشد — خـود را بـه مـلك او زیـئ افتـخـار دُر

کـحـل الـجواهر خط تومی کند طمع — مـانـده است چشم باز درت انتظار دُر

بـاسـمـط نـظـم لفظ درر بار تو، گهر — بـی سـلك انتـظـام و گسـتـه بهـار دُر

لفظت به که رسد کزو سر سبزیت، به یم — خیــزد زیـم زمـرد و از کـو هسـار دُر

گـر، ابـر از کف تـو بیـامـوختی، سخا — بـودی بـه جای قطره به دسته چنار دُر

مـی یـافت زآب ابر کفت گر بها انار — بـودی بـه جـای دانه همه در، انار، دُر

صد را یکی ببین که چه نحلی[١] ام خامه ام — کش بعد انك خشك شود هشت بار دُر

لعل وگهر امیر حسن چون ردیف ساخت — کـرد، از نـگاه داشت مغیث اختیار دُر

ذات تو گوهریست چه فخرت ازین ولیك — شـاهد گر از صدف نکند هیچ عار دُر

هستـم در و زمـانـه فرح در شکستم[٢] — آری مـفــرخـی شـود از انـکسـار دُر

سـلـطـان مـلك فضلم و جیشم ردیفها — چـون من یك از ردیف ندارد سوار دُر

دریـش طبع و فکر دلت عرض این سخن — چه بود کسی چه عرض کند، با بحار دُر

ازکـوه تـازمـرد ویـاقوت و لعل و زر — بـر خیــزد وز بـحـر شود آشکـار دُر

بـادولـت دولتي کـه بـه پیـش نظر ترا

از قــطــره کـم نـمـایـد در اعتبـار دُر



١ـ کذا

٢ـ کذا

در مدح صدر جهاں رکن الحق

[1] ای بالب تو لعل بد خشان کمینه سنگ / در بزم عش ماچه زنی، بر قنینه، سنگ
جانم نمود هم چودهان توخویش را / زان می زنند بر سر او، از نگینه، سنگ
یاقوت و لعل هر صنم از حسرت لبت / بو شد و گر نه که سزذ اندر زنینه سنگ
بر شیشهٔ امل ز دل و برتو سیمتن [2] / داری درون سینه و بیرون سینه سنگ
دُر خواند خویش را چو ز دندانت، گوش تو / از لعل بر گرفت زبس خشم و کینه سنگ
سر نیستم ز سنگ درت بر گرفتنی / بر سر زنندم ار چه کمینه کمینه سنگ
دانی کنون مدینهٔ علم رسول، کیست / که آمد ز مهر بیش در آن مدینه سنگ
رکن الحق افصح الخطبا آنکه دشمنش / دارد نصیب خاك ز دهر و هزینه سنگ
آن قاضی سپاه ممالك که عدل اوست / از جود چرخ را زده، بر آبگینه سنگ
ازبیم عدل او نتواند فروبرد / گردد به روی آب اگر چه سفینه سنگ
گردد عدوش را پس ازین دیده ریگ ریگ / زانسان کی برمثابهٔ بعضی نرینه سنگ
صدراز عدل تو نرسد جاده را زیان / گردر قصارت آید ز برگ رهینه سنگ
آخر به لطف، باز نداری زمانه را / تا زیر تاب نبدم اندر نرینه سنگ
چون هست دهر آخر، سنگین ومن ضعیف / بر شیشه بهر چیست کی دارد ضعیفه سنگ
لفظی ز تو قرین شود اندرآن ردیف / گردد گهر تمام ازآن یك قرینه سنگ
باشد به دل جواهر معنی مغیث را / چند آنکه کوه را نبود در خزینه سنگ

باو قرو عزباش، مزین به علم و فضل
تاکوه سنگ دارد، درون و سکینه سنگ

☆☆☆

---

۱. مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۹
۲. کذا

وله

[1] برسرو رآن عصرم نه به ملك و کامرانی
به سخنوری و دانش به رموز چرخ دانی
نبود چومن نصاری به عیارعقل کامل
گهری چومن نباشد به[1] تبحر معانی
عرصات گفتگو را چو دهم به رخش فکرت
ندهم به چرخ گویی نه به ماه صولجانی
زده خیمه همت من ز ورای چرخ وپیشش
سبع آسمان پنجم الجوق ترکمانی
دل من خزینه برلب مسرقم به یغما
به در خزینه شسته خردم به پاسبانی
نه در ایم اربه هرزه ز مجالسم چه طعنه
که گواه من به دانش نه بس است بی زبانی
دل من به ملك عالم نگشاید و به همت
همه ملك گور خانی، بودم ز گور خانی
ملکا به اخذمالی شده ضابطون شعرم
به جهان رسد جواهر به ازین جهان ستانی
دل ساق عرش کردم[2] در قصر همتم را
به فلك هما نهاده زبلور آستانی

۱۔ مجموع: ج اوّل، ص ۵۶
۱۔ تصحیح قیاسی
۲۔ اصل: کرم: تصحیح قیاسی

چو سپهر زیر پایم همه دامنی نموده
بهر دامنِ من بنموده آسمانی
بسر ادقات اوجم نرسد زحل هم ایرا[۱]
به جوار دولت من چه محل دیهقانی
سخن کسانست گرچه به فصاحت و بلاغت
سخنم به چرخش آمد به نیابت قرآنی
دم گرگ ران به بیشم دم شیری کسانرا
دم من به خودستای نقشی زصبح ثانی
سخنم عرض ولیکن چه عرض کی هست جوهر
عرضست را بقا و این همه باقی ونه فانی
سخن من آبِ حیوان، به حروف در بقاخود
خضری به ظلمت اندر، به بقاء جاودانی
همه لفظ من صحیح ورودم گمان سقمش
کی دلیل صحت آمد همه جای بدگمانی
ز من آشکار دانش چو گهرز جوف دریا
به محل خود پس ازمن حرفی چو ار بخوانی
سخنم شکر به گردش حور (ناخوانا)
کلماتم از حلاوت عرصات اختیانی
و رقم سحاب دروی دُرر خوشآب لفظم
چه سحاب برکه نازد به هوا شد از گرانی

---

۱. کذا

کنـد ابـر دُر چـکـانـی بـه سر نبـات کلکم
چـه نبات کش بر ابر همه همتست دُرد کانی
چو فرشته پاك اصلم، نجس اصل حاسد سگ
بـه سـگـان نبینـم ارچـه ز بزرگ استخوانی
چـو بـه چشـم دُر بـخـندم بمرد حسود بد دل
کـی وبـا بـود ز پـرویـن چـوپـدید شد نهـانی
چـه بـود عـدو اگـرچـه هـمـه ارهمان باشد
قـلـم چـو سـر بـرآرد ز درفـش کـاویـانـی
سزدم ز عـظـم مـنـزل بـه چنین طلق روشن
بـس ازان بـه بـزم گـاهم به چنین طلق روانی
ازمـن کـلام من بس که درست سازمش بس
ز نـمـش ز سـکـهٔ خـود لـقب خدای گـانی
مـنـم آتـش از سـرویـا، فلك آتشم پـرستـی
شـده زهـره از نشیـدم بـه نـواز زنـدگـانـی
چـه بـه پیـش هـمـهٔ من سخنی زدست شاهی
کـه بـه پیـش حرز آخرچه بود حدیث خوانی
رقـمم نه محض صورت که چو جانور سخن گو
قـلـمـم بـه قهـر مـانـی زده نقـش قهر مـانی
کیـم و چیـم کـه بـاری زمـنـی زبان گشایم
دم عیسوی بـر آرم بـه چـنـیـن نجـس دهانی

جسدی ز روح پاکی چو بتان سخره خالی
دلی از صفا مبرا چو مسقف دخانی
رقمم نگر کزویم به سواد رو نهاده
قلم چونخل من بین که مراست کرده خانی
چه به ذات خویش نازم که جرم لوث دارد
چکند کسی تفاخر به سفال خاکدانی
دم عجب خود ستایی که عفا الاله عینی
چه زنم کز و گلم را رسد آفت خزانی
ز نظافت آنچه لافم یکی ازهزار نبود
زخباثت آنچه گویم، زیکی هزار دانی
پس ازین به پیش چشمت، همه کحل صدق دارم
که تو چشم باز داری زسواد اصفهانی
چوشبه سیه[۱] دل من مژه ام به درفشانی
چوگهر صفا به ظاهر همه کدرت ازنهانی
حفظه به خامه راندن من و شاهدی به بستر
دل و دین زکام دشمن من و او ز دوستانی
زسمین نویس حالم قلمی نرفته هرگز
شده، مانده دست دوم ز عذابِ خامه رانی
به ره عمل که شیطان همه قطع ره کندمن
ننهاده پا به ادهم[۲] زده لاف هم عنانی

---

۱ کذا
۲ کذا

چو درای کاروانم ز گزاف و هرزه گویی
چو بلایلم سیه رو ز فراخ داستانی
منم آن سیاه نامه که همین نوشتهٔ من
پی احتراق من بس، به زبانهٔ زبانی
منم آنکه شاید از من، که معلم ملائك
ز کتاب عجز چیزی شنود به ترجمانی
چو برند نام رندان سر دفتر همه من
چو به روز حشر شیطان سرقوم دیوجانی
دهدم خدای شرمی زهدای خود که آمد
همه حال کاهش جان سخنم ز ناروانی
ز سخنوری چه لافم، چه کنم، بدین تفاخر
که بدیهگوی جستم، خوشم اندر امتحانی
دگر آنکه هست این من، شده ختم بر نظامی
چو منی از این چه لافد به چنین تهی میانی
فن شعر خود چه باشد که بدان شوم مباهیی
عبریست گرد گشته پی زینت اعانی
چه ستایش دگر من نه همانش بسکه گفت او
ملك ملوك فضلم به فضیلت معانی
نه من این قصیده گفتم ز برای آنکه، با او
به مشاعره برآیم ز بلاغت و رسانی

به متابعت هم اورا چو نیم، سزا چه گویم
که به پیشن رویش بردم زحروق خود چرانی
سنه بیست وهفت و هفصد که بییست وسه رسیدم
زدم آب ازین قصیده به شگوفهٔ جوانی
غرضم بدست تضمین که قصیده من بیرزد
ز طفیل گفتهٔ او به قول این جهانی
هم ازین حدیث نا خوش کز ادب برونست یارب
به کرم معاف دارم که کریم و مهرانی
همه کارمن به عالم سفراست و دل خراشی
منم از زبان ایذا به دعاء بدستانی
پی سنجش زبونم به خدا که عاجزآید
زترازوی سپهر و خط محور ازکیانی
توی آن کریم مطلق که مغفرالز نوبیی
توی آن قدیم مطلق ابدالابد بمانی
به کرم عنایتم کن که صف هواست بیشم
دلِ من غرور شیطان غلبو اعلی جهانی
دریا مغیث اغثنانی بزن ای مغیث می گو
همه قد ظلمت نفسی و قدالهوا جفانی
ملکا و پادشاها توکه ساترالعیونی
کرمت کجا پسندد به معانیم عیانی

به خدایئ که داری به بزرگیی که هستت
کی ز دست نفس ظالم دل بنده وارهانی
چو سفینه ایست نفسم که زبون اوست جانم
زویم خلاص یارب تو دهی که تو توانی
منی ازنهاد من بر حسدم بشو ز شهوت
به کرم قناعتم ده ببراین همه امانی
توروا مدار یارب که کنم به پیش هرکس
پیی زر، زار مانده، رخ خویش زعفرانی
نپسند کرد گارا که به خدمت عوانان
پیئ سهم عِزدنیا تن من کند کمانی
به عبادت خودم ده شرفی، و باز آرو
سرم ارغوان برستی دل و نفسم ارغوانی
ز عمل مرا نه نقدی به کفست لیك شادم
کی زتست عفوی ارزان، کرمیست رایگانی
مده ازرحیق ایمان، لب و کام را تو حرمان
شو، دم تهی قرا به چو ز آب زندگانی
ز کلیم و نور پاکت که به طور بعث فردا
ارنیم رامکن رد به جواب لنترانی

☆☆☆

درمدح عین الملک

بدان عرض، کی ز جوهر، قطار بگشاید[1] — زلعل درج در آبدار بگشاید
فراخي به جهان در شکر پدید آرد — چو مهر از آن شکر تنگبار بگشاید
بدان دو والی اعمال مصر و خوزستان — ولایت از ضم قندهار بگشاید
وزان سنان که شعاع رُخش زند کان را — هزار اکحل یاقوت بار بگشاید
دگرپذیرد زیبق ز صفرتم عکسی — ز مس دو ازده ماهه عیار بگشاید
هدف زدیدهٔ روئین ثنات زهد کند — چو شست غمزهٔ عنقا شکار بگشاید
(ناخوانا) دهد زلب و خندد و خماری را — یقین کی دل به فقاع انار بگشاید
تو پای بر سر مه نه که عقد پروین را — زگوش زهرا برای نثار بگشاید
کسی که دل به هوای تو بست کی دل او — به باغ و یا به نسیم بهار بگشاید
به بخت گفتم، که آخر عنایتی نکنی — کی کار بستهٔ من آن نگار بگشاید
جواب داد که این بسته کاری تو مگر — به عون سرور عالی تبار بگشاید
معین ملك ملكِ عین دولة عین الملك — کی نور رایش از انجم حصار بگشاید
عدو ز بوالهوسی گرچه کوبد آهن سرد — چو به سنگ[2] گرزدی ازوی شرار بگشاید
اگر گهی در روئین سفند یار گشاد — وی آن در از تن اسفندیار بگشاید
برای روشن عالیش، حسن تدبیرست — کی، کشوری به کمینه سوار بگشاید
به کار خویش گشادی زبخت خواست علو — ولی نخواست فلك تاش کار بگشاید
به دار بست مران سفله، آنگه[3] گفت — کی کاربسته ات اکنون ز دار بگشاید
سر عدو ز هما سایه خواست، غافل آزان — کی پر برآن کله مردار خوار بگشاید
صماخ سامعه[4] پر شود به وقت سخن — چو سلکهای در شاهوار بگشاید

۱؎ مجموعہ: ج اوّل، ص۷۰
۲؎ مجموعہ: بتک، تصحیح قیاسی
۳؎ مجموعہ: اونکہ، تصحیح قیاسی
۴؎ مجموعہ: صامعہ، تصحیح قیاسی

خمی رسیده به جایی که کاروان نجوم　　همیشه بر در بسته بار بگشاید
به جنب بارگه قدر تو مظلمهٔ خود　　فلك ز پستی، شرمنده وار بگشاید
به خدمتی کی فلك گردت از سعادت و بخت　　نظر به جانب تو شرمسار بگشاید
اگر ز چشمهٔ لمعت نمی چکد بر خاك　　هزار شعله ز تخم خیاربگشاید
و از ارقم قلمت گرلعاب نو شد مار　　ز نوش چشمهٔ از کام مار بگشاید
وفور دانش تو مفضلات فطرت چرخ　　کی برچه وز چه بالحصار بگشاید
ز نور طلعت تو محو شد سیاهیی کفر　　چنانکه ظلمت شب ذالفجار بگشاید
به عشق بیت ظهیر آنکه هست مصراعش　　که هر چه بسته شود استوار بگشاید
مغیث ملتزم این ردیف گشت و منم　　که یافت از سخنم اعتبار بگشاید
ز ربط نظم من ارخنك چرخ بهره برد　　قیامت از سر او گه فشار بگشاید
ز طبع دیگری اشعار، گیر این رونق　　جلاء دیده اگر از شخار بگشاید
ترا دعاء من این بس کی هر سحر گویم　　چون استجابت دری کرد گار بگشاید

کی بهر بودن جاوید درجهان به مراد
خدایی بر تو در اختیار بگشاید



صدر جہان کمال الملک

[۱] ای روشن از فروغ ضمیرت چراغ عقل　　هردم شگفته از تو گل تر به باغ عقل
صدر جهان کمال فلك آن تویی که نیست　　در کنه معضلات بیانت مساغ عقل
زانسان که جای عقل دماغست از لطف　　علمت تراست ساخته جا در دماغ عقل
مانا قضا دولت ترا دوده خواست کرد　　ور نی چه داشت کاسهٔ سربر چراغ عقل

۱؎ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۶

در محفلی که شد سبق آموز عقل کل — حاصل نگشت جز به بیانت فراغ عقل
جز خامهٔ تو چیست شفا بخش دردِ جهل — بر رنج حمق نیست دوا جز که داغ عقل
بر عالم علوم چو دادت قضا مثال — تشبیب آن تمام نشد از نباغ عقل
داری جهان علم وز پایان آن خبر — تا ورد کرد گر چه پوالاغ عقل
با عنصر تو تا شرف اقتران نیافت — بوده است طفل و حکم نشد بر بلاغ عقل
زان عقل را عقیله لقب شد که روز گار — خنگ ترا عقال نهاد از رساغ عقل
زآن دایره برونست کمال تو کاندرو — انهاء وهم گنجد و به ارتیاغ عقل
فرق مغیث خاك درت رامراغه جاست — ز انسان کی هست کاسهٔ سرها مراغ عقل

بادانفجار روی تو در زیر طاس[۱] چرخ
ز انسان کی زیر کاسه سرانفشاغ عقل



درمدح عز الدوله

[۲] چه حاجت است که بندی، تو بر کمر[۳] دشنهٔ — به پیش غمزهٔ تو در جهان دگر، دشنهٔ
به سوی غمزه اشارت به گوشهٔ چشمی — برای کشتن کس حاجت اقدار، دشنهٔ
چو دشنهٔ گفتن، آن غمزه را صفت نبود — کی آنج دروی[۴] پای کجاست در، دشنهٔ
چه دشنه تیز کنی بهر کشتنم یعنی — ز غمزهٔ تو دگر نیز تیز تر، دشنهٔ
ز غمزه کشتن اهل نظر بسست، باشد — وگرچه حاجت بستن برآن دگر[۵] دشنهٔ
چگو نه در نظر، غمزهٔ تومی آید — به کشتن ارچه نماید بسی هنر، دشنهٔ
غلام غمزهٔ خنجر ان قوام از حیاتست — که هر زمان زندم در دل و جگر، دشنهٔ
زدست تو که رهاند شکسته برهان را — بری به مستی روزی، که دست بر، دشنهٔ

---

۱. اصل طاؤس: تصحیح قیاسی
۲. مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۹
۳. مجموعہ: کم، تصحیح قیاسی
۴. کذا
۵. گر [illegible]

بـه جـز تهـمتـن دور زمـانـه عـزدول — کـه کـرد، فرّسـلاحـش معتبر دشنـۀ

عـلـی دلی که شود ذوالفقار در دستش — به‌رزم اگر چه صلاحیست مختصر دشنۀ

دلاوری کـه مر او را به روز کین توزی — بـه سـوی سینـه اعداش راهبر دشنـۀ

خـلیـد خـار خـلافـش بـه سنیۀ اعدا — کشیـد تـار دان خـار را مـگـر دشنـۀ

عدوش خواست ز چرخ آرزوی سینۀ خویش — بـگـفـت چرخ که برماست ماحضر دشنۀ

فـلك چنـانك آبی که فرّدست تو کرد — زهـر سـلاح در آفـاق نـامور، دشنـۀ

سـزد بـه دسـت تو و بـرمیـان تو زیبد — به روز جنگ اگر تیغ هست و گر، دشنۀ

زدشنـۀ تـو بداند اگر چـه (نـاخـوانا) — دهـد هـر آیینۀ روزیش این خبر، دشنۀ

ترا رسد، که در آری به مشت در شمشیر — تـرا رسـد، که کشتي درنیام زر، دشنۀ

درون سینـۀ بدخواه جاه تو راهی است — کـه گـرد نـارد، الابدان گـزر دشنـۀ

گـزیـر نیسـت ز شـادی دل ترا که آمد — بـرای آنکه غمت خواست تاگذر دشنۀ

زفـرانـکـه، غـلامـانت، بر کمر بستند — گـرفـت زینـت و زیب و بهاوفر، دشنۀ

مگر که دست گهر بخش تو به کسی بخشد — بـدیـن اُمیـد هـمـه تن شود گهر، دشنۀ

توآن یلی که (ناخوانا) تو دشمنان سازی — به روز تـو ختـن کیـن نیـام هر، دشنـۀ

پـی حسود تو کش، روز عمر آخر شد — کشـد در اوّل هر روز جرم خور، دشنۀ

هـمیشـه تاکه شناسد تیشه، از شمیشر — هـمـاره تـاکـه بـدانـند از تبر، دشنـۀ

زخستـن تـن اعـدات دم بـه دم بـادا
بـه خون دو چشم حسودت مدام تر، دشنۀ



وله

[۱] ای یافته آرام بدین مومت مطلق | در ظل لوای قدمت هستیٔ برحق
باخیل سرا پردۀ علیات حوادث | چون اکحل افلاك و سر نیشتر بق
ملك تو زازال ولا زال و منازل | و آباد باباد ولا باد و ما انشق
کینونت یکحال تو دریفعل ماشاء | مستقبل و ماضی هم ازان به یفعل مشتق
سبز عکك مه دم افلاك چو مرغش | خورده زسر رشتۀ حکم تو، معلّق
توفیق تو تا راه در آمد ننماید | ابواب شناسائی[۲] توهست مغلّق
حکم تو نهد پایۀ تسوید در آتش | فیض تو دهد پایۀ تنویر به چقمق
نه گنبد فیروزه بنا کردۀ صنعت | انوار در و نوره ومه دستۀ مالق
وهم بدید گیش ز دریافت مبعد | فهم احد اندیش به ادراك موفق
بگرفته معادن ز زمین در گل حکمت | و از آتش خورپخته بنه خرمی بوتق
درصید گه عشق زجلوه گری صنع | دادی، دلِ هدهد بنگاریی باشق
با راستی خویش، قلم یافته در کار | آنگاه درستی کی شد از هیبت تو،شق
صنعت زمجرۀ[۳] تجلی بندیی قدرت | درحید[۴] وجود فلك انداخته مخنق
خنك فلکت کرۀ از پایگه صنع | ای داشته زین زرخرشید برابلق
از پایۀ خرشید برین لجۀ اخضر | صنعت زهلا لست روان دسته زورق
عرفان تو از عقل چنانست کی جویند | پرواز بر اوج فلك ازماهی خندق
کردی در دوکان دوکون باره چو مردم | در وی بنهادی گهری پاك و به رونق
در خاك بشر گوهر تشریف تو گم کرد | آن ناری بادی به جلال آبی احمق
این کلۀ سرپوش طبقهای زمین را | گردی به لالی شب افروز مغرق

---

۱ مجموعہ،ج اوّل ص۱۰۸
۲ مجموعہ،شناسد،تصحیح قیاسی
۳ کذا
۴ کذا

گشته ز تو در روز علم صبح نخستین وز صدق دوم هم تو بر افراشته بیرق
از تست برین عالم خاکی به همه کار فیروزی این گنبد مینای معوهق
ای خشت و گل افراشته و کرده مزین از مهرهٔ بلور سراسر مخ عوهق
بر لك لك اماره درین مطمین خاك لوامه ما به دامن تو گیرایی زرّق
از قدر رحم نه مهی را ز حل طلق طرح از تو بیامیزش سیماب به زیبق
آنکو متفرق بدرت لیس به مجموع وآنکو به تو مجموع ابدالا یتفرق
در وصف برنشهٔ مصنوع تو عاجز صد بحتری وصد متنبیّ وفرز دقّ
در نعت یکی بندهٔ ناپاك تو الکن صد همچو سنائیّ و دو صد اعشیّ و عمعق
بازوی خرد را ز زر خالص حکمت آراسته صنع تو بد ستینه و بارق
به دست توانایی حکم تو خرد را نی پنجه درست و نه پروبال و نه مرفق
تا از قلم امر تو کن نقش نبشته یك خط نشده ازرقم هست محقق
از عقل صفات تو چنانست که جویند نغمات تر بربط و چنگ از دم عقعق
عاشق رود این راه و عاقل که زند کبك صد قهقهه هنگام خرامیدن لقلق
بیداری توحید تو در عاشق و عاقل زآن عقل که بیندیشد سربرسر تمرق
صنع توچه سنجد خرد از دقت افلاك سهلست چه گنجید برو پردهٔ ازرق
در پردهٔ دل، علم شریعت علماء را بی معرفت هست قرآن برورق رق
ایمان به تو جذرعمل و آنك اصم ماند صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ از و تختهٔ منطق
سر گشتهٔ تقدیر تو افلاك شب و روز در بند گیت کرده میان چست به منطق
با حکم تو اجرام که باشند و چه آید از صورت بهرام به دیوار خورنق
دانندهٔ هر مهره درین رقعه شهی دان با زنده نه پیل است نه اسب و رخ و بیذق
ناشکری مابین طمع طمه ز غیری رزقی ضمن از فضل و کرم شد پی من شق

کی درك کنـد صنع ترا عقل و چه آگاه گرم حـطـب مطبخ از آرایش جو سق
کـفرست نه تو حید کی توحید تو گوید جهـلی کـی ز باطل نکند تفرقه تاحق
هـر چـنـد کـه نـظـم بـه قبول تو نیرزد باری بدین اطرا[۱] کرمت داردم اصدق
نـعـم الـنعم آمد لقب این نکتهٔ دین را کـزوی به نـعـیـم ابـدی ام شده ملصق
از فضل تو نازم، نه بدین فضل که کردم گستـاخـی تـوحـیـد بـدیـن نکـتـهٔ مغلق
شـاهـان ز گـدایئ درت جایزه بخشند بـر مـدحـت نـاجایز خود تنکه و یرمق
ای پـادشـه پـادشـهـان صـلـهٔ این شعر دیـنـار و درشمر ده از اخلاص نه دانق
یـارب نـزنـم لاف زاخلاص تضـرع و ازمسـکـنـت و نالشی از قلب محرق
دعـویـی ندهم از گنه و حشت عصیان من خود نکنم ورکنم آن نیست مصدق
لیـکن بدی خویش و نکو کاری خودرا فـرمـای بـه ستّاری این اسفـه افسق
بـی سـوز دل ایـن نـالش تزویر من آمد نـاقـص چـو نخشب بـی نـور و مـزبق
دقـاقیی کوی خودم آموز کی هر صبح آیم به در و حـاجت خود از توکنم دق
هشیـاریـم آن ده کـه کنی مست و خرابم لیـکـن هـمـه زاقداح محبت نه زباذق
در عشـق شهیـدم بـده هـمـت دیگـی کـه افـکـند سر بس به وغا از سرافرق
اوّل ز عـلایـق بـد، حـرصـم بـر انگـاه دسـت طـلبـم دار بــه ذیـل کـرم اعلق
در جان من از عشق خود از شعله بر افروز کـم هیـچ نـماند به دل سوخته جُزحق
در قـابـضـهٔ عـصـمت تو سر به ره آرد از تو سنی این نفس، عنان یافته، مطلق
لایـق نبـود قهـر تـو بـر چو من نـاکـس هـر چـنـد بـه نـار سقـرم خـالد الیق
از تـابـش خـرشید قیامت چو به نفسم فـرمـا عـلـی الـطـریـق ز تسنیم مروّق
بـادام چـو چلغوزه دل از دوستی آن بر ابـلیـس ز من مانده دهن باز چو فستق
یـارب به مغیث از کرم خویش به[۲] عطیه آن بخش که کردم به مطیعان تو ملحق

---

۱ کذا

۲ مجموعه: "به" ندارد، تصحیح قیاسی

در سلسله ام کش ز دو منشور محمد
پس گردن صدقم کن از آن مهر مطوّق

☆☆☆

غزلیات

[۱] از عارضت ای خدوقد حور بهشتی — هر قطرهٔ خوی عنصر صد حور بهشتی
هر چند برونست ز حد خوبی حورا — هم باتو نگهداشت حد حور بهشتی
رضوان برد از زلف تو مشکی به چنان تا — ز آن خال نهد بر رخ خود حور بهشتی
بر حلهٔ حورا چکد از جرعه ز لعلت — سازد هم از آن سرخي خد حور بهشتی
نخورد آب حیاتی مگر از لعل تو تا یافت — خوبیی و جوانیی ابد حور بهشتی
فیض رخ تو بس کی ز افلاك گذشته — ز خواسته در حسن مدد حور بهشتی

بگذار مغیث از کف پایت، بر باید
آن بوسه که برپای تو زد حور بهشتی

☆☆☆

غزل

[۲] آراست باغ صحنِ چمن را گل و درخت — بس دلکش است و نغز یك جا گل و درخت
از بهر مجلس می و مطرب ستوده نیست — جز سبزه زار و آب روان با گل و درخت
از روز ساحت تره و سبزهاء تر — دارد چمن مشاجرهٔ با گل و درخت
بسیار گرم وسرد[۳] کشید از تموز و دی — برداد بکر نامیه را با گل و درخت
در باغ شو که بنگری اندر کنار جوی — بس سرخ و سبز و نازك و زیبا گل و درخت

۱۔ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۷
۲۔ ایضا: ص۱۰۸
۳۔ مجموعہ: 'و' ندارد، تصحیح قیاسی

هنگام نو بهار ز گلزار نیست کم　　صحن زمین ز لا یتناها گل و درخت
اندر چمن نظر به دگر چیز چون کنند　　آنك نظاره گاه دل آسا گل و درخت
یارب چه راست کرده و آراسته است و نغز　　در بوستان برای تما شا گل و درخت
هم خانه باغ اوست چو دارد کسی مغیث
از روی قامتِ بت رعنا گل و درخت



غزل

[۱] بزهر خنده کند خندهٔ حسن گل لعل　　ورد به خون حسین علی کفن گل لعل
یقین که از عرق مصطفا ست زاده که شد　　به صورت حسین و سیرت حسن گل لعل
برای آنکه نگردد ازو جدا عرقی　　گشاده باد خورد حبیب پیرهن گل لعل
سزد که بر سمن و سوسن و بنفشه کند　　زسرخ رویی خود ناز، در چمن گل لعل
گهی چو دامن پاکش به می نیالوده است　　چومست بوی کناند چرا دهر گل لعل
به طیب خود ز دماغ مغیث بیرون برد
هوای یاسمن و عشق نسترن گل لعل



غزل

[۲] تا تو بر چیده ای خوش پسر از ما دامن　　هر سحر چاك گریبان رسدم تا دامن
از سرم می گذری بی غم و ترسی کز آنك　　گیر دمت خون ای دوست مبادا دامن
بر یکتا چو ز نی گردن من بالا کن　　زآنکه در خون چوماهیی تو میالادامن

۱؎ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۸

۲؎ ایضاً: ص۱۰۸

جان من باد فدایت چو رسی از سر خشم کرده قصد چو سرم و بر زده بالا دامن
مکن از نالش من عیب توای غمخورمن زآنکه دل سوزد کس را و کسی را دامن
خاك گردم چو گریبان سلامت تو هنوز بر مچین بهر خدا ازمن رسوا دامن
دررهت ما چو مغیث از هوس دیدارت
خاك گشتیم و رسد[۱] گر کشی از ما دامن



غزل

[۲] ای تو درپای کشان دامن زر در بالا بت سیمین و به پیراهن زر در بالا
در چمن رفتی و خاك قدمت گرد آورد سمن زرد بدان دامن زر در بالا
زر کشیدست حریر تو و از خنده نشان لولوی ترهمه پیراهن زر در بالا
هر دوال زر از آن پیرهن خون ریزاست همچوآن تیغ که هست آهن زر در بالا
چرخ دارد ز براتیی جمالت هرصبح این کلاه زر وآن اذکن زر در بالا
هست چون برهنه پیش لبانت آتش ما حریرتنك و روشن زر در بالا
با سر ریشهٔ زر نیش شود زنده مغیث
کسوت شاهی با یك من زر در بالا



غزل

[۳] ای خرد مست و لعلت به شراب انگور برده شیرین ترشی لبت آب انگور
مستی لعل تو در خلق همی عام کند زآن در اسلام حرامست شراب انگور

---

۱ کذا

۲ مجموعہ: ج اوّل، ص ۱۰۸

۳ ایضاً: ص ۱۰۸

العنب آنکه دو دو کفریتی[۱] پنداری | بود در باب لبت این نه به آب انگور
پیش سرسبزی عناب تر و شیرینت | شد سیه رویی انگور خضاب انگور
شفتین تو که شفتا لو از آن چاشنی است | سرخ رویند همیشه به خواب انگور

ای مغیث ازلب اوچاشنی دزیده است
زآن به پای مغ و ترساست عذاب انگور

☆☆☆



از بسکه داشت کاز ترا دوست خربوزه[۲] | آمد برون به عشق تو از پوست خربوزه
او را قتیل کذ لك تو آفریده اند | وآن هم هنوط اوست که خشبوست خربوزه
تا در کلاه خربوزه‌ات دید می زند | هردم کلاه بر زمین ای دوست خربوزه
چوگان کآرد ماهی دست تو ناپدید | میدانِ طشت را شده چون اوست خربوزه
نارنجی از کنش ز ترنجی قبا به تست | چو دیه بوش هزار آن دوست خربوزه
چر بید[۳] نارجیل بر آسمان و این بدو | جرید[۴] بسی که قریه بهارست خربوزه

سرگشته ساخت خریزه ز آسیب آن زنخ
آری مغیث سر زدۂ اوست خربوزه

☆☆☆



ای بر رخت هم ازدو رخ تو شکسته سیب[۵]
وآن خال بر زنخ چو برون داده خسته سیب

---

۱ کذا ۲ مجموعہ:ج اوّل، ص۱۰۸
۳ چربید بمعنی برتری ۴ جرید بمعنی پام کا درخت
۵ مجموعہ:ج اوّل، ص۱۰۹

درخسته کردن دل نارنگ آنکه بست
از روی رنگ بر رخ تو درنشسته سیب
داری رخی چو سیب وای چون عناب تر
وآنکه به بوی خوش دهنی چو شکسته سیب
با همنشین سبزه شدن سیب آن زنخ
با شاخ سبز از هوسش دل نه بسته سیب
هستت زنخ چو سیب و کو سیب جاه او
زآن چه در او فتاد چو رشته گسسته سیب
هر چند رسته رسته بهر باغی از نبات
دوکان کشاده با زر کارت نرسته سیب
ای نار دانه فشان شد مغیث را
چشم ازهواء آن رخ چون نیم خسته سیب



غزل

[۱] خاك كند گل بسی حیب به بستان حسن — چون تو گلی که کشد سر ز گریبان حسن
سر ز گریبان فرود گل برد اما چو تو — درنتواند کشید پای به دامان حسن
تا بر اسیران عشق بارسیاست دهد — زآن دو رخ آراستند مسند سلطان حسن
زآب و هوای بهشت یافتهٔ پرورش — نشکفد از هر بهار چون تو گلستان حسن
مائده لطف غیب شد چو به گیتی فراز — جای نمکلان نشست روی تو بر خوان حسن
مملکت دلبری حجتی اوّل نداشت — داد نکنینش کنون لعلت از کان حسن

---

۱ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۹

مصر ملاحت تویی یوسف جانی مرا　　گر زنخش کردهٔ ای درچه زندان حسن
تا چو فلك عاشقان واله وسر گشته اند　　ماهی و مهری نتافت چون تو بدوران حسن
حاکم دیوان توی واین همه اوصاف را
ازپی دعوای مغیث برد به دیوان حسن

☆☆☆

غزل

[۱] ای ترا قد پسندیده نه کوته نه دراز　　همچو تو سرو نه بالیده نه کوته نه دراز
طره ات کوته و گیسوت درازاست و لیك　　هست آن زلف تو پیچیده نه کوته نه دراز
درزی صنع به مقراض قضا خلعت حسن　　راست برقد توببریده نه کوته نه دراز
همه گویند شب وصل بود کوته وما　　شب وصلی ز تو نا دیده نه کوته نه دراز
گفت یك شب شنوم گرچه درازست ازتو　　قصه ها یك دگر نشنیده نه کوته نه دراز
کفر اگر شخص بود در برو از [۲] ناری　　باشدآن گیسوی ژ ولیده نه کوته نه دراز
ای مغیث آنچه به وصف بت من خواهی گفت
غزلی گویی پسندیده، نه کوته نه دراز

☆☆☆

مثنوی

[۳] بنزد شناسندهٔ مثنوی　　از آنهاست این نکتهٔ معنوی
که کس گام در بیشهٔ شعر او　　نزد، نی نظامی ونی غیراو
نظامی که استاد این شیوه بود　　دمش طوبی فضل را میوه بود

---

۱ مجموعہ، ج اوّل ص ۱۰۹
۲ کذا
۳ معارف جولائی، اگست ۱۹۴۱ء، ص ۴۵ (مولانا عرشی صاحب اور پروفیسر نذیر احمد صاحب کے مقالات کی مدد سے اس مثنوی کا علم ہو سکا ہے۔

به بسیار گفتن مگر جهد داشت — که آمیزش موم با شهد داشت
سخن را تفحص[۱] به غایت نکرد — به سنجیده گفتن کفایت نکرد
ولی چون به منطق قبولش بود — همه منتهایش رطبها[۲] می نمود
خدا کرده بودش قبول عطا — که از زیرآن بر نیاید خطا
خدا پرده پوش است در هر دلی — نمود آن چه بودش خطا مشکلی
ولی بعض ابیات یا نیمهٔ — که عقل است دروی سراسیمهٔ
از انهاست، حقا که آبِ حیات — شود زنده ز وگر پزیرد ممات

اگر حجم دفتر نبودی مراد
سخن را همو داده بودست داد



۱ بدائع الحکایات میں تفحص لکھا گیا ہے مولانا عرشی نے اپنے مقالہ میں اس کی تصحیح کی ہے اور اسے تفحص کے بجائے تصفح لکھا ہے جس کے معنی ہیں کسی کام پر غور وغوض کرنا۔

۲ انڈو ایرانیکا میں پروفیسر نذیر احمد صاحب نے "منتهایش رطبها" تحریر کیا ہے جبکہ عرشی صاحب نے خارھایش رطب لکھا ہے۔ معارف جولائی/اگست ص ۴۵ ۱۹۴۱ء۔ میری نظر میں پروفیسر موصوف کی قرأت زیادہ بامعنی ہے۔

اختسان الدین

عہدِ تغلق کے معروف نثر نگار ''بساتین الانس'' کے مصنف ملک تاج الدین اختسان بن حسن عبدوسی کے بیٹے جنکا لقب تاج اور تخلص اختسان تھا، اپنی تصنیف کے حوالہ سے بہ حیثیت ایک نثر نگار کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انہوں نے ہندوستان کے دارالسلطنت اور پُر رونق شہر دہلی میں ۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء میں اپنی آنکھیں کھولیں۔

پروفیسر شعیب اعظمی صاحب اپنی تصنیف[۱] میں بساتین الانس کے حوالہ سے رقم طراز ہیں کہ جس وقت ان کی ضخیم تصنیف پایہ تکمیل کو پہنچی اس وقت اختسان کی عمر صرف چھبیس سال تھی۔ جس سے اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے اختسان کی پیدائش ۷۰۱ھ سے پہلے ہو چکی تھی۔

بیشتر تذکروں اور تواریخ میں اختسان کی املا اخفسان درج ہے۔ لیکن پروفیسر نذیر احمد صاحب کے نزدیک اختسان ہی صحیح املا ہے اور اس کی دلیل میں نظامی گنجوی اور خاقانی کی اشعار میں اختسان نام کی شخصیات کے ذکر کا حوالہ دیا ہے کہ نظامی گنجوی نے اپنی مثنوی لیلی و مجنوں ایک ایرانی بادشاہ ابوالمظفر شروان شاہ اختسان بن منوچہر بن اختسان کے نام لکھی ہے اسکے علاوہ خاقانی کے مندرجہ ذیل شعر سے اس امر کی بھی تائید ہوتی ہے کہ صحیح املا اختسان ہی ہے:

اگر شد شهی سر و شاه اخستان　　　تو سر سبز بادی در این گلستان

تاج الدین کی تصنیف ''بساتین الانس'' کے متعلق پروفیسر نذیر احمد صاحب رقمطراز ہیں کہ اب تک اسکے دو نسخہ دستیاب ہو سکے ہیں ایک نسخہ برٹش میوزیم اور دوسرا نسخہ ماسکو کے شرقی انسٹی ٹیوٹ میں موجود ہے۔[۲]

محترم استاد نذیر احمد صاحب محمد بہامد خانی کی تصنیف ''تاریخ محمدی'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ''تاریخ محمدی میں بساتین السلاطین'' کے حوالہ سے ایک قطعہ دستیاب ہوا جو 'بساتین'' کے برٹش میوزیم کے نسخہ میں آپ کی زیرک نگاہ سے نہیں گذرا۔ اس قطعہ کے علاوہ تاریخ محمدی میں اختسان کے متعلق بیشتر اہم اور مفید اطلاعات درج ہیں جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے[۳]:

"واین قطعه کے از ملك تاج الدین اخستان دبیر که درمدح

---

۱ فارسی ادب بعہد: ص ۲۱۷

۲ ارمغان ایران: ص ۳۲

۳ اس شاعر کے متعلق تمام معلومات کا مآخذ پروفیسر نذیر احمد صاحب کے مقالے Three Little Known Persian Poets of the time of Muhammad Bin Tughlaq اور خلجی اور تغلق عہد کے گمنام شاعر جوانڈ وایرانیکا اور ارمغانِ ایران میں شائع ۔۔۔

آن شہریار اقلیم گرفتہ است و در صفحات اوراق و 'بساتین' کہ تالیف اوست، ثبت گردانیدہ، بعنیۂ در این اوراق تحریر یافت تا ناظران را وقوفی و اطلاعی باشد"۔[۱]

تاریخ محمدی میں درج قطعہ حسبِ ذیل بیت سے شروع ہوتا ہے:

خدا یگانہ درد رگھت کہ فخر کند　　بہ پردہ داری او صد چو قیصر و فغفور[۲]

تاریخ محمدی میں اختسان کے تبریز جانے کے متعلق مندرجہ ذیل عبارت نقل کی گئی ہے:

"و در آخر عمر سلطان محمد بن (تغلق) ملك اخستان را بہ رسالت با تحف و ھدایا در حضرت دارالملك تبریز بر سلطان ابوسعید فرستادہ بود و چون سلطان محمد در گذشت ملك اخستان بہ طرف ممالك ھندوستان مراجعت نمود۔ در اثناء راہ در حدود تھتہ برحمتِ ایزدی پیوست رحمة اللہ علیہ"۔[۳]

آپ نے تاریخ محمدی کے بیانات سے حسبِ ذیل نتائج اخذ کئے ہیں:

۱۔ بساتین میں شاعر کا نام ''محمد صدر علاء احمد حسن دبیر عبدوسی ملقب بہ تاج معروف بہ اختسان'' درج ہے۔[۴]

۲۔ بساتین کے برخلاف خلاصۃ الاشعار میں اختسان کا نام زیادہ واضح درج ہوا ہے: ''محمد بن علاء الدین احمد بن حسن عبدوسی الملقب بہ تاج المعروف بہ اختسان''۔[۵]

اختسان کے لقب تاج سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے خاندان کے بیشتر افراد ایران میں اہم اور اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ جیسا کہ پروفیسر نذیر احمد صاحب کے ایک مقالہ بہ نام ''فرائد غیاثی اور ہندوستان'' میں اختسان کے معاصر اور خانوادہ کے سلسلہ میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ذیل میں اسی مقالہ کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے شاعر کے حالات اور اسکے خاندان کے بارے میں مفید اور اہم اطلاعات حاصل ہوتی ہیں:

''فرائد غیاثی اور ہندوستان'' میں سلطان معز الدین ابوالحسن کرت (۷۳۲۔۷۷۱ھ) کی

۱۔ ارمغان ایران: ص ۳۳

۲۔ ایضاً: ص ۳۳

۳۔ ایضاً: ص ۳۴

۴۔ ایضاً: ص ۳۴

۵۔ ایضاً: ص ۳۴

طرف سے دو خط سلطان ابوالمجاہد علاء السلطنت محمد بن تغلق شاہ (۷۵۲،۷۲۵ھ) کے نام
ملتے ہیں ان میں سے ایک خط کا کاتب خواجہ معین الدین جامی ہے۔ جو معز الدین کرت کا
مشہور وزیر اور ''فراید غیاثی'' کے مرتب یوسف اھل کا ہم وطن تھا۔ جسکے متعدد خطوط اس
''مجموعے'' میں شامل ہیں''۔[1]

دوسرے خط کا کاتب ملک جمال الدین اختسان عبدوسی ہے ملک مذکور معز الدین کرت کا وزیر تھا۔ محمد بن تغلق شاہ کے دور میں محمد بن علاء احمد عبدوسی الملقب بتاج المعروف بہ اختسان الدھلوی بھی دارالانشاء میں صدر کے عہدے پر فائز تھا۔ کیا عجب ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوں۔ معز الدین کی تخت نشینی سے متعلق یہ دونوں خط بآسانی (۷۳۶ یا ۷۳۳ھ) کے قیاس کئے جاسکتے ہیں۔

اگر چہ خواجہ معین اور ملک اختسان دونوں کی وزارت پر مقرر ہونے کی تاریخ ۷۵۰ھ بتائی گئی ہے۔ لیکن یہ علم نہیں ہوسکا کہ معین اور اختسان میں پہلے کس کو وزارت کا عہدہ تفویض کیا گیا۔

خواجہ معین نے ۷۵۰ھ میں خواجہ جہاں کے نام لکھے اپنے ایک خط میں معز الدین کی تخت نشینی کا ذکر کیا ہے۔

پروفیسر نذیر احمد صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اختسان بھی عہدۂ وزارت پر فائز تھا۔ اس نامعلوم وزیر کو اگر چہ تمام مورخین نے فراموش کر دیا ہے لیکن ''فراید غیاثی'' میں اسکے خطوط پائے جاتے ہیں۔ ان میں دو خطوط خواجہ معین الدین جامی کو فیروز شاہ تغلق کی جانب سے لکھے گئے ہیں اور دو خطوط تاج الدین دہلوی نے خواجہ معین الدین جامی کو اپنی جانب سے تحریر کئے ہیں۔ جن میں ایک جگہ اسکا پورا نام ''خواجہ تاج الدین حسین بن محمد بن علاء دہلوی درج ہے۔ محمد بن تغلق کے دورِ حکومت میں بھی دارالانشاء کے ایک صدر محمد بن صدر علاء الدین احمد بن حسن عبدوسی الملقب بہ تاج المعروف بہ اختسان عہد وزارت پر فائز تھا۔ جسکی تصنیف ''بساتین الانس'' ہے۔ عین ممکن ہے کہ تاج الدین دہلوی اسی اختسان کا بیٹا ہو جو عہد تغلق میں دارالانشاء کا صدر تھا، کیونکہ تاج کے دادا کا نام بھی محمد تھا اور اختسان کے والد کا نام بھی محمد تھا لہٰذا یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ تاج الدین دہلوی اور اختسان کے درمیان کوئی قریبی رشتہ تھا۔

اسکے علاوہ مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اختسان کے خاندان کے بیشتر افراد نہ صرف ہندوستان

---

[1] رسالہ فکر و نظر: ص ۱۰۰، ۱۰۱، جنوری ۱۹۵۶ء

بلکہ ایران میں بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔[۱]

عہدِ تغلق کا عینی شاہد اور مشہور و معروف مورخ عفیف نے اپنی معروف زمانہ تاریخ میں اخستان کو اختیار الدین درج کیا ہے اور اسکو غیاث الدین تغلق کے دورِ حکومت کا دبیر لکھتا ہے اور بساتین کو غیاثی عہد کی تصنیف قرار دیتا ہے لیکن فرشتہ کا یہ بیان اس وجہ سے مشکوک ہے کہ تذکرہ نگاروں اور تنقید نگاروں کے مطابق بساتین ۷۲۶ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اخستان کی پیدائش ۷۰۰ھ کے قریب ہوئی ہوگی اور اس نے بساتین کو محمد بن تغلق کے عہد میں مرتب کیا ہوگا۔ جبکہ تاریخِ محمدی کا بیان ہے کہ غیاث الدین نے شاہی سلطنت پر جلوس کرتے ہی اخستان کو دبیری کے عہدے پر مقرر کیا۔ اور اگر واقعی یہ حقیقت ہے تو اس وقت اخستان کی عمر ۱۹، ۲۰ سال سے زیادہ نہیں ہوگی اور اتنی کم سنی میں دبیری جیسا اہم عہدہ تفویض ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن سی بات لگتی ہے۔

پروفیسر نذیر احمد صاحب ''تاریخ محمدی'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ بحثیت ایک وزیر اخستان محمد بن تغلق کی جانب سے اسکے عہدِ حکومت کے آخری سالوں میں سلطان ابوسعید کے پاس تبریز گیا تھا اور اخستان کے ایران کے قیام کے دوران ہی محمد بن تغلق کی وفات ہوگئی تھی اور چونکہ محمد بن تغلق کی وفات ۷۵۲ھ میں واقع ہوئی تھی جسکی بنا پر بغیر کسی تامل کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اخستان ۷۵۲ھ تک ایران میں موجود تھا اور ۷۵۲ھ کے بعد وہ ہندوستان کی جانب عازم سفر ہوا لیکن زندگی نے اسکے ساتھ وفا نہیں کی وہ صرف ٹھٹہ کے مقام تک ہی پہنچا تھا کہ اسکی بھی وفات ہوگی۔ لیکن تاریخ محمدی کے اس بیان کی تصدیق دوسری کوئی تاریخ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر نہیں کرتی۔

۱۔ ایران میں ابوسعید نام کے دو بادشاہ گزرے ہیں جن میں ایک آخری ایلخانی بادشاہ ابوسعید نے ۷۱۷ھ تا ۷۵۶ھ تک ایران پر حکومت کی اسکا دار السلطنت تبریز میں سلطانیہ تھا۔[۲]

۲۔ دوسرا ابوسعید نامی بادشاہ تیمور کے بیٹے میران شاہ کا پوتا تھا جو ۸۷۳ھ تک ایران کا بادشاہ رہا۔

مذکورہ بالا بادشاہوں اور تواریخ کے مطالعہ سے اہم سوال یہ اُٹھتا ہے کہ تاریخ محمدی کے بیان کے مطابق محمد بن تغلق نے اپنی حکومت کے آخری ایام ۷۵۲ میں اخستان کو تبریز بھیجا تھا جبکہ ایلخانی بادشاہ ابوسعید ۷۳۶ھ میں فوت ہوا اور ۷۳۶ھ کا زمانہ محمد بن تغلق کی حکومت کے آخری ایام میں نہیں بلکہ ابتدائی سالوں میں شمار ہوتا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اخستان محمد بن تغلق کے دورِ حکومت کے آغاز میں تبریز گیا ہوگا، لیکن چونکہ اکثر

۱۔ رسالہ فکر و نظر: جنوری ۱۹۶۵

۲۔ سلطانیہ زنجان کے قریب ۷۱۰ھ میں محمد خدابندہ نے آباد کیا تھا۔ (منتخب اور فیروز شاہی)

مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس کی واپسی سلطان کی وفات کے بعد ہوئی تھی تو یہ کہنا کسی حد تک صحیح ہوگا کہ اِحستان ابوسعید کے بجائے کسی اور بادشاہ کے دربار میں گیا ہوگا کیونکہ ۷۳۶ھ میں ابوسعید کے زندہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔[1]

اِحستان روایتی اور مروجہ علوم کی تعلیم و تحصیل سے فراغت کے بعد تغلق کے دورِ حکومت میں ''دبیر دیوان الانشاء'' کے عہدے پر فائز ہوئے اور ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے شاہی دربار کے نثر نگار کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔

اِحستان کا شمار دورِ تغلق کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص میں ہوتا ہے اُنہیں عربی وفارسی زبان پر قدرت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کی تفسیر سے آگاہی حاصل تھی۔ اُنہوں نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف میں اپنے اس علم سے نہایت عمدگی کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ ''بساتین'' میں اُنہوں نے چین، اُجین اور قنوج کے بادشاہوں کی داستان بیان کی ہے۔ جسمیں ان کا طرز نہایت عمدہ اور انشاء سے پر ہے، انکے اظہار بیان میں آبِ رواں کی سی روانگی اور دلکشی پائی جاتی ہے۔ اِحستان نے تشبیہات، استعارات اور مبالغہ آرائی کا بھی بھرپور استعمال کیا ہے۔ جس نے کتاب کی اہمیت وافادیت میں خاطرخواہ اضافہ کیا ہے۔

''بساتین'' میں اِحستان نے تاریخی اور تہذیبی واقعات کے ساتھ اپنے عہد کی مصوری، موسیقی اور دوسرے کھیلوں کے ساتھ مروجہ خوشبویات، رسم ورواج اور تہوار وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

اُنہوں نے اپنی تصنیف میں ''فتوح السلاطین'' اور ''تاریخ فیروز شاہی'' کے بالمقابل غیاث الدین کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا ہے۔ وہ تغلق کا ذکر کرتے ہوئے انکی شخصیت کے ہر پہلو کو اُجاگر کرتا ہے اور انکے انصاف وعظمت کی تعریف کرتے ہوئے ''قانونِ خدا'' کے نام سے یاد کرتا ہے۔

اِحستان ایک فارسی نثر نگار کی حیثیت سے اگرچہ کافی مقبولیت کے حامل ہیں، لیکن اس حقیقت سے بہت ہی کم لوگ واقف ہیں کہ وہ ایک باکمال اور عمدہ شاعر بھی تھے۔ خود ''بساتین'' میں انہوں نے متعدد اشعار نظم کئے ہیں اصناف شعر میں قصیدہ گوئی انکا مخصوص میدان ہے۔ قصاید میں انکا ممدوح خاص بادشاہِ وقت ہے۔ جس کی تعریف بیان کرنے کے لئے اُنہوں نے حد درجہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور ایک عمدہ اور بہترین قصیدہ

---

1. ارمغان ایران: ص ۳۴، ۳۷

گوہونے کا واضح ثبوت پیش کیا ہے:

زهی جناب تراکرده آسمان تعظیم   گشاده تیغ تو چون آفتاب هفت اقلیم

ابو المجاهد جم مرتبت محمد شاه   که یافت زینت و زیب از تو افسر و دیهیم

مـدبـران فـلك را دقـایـق تـدبیـر   برای نظم جهان، رای تو کند تعلیم[1]

مورخین کا قول ہے کہ اختسان نے بہترین قصاید محمد بن تغلق کی مدح میں نظم کئے ہیں۔ ایک مرتبہ اس نے محمد بن تغلق کی شان میں ۱۱۴ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ نظم کیا تھا جس میں شاعر نے اپنے آقا کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں اور سلطان کا درجہ آسمان کی بلندی تک پہنچا دیا تھا اس کو سن کر سلطان بیحد خوش ہوا، اور اس نے اختسان کو ساٹھ ہزار دینار اور ساٹھ گھوڑے بطور انعام سے نوازا تھا۔ جسکا مطلع حسب ذیل ہے:

ز دور ایـن فلك شیشه رنگ، اهل هنر   همین خورند چو ساغر مدام خون جگر[2]

اس قصیدے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے شاعر نے اپنی عمر کے آخری آیام میں قلمبند کیا تھا اور اسوقت وہ کافی ضعیف و نحیف ہو چکا تھا۔ ذیل کے اشعار اس قیاس پر تصدیق کی مُہر ثبت کرتے ہیں:

چنان شدم ز ضعیفی که می برد با خویش   صبـا چو بوی گلم هر دمی بهر کشور

بـه ظـاهر ار چه چو ماه نوم نحیف ولی   به باطن است دلم ز افتاب روشن تر[3]

شاعر شاہی دربار میں باریابی حاصل ہونے پر اپنے دل کو فخر و انبساط کے جذبات و احساسات سے پُرمحسوس کرتا ہے۔ وہ خود کو سلطان کا ادنیٰ سا غلام قرار دیتا ہے اسی لئے وہ اپنے آقا سے عفو و درگذر کا بھی طالب ہے۔ اسکا کہنا ہے کہ اسکا قلم اپنے آقا کی تعریف و توصیف بیان کرنے سے قاصر ہے جسکا سلطان مستحق ہے۔ اختسان یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس نے شاعری کے میدان میں سورج کی مانند نام پیدا کیا اور ختن کی زمین کی طرح شہرت پائی۔[4] اسکے باوجود وہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ وہ سلطان کی ہزار مرتبہ تعریف و توصیف کرے تو بھی وہ اسکا حق ادا نہیں کر سکتا۔

خصوصیاتِ کلام:-

اختسان کا کلام عہد تغلق کے دیگر شعراء کے بالمقابل زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ خاص کر انکے کلام کا وہ حصہ

---

۱. انڈو ایرانیکا: ص۲۱، ۱۹۶۵

۲. فارسی ادب: ص۱۰۷

۳. ایضاً: ص۲۳۰

۴. ایضاً: ص۲۳۰

جسمیں محمد بن تغلق کی مدح سرائی کی گئی ہے بے انتہا دلچسپ اور رواں ہے اُنہوں نے اپنے کلام میں قصیدہ گوئی کے تمام اجزائے ترکیبی کے ساتھ شاعری کی دیگر صنعتوں مثل تشبیہات، استعارات اور مبالغہ آرائی کے ساتھ نہایت سادہ اور شیریں الفاظ کا استعمال جس خوبی سے کیا ہے۔ امیر خسرو حسن دہلوی اور چند ایک شعراء کے سوا شاید ہی کسی شاعر کے کلام میں اسکی نظیر ملتی ہو اور ان کی یہی خوبی انکے کلام میں دلکشی اور موزونیت کے ساتھ آسانی اور روانی پیدا کرتی ہے۔ جس سے قاری کو کلام کا مطالعہ کرتے وقت کسی دشواری اور مشکل کا سامنا نہیں ہوتا۔

احستان نے صرف نثر نگاری اور قصیدہ سرائی میں ہی اپنا نام روشن نہیں کیا، بلکہ انہوں نے صنفِ مثنوی اور قطعہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور قصیدے کی طرح مثنوی اور قطعہ میں بھی اپنی استادی اور مہارت کے جوہر دیکھائے ہیں انہوں نے دو مثنویاں نظم کیں ہیں اُن میں ایک تو دوستوں کے فراق میں لکھی گئی ہے اور دوسری مثنوی میں شہر اُجین کے باغ، چشمہ اور وہاں کی خوشگوار اور فرحت بخش آب و ہوا کی تعریف بیان کی ہے:

شهری چو بهشت در نکویی　　　یابی تو درو هر آنچه جویی
هر چشمهٔ که اندر و روانست　　　گوئی که یکی گلا بدانست
بادش چو نسیم باغ رضوان　　　در قالب مرده مید مدجان

احستان کے قطعات بھی انکے قصیدہ اور مثنوی کی طرح عمدہ اور بے مثال ہیں انکے قطعات کا موضوع طنز و تشنیع ہے انہوں نے اپنے اشعار کے ذریعہ اپنے زمانہ کے سماج اور زر پرست لوگوں پر طنز کیا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک قطعہ میں اپنے معاشرہ کی اچھائی و برائی کی عکاسی کی ہے۔ جس سے عہدِ تغلق کے سماجی اور معاشرتی اقدار اور ماحول کا صحیح طور پر اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

جماعتی همه بد خواه اهل فضل و هنر　　　جماعتی همه بد خواه مردم دانا

احستان کی شاعری میں مہارت اور استادی ثابت کرنے کے لئے انکا مختصر دستیاب کلام نقل کیا گیا ہے۔

''در مدح سلطان محمد بن تغلق''

قصیده

[1] زدور این فلك شیشه رنگ،اهل هنر — همی خورند چو ساغر مدام، خون جگر
چو کاغذاست دورو،زآن نمی نهدرگ راست — برای پرورش اهل فضل چون مسطر
برای ریختن خون من کشد پیوست — زآفتاب به هر صبح آتشین خنجر
برآب خویش نماندم از آنکه گردشِ چرخ — مرا چو کوزۂ دولاب کرد زیر و زبر
تنم گداخت به سان شکر درآب، چویافت — حلاوت سخنم را فزون زطعم شکر
زهر هنر چو عیان دید بردلم رقمی — شکست لوح دلم چون صحیفۂ دفتر
مرا که درفن اشعار می شکافم موی — چون شانه اره همی راند از جفا برسر
چنان شدم زضعیفی که می برد باخویش — صبا چوبوی گلم هردمی به هر کشور
جدا ندید کسی رنج برتنم هرگز — چنانچه علت و معلول را ز یك دیگر
اگر به دهر عیان کس ندید جوهر فرد — یکی به چشم یقین گوی سوی من بنگر
چو می ز جام بلورین همی شود پیدا — هر آن دقیقه که درسینه میکنم مضمر
تنم که دیده صفت بود روشناس ،کنون — نهان بماند ز چشم جهانیان چو نظر
ز آتش دلم ارنا وکی کند یاجوج — چو پرنیان گذارند زسدّ اسکندر

به ظاهر ارچه چو ماه نوم نحیف ولی
به باطن است دلم زآفتاب روشن تر



---

[1] ایرانیکا: ص۲۲

قصیده

[۱] زهی جناب ترا کرده آسمان تعظیم — گشاده تیغ تو چون آفتاب هفت اقلیم
ابوالمجاهد جم مرتبت محمد شاه — که یافت زینت و زیب از تو افسر و دیهیم
جهان مجد و معالی که در جهان نرسد — به جز تو، هیچ کسی را بر آسمان تقدیم
مدبران فلك را دقایق تدبیر — برای نظم جهان، رای تو کند تعلیم
هنوز پایهٔ اول بود ز روی شرف — ترا اگر بنهی پا فراز عرش عظیم
به نسبت دل و دست کریم تست به خود — سحاب ممسك و کان تنگدست و بحرلئیم
زهی رسیده به جائی که افتخار کند — به چو بدستی دربان تو عصای کلیم
هوای خلد برین یافت آتش نمرود — مگر که حرز به نام تو داشت ابراهیم
ز رمح تو مددی گر شهاب را نرسد — ز آسما نکنند دفع شر زدیو رجیم
ز خلق تست اثری اینکه در جهان همه سال — هوا هوای بهار است و باد باد نسیم
ز حکم شامل تو زنده شد رسوم هنر — چنانکه از نفس عیسوی عظام رمیم
ز بسکه پیش تو نیزه وران سپر فگنند — زمین رزم نماید چو پشت ماهی شیم
ز هیبت تو جهان فراخ بنماید — به چشم شیر دلان، تنگتر ز حلقهٔ میم
نمود حجت قاطع به رزم خنجر تو — که هست جوهر ارواح قابل تقسیم

سزد که با همه آزادگان فرازم سر
مرا چو بندهٔ خود کردهٔ به لطف عمیم



---

[۱] یہ قصیدہ ۲۸ ابیات پر مشتمل ہے لیکن صرف اسکے ۱۵ اشعار ہی دستیاب ہو سکے ہیں۔ ایرانیکا: ص ۲۱

قصیده[1]

سپهـر بـاز ز تـاثیـر فیـض ابـر بهـار — پر آب خلد برین کرد صحن هر گلزار
بـنـوك خـامـهٔ ابـداع نقش بند صبـا — ببست در چمن از گل هزار گونه نگار
مـگر که نامیه قوت ز روح مانی یافت — کـه راسـت دایـرهٔ گل کشید با پرگار
شدست سرخ بخون پای کبك بس که دوید — پـی نـظـارهٔ گـل پـا بـرهـنـه در کهسار
بـرای مـقـدم نو روز ابـرنیسـان کـرد — هـزار عـقـد گـهـر بـر بسـاط سبزه نثار
شگفت نیست گر از نکهت هوا برود — مـزاج خشـکی از نافه های مشك تتار
سـتـاده سـرو سهی در قیام در یك پای — بـنفشه برده سر اندر سجود چون ابرار

کشیـده سـوسـن آزادهٔ زبـان فـصیـح
هـزار دسـت سوی آسمان گشاده چنار



قصیده

[2]بیـمـن مـقـدم نو روز مژده داد صبا — جهـان چو خلد برین شد ز اعتدال هوا
بـه آبـدستی ابـر بهـار بین که ز آب — چـراغ لاله چنان بر فروخت در صحرا
چو نی زنای گلو میکشد به سوری گل — هـزار دستـان هـردم هـزار گـونـه نوا
بـر آب جـوی مـگـر اوفتـاد سایهٔ بید — کـه مـی بـلـرزد بر خویشتن ز بادصبا
سخن به موسم نو روز خوش نمی آید — مـگـر کـه از لب ساقی و ساغر صهبا
بـنـوش سـاغـر مـی را برغم دور فلك — که نیست در فلك شیشه رنگ بوی وفا
جهان شدست چو خلد برین، تو پنداری — نـمـونـه ایسـت ز بـزم شهنشه والا

---

[1] یہ قصیدہ ۱۸ ابیات پر مشتمل ہے لیکن صرف اسکے ۱۸ اشعار ہی دستیاب ہو سکے ہیں۔ (ایرانیکا: ص ۲۱)

[2] ایرانیکا: ص ۲۳

ابوالمجاهد گردون محل محمد شاه　　که هست آینهٔ خنجر تو فتح نما
ببرد رونق داراب ملك داری تو　　نماند رونق ملك سکندر و دارا
ز فضل حق، تو همه چیز در جهان داری　　مگر دو چیزیکی عیب و آن دوم همتا
گهر فشانی دست تو چون شنید، بماند　　ز شرم جود تو لب خشك و دیده تر، دریا
ز منضفان یکی امروز بحر را دیدم　　که پیش ابر کفت آب می شود زحیا
خزید در صدف و غرق شد در آب ز شرم　　چو دید گوهر تیغ تو لؤلؤی لالا
به انتقام تو مردم گیا کشد لشکر　　ز چین، بر آنکه کشد سر ز حکم تو بخطا
به ابر گو که چرا آب خویش میریزی　　که پیش بحر کفت لاف میزند ز سخا
اگر به خشم بگوئی سپهر را که مرو　　زهیبت تو بماند چو قطب پا برجا
کند چو نیر اعظم همه جهان روشن　　ز نور رای تو گر ذره ای رسد به سها
خدایگانا ز ابنای جنس خود امروز　　ز یمن مدحت تو اندرین زمانه مرا
همه پر آب خراسانست نظم و نثرار چه　　به خاك هند مرا هست مولد و منشا
همیشه تا که ز تاثیر ابر نو روزی　　چمن شود ز ریاحین چو جنت الماوا

نهال عمر تو سرسبز باد و بدخواهت
به بزیر خاك چو بیخ درخت نا پیدا [۱]



قطعہ

جماعتی همه بدخواه اهل فضل و هنر　　جماعتی همه بد خواه مردم دانا
جماعتی که ندانند سنگ را ز گهر　　جماعتی که ندانند اطلس از دیبا
جماعتی که به بازار عقل شان یکسانست　　بهای مهرهٔ سنگین ولولوی لالا

---

۱ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اپنے مضمون بنام Three Little Known Persian Poetsof the time of Muhammad Bin Tughlaq میں اس قصیدے کے چالیس ابیات کی موجودگی کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں صرف ۱۲۱شعار ہی نقل کئے ہیں۔ (ایرانیکا: ص ۲۳)

زخبث باطن ایشان شود چو باد سموم؛ اگر به خاطر شان بگذرد نسیم صبا
به وقت مدح چو غنچه دهان فروبسته؛ به وقت هجو چو بلبل به صد زبان گویا
زطعن شان نشود در فضا یلم نقصان؛ پلید از دهن سگ کجا شود دریا
صحیفه ها ز خجالت گرفته باد و لیك؛ نخوانده نیم رقم هم ز دفتر انشا
زجهل می نشناسند قدردانش من
چنانکه چشمهٔ خورشید چشم نابینا[۱]



قطعه

خدا یگانه در در گهت که فخر کند؛ به پرده داری او صد چو قیصر و فغفور
ز من نیامده یك ذره خدمتی در خور؛ چو آفتاب در آفاق کردی ام مشهور
شدم چو مردم دیده عزیز و روی شناس؛ مرا بعین عنایت چو کرده ای منظور
هزار سال اگر شکر نعمتت گویم
هنوز معترف آید زبانِ من به قصور[۲]

قطعه

اکسیر اعظم است در این روزگار آنك؛ حلقه به گوش دنیئ ناپایدار نیست
یك دل درین زمانه نیابی که روز و شب؛ بر مرکب هوا و طبیعت سوار نیست
با هر که یك نفس بنشینی، حدیث او؛ جز در فضایل زر کامل عیار نیست
میر و وزیر، مفتی و شیخ و فقیر را؛ جز فکر جمع مال دگر هیچ کار نیست
آنکو که نزد همتش این گلخن خراب؛ صد بار به ز گلشن دارالقرار نیست

۱؎ ایرانیکا: ص۲۴

۲؎ ارمغان ایران: ص۳۳

آنکو که بهر حاصل این کهنه خاکدان مانند باد هرزه دوو خاکسار نیست
آن کس فراز مسند عزت نهد قدم کورا به تخت و افسر خصم افتخار نیست
فردا کسی شراب سعادت خورد مدام
کامروز در شراب هوا در خمار نیست[۱]

☆☆☆

قطعه

خرّم آنکس کز سر خوان جهان لقمهٔ خوش ما حضر خورد و برفت
تا تو اندیشی که فردا این کنم
عمر خالی کار خود کرد و برفت[۲]

☆☆☆

مثنوی

شهری چو بهشت در نکویی یابی تو درو هر آنچه جویی
هر چشمهٔ که اندرو روانست گوئی که یکی گلابدانست
زو هر چه نکوست کم نیابی یابی همه جز که غم نیابی
گر پیر بدیدنش شتابد زو عمر گذشته باز یابد
بادش چو نسیم باغ رضوان در قالب مرده میدمد جان
آن شهر که به ز باغ عقبی است چون بزم خدایگان اعلی است
سلطان جهانگشا محمد
کش باد بقای ملك سرمد[۳]

☆☆☆

۱۔ ارمغان ایران: ص ۳۷

۲۔ ایضاً: ص ۳۸

۳۔ ایرانیکا: ص ۲۴

مثنوی

ز بخت خفتهٔ خود در ستیزم — نه دست آویز نه پای گریزم
اگر گویم که از عشقش شدم زار — همی گویند کین اندیشه بگذار
و گر پنهان کنم راز دل خویش — غم و اندوه گردد هر زمان بیش
نماند با حیاتم آشنایی — رود جانم ز اندوه جدایی
ز غم صد چاك بین در دامن من — به روز من مبادا دشمن من
ز غم مردم کرا گویم غم خویش — نمی بینم چو کسی را محرم خویش
از آن در نالهٔ مهجور ماندم — که چون بلبل ز بستان دور ماندم
مرا سودای شیرین در سر افتاد — سزد گر کوهکن گردم چو فرهاد

ز هجر یار در حال چنینم
نه اندر آسمان نه در زمینم[۱]



۱ ایرانیکا: ص۲۵

نوٹ: پہلی مثنوی ۹ ابیات پر اور دوسری ۱۳ ابیات پر مشتمل ہے لیکن ہمیں صرف دونوں مثنویوں کے مندرجہ بالا اشعار ہی حاصل ہو سکے ہیں۔
(ایرانیکا: ص۲۵)

''حاجب خیرات دہلوی''

مشہور اور قدیم ترین فرہنگ ''دستور الا فاضل فی لغات الفضایل'' معروف بہ ''دستور الا فاضل'' کا مولف حاجب خیرات دہلوی مشہور بہ رفیع اگر چہ شاعر تھا لیکن وہ اپنی فرہنگ کے سبب کافی مقبولیت کا حامل رہا ہے۔ فارسی کی قدیم فرہنگوں میں ''دستور الا فاضل'' اپنی قدامت کے سبب چوتھے نمبر پر اور ہندوستان میں مرتب شدہ فرہنگوں میں دوسرے نمبر پر شمار ہوتی ہے۔ یہ فرہنگ سلطان محمد بن تغلق شاہ کے عہدِ حکومت (۲۵۔۷۵۲ھ) میں ۷۴۳ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی جسکی تصدیق خود حاجب کے درج ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

ز ھجرت بود ھفصد باسه و چل　　مرتب گشته دستورِ الافاضل[۱]

اس فرہنگ کو پروفیسر نذیر احمد صاحب تحقیق و تحشیہ کے ساتھ ایران سے شائع کر چکے ہیں۔

حاجب کے حالات زندگی بیان کرنے کے سلسلے میں تمام تذکرے خاموش ہیں۔ جو اطلاعات بھی ہمیں حاصل ہو سکیں انکا واحد ذریعہ خود انکی فرہنگ ''دستور الا فاضل'' ہی ہے۔ اس فرہنگ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجب خیرات دہلی کا باشندہ تھا۔ محمد بن تغلق کے عہدِ حکومت میں گردش زمانہ کے باعث اپنے وطن دہلی کو خیر باد کہہ کر ''بیر'' نامی ایک مقام کی جانب ہجرت کی۔ مصنف نے اپنے حالات کو دستور الا فاضل کے مقدمے میں مندرجہ ذیل عبارت میں بیان کیا ہے:

> "امابعد می گوید مولّف این تالیف و مصنف این تصنیف بندهٔ ضعیف رفیع ممکن اندوه و بلیات معروف به حاجب خیرات ـــــ که چون چرخ سر گردان بنده را درسر گردانی باخود یار گردانید وازوطن اصلی و مسکن کلی یعنی حضرت دهلی از نزدیکی به دوری مبتلا کرد و لشکر حوادث چنان برمن مزیت که از دست چپ وراست خود نشناخت۔ چون قوت مقاومت نداشتم به ضرورت خود را در سر گردانی انداختم و عصای سفر درمشت و قلم سیاه روی غربت در انگشت گرفتم"[۲]

---

۱. دستور الا فاضل: ص ۱۰

۲. ایضاً: ص ۱۰

بیر میں حاجب کی ملاقات شمس الدین نامی ایک رحمدل علم دوست اور ادب پرور انسان سے ہوئی۔ انہوں نے جب حاجب کو دربدر کی ٹھوکریں کھاتے اور پریشانی میں مبتلا دیکھا تو انکو اپنے ساتھ اپنے صدر مقام استاد آباد[۱] لے گئے اور اپنے دربار میں بلند مرتبہ عطاء کیا۔ جہاں حاجب انکے دستِ نوازش سے فیضیاب ہوئے اور ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے علم معرفت کی درسگاہ کے منتظم مقرر ہوئے۔ ایک مرتبہ دربار میں علم لغت پر بحث و مباحثہ ہو رہا تھا انہوں نے بھی بحث میں حصّہ لیتے ہوئے فخر الدین قواس کی فرہنگ[۲] کا ذکر کیا اور اسکی تعریف بھی کی جو علم لغت میں ان کی مہارت کا اظہار تھا۔ شمس الدین نے اسکی مہارت سے متاثر ہوکر ایک فرہنگ مرتب کرنے کا حکم دیا۔ حاجب نے اپنے سرپرست کی خواہش پر فرہنگ ''دستور الافاضل کو استاد آباد میں رہ کر مکمل کیا۔

حاجب کو نہ صرف فن لغت میں دستگاہ حاصل تھی بلکہ وہ شاعری کی پر پیچ راہوں سے بھی آشنا تھا اس کا شمار بھی عہدِ تغلق کے شعراء کی فہرست میں آتا ہے۔ فرہنگ کے مقدمے اور خاتمہ میں درج قطعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کے پہلے ممدوح وہی صدر شمس الدین ہیں جنہوں نے مشکل اوقات میں حاجب کی مدد کی تھی۔ شمس الدین جنجیری کا تعلق ہریانہ کے ایک ضلع ''فیروز پور'' کے ایک علاقے جنجیر[۳] کے باعزت خاندان سے تھا۔ خود صدر شمس الدین ''استاد آباد'' کا صدر تھا۔ استاد آباد دکن میں گلبرگہ کے نزدیک واقع ہے۔ یہ علاقے محمد بن تغلق کی سلطنت کی قلمرو میں شامل تھے۔ اس قصبہ میں عادلشاہی چار بادشاہوں کے مدفن ہونے کے علاوہ کثیر تعداد میں عرفاء کے مزار بھی موجود ہیں۔ جسکی وجہ سے یہ جگہ دکن کی عوام کے لئے لایق احترام ہے۔

حاجب کے ذیل کے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس الدین کے والد کا نام احمد بن علی تھا:

گوهر پاك احمد بن علی   صدر آفاق و شمس دولت و دین[۴]

شمس الدین کے والد کا شمار بھی اپنے زمانے کے باعزت امراء میں ہوتا ہے۔ احمد بن علی کے توسط سے ۷۳۸ھ میں تحریر شدہ ایک کتبہ[۵] سے ظاہر ہوتا ہے کہ احمد بن علی محمد بن تغلق کے عہد حکومت میں وزارت کے عہدے پر فائز تھا اور ملک الشرق قوام الدین قتلغ خان نے ایک مسجد احمد بن علی کے ایام وزارت میں تعمیر کرائی تھی۔[۶]

حاجب کا دوسرا ممدوح ایران کا مشہور و معروف شاعر رشید الدین وطواط ہے شاعر نے اسکی مدح میں ایک قطعہ نظم کیا ہے۔ حاجب بڑے سادہ اور آسان لفظوں میں اپنے ممدوحین کی تعریف کرتا ہے جو آسانی کے

۱۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے استاد آباد کا حالیہ نام گوگی لکھا ہے۔
۲۔
۳۔ جسکا موجودہ نام جنیر ہے۔
۴۔ دستور: ص ۱۳
۵۔ یہ کتبہ آج بھی میسور کے ایک ضلع بیدر کلیانی میں موجود ہے۔ دستور: ص ۱۴
۶۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مسجد کس شہر میں تعمیر کی گئی تھی۔

ساتھ قاری کو اپنی جانب متوجہ کر لیتے ہیں۔

عہدِ تغلق کے بیشتر شعری نمونے ضائع ہونے کے سبب حاجب کا کلام بھی انتہائی مختصر دستیاب ہوتا ہے مگر شاعر کے مختصر ترین اشعار اپنی قدامت کے باعث اہمیت سے خالی نہیں۔

شاعر کا جو بھی مختصر کلام ہمیں حاصل ہو سکا وہ نقل کیا جاتا ہے۔

قطعہ

چو دستور افاضل شد مرتب — مرا واجب دعا باشد دل شب
خداوندا به حق نیك مردان — به چشم مردمان مقبول گردان
چنانش سر بلندی ده به عالم — که گردد بابنات النعش همدم
سر افرازی کند با ماه و پروین — برندش نسخه سوی مصرو غزنین
کسی کین عین نسخه باز جوید — دعا[1] به حاجب[2] خیرات گوید
زهجرت بود هفصد باسه وچل — مرتب گشته دستور افاضل

بیامرز از کرم گوینده اش را
بکن مغفور مر جوینده اش را[3]



قطعہ

استاد سخنوران عالم — فرزانه رشید دین و طواط
شیدا ز فضایلت ارسطو — دیوانهٔ لفظ تست بقراط
درپیش تو شاعران عالم — چون پیش خلیفه خلق اوساط
شد کاتب چرخ در خط از تو — شاگرد صفت به پیش خطاط

---

۱ دستور: دعای، تصحیح قیاسی

۲ اصل حاجات

۳ دستور: ص۹

روی فضلا ز رشك تو زرد چون عورت حامله ز اسقاط
در جمله گوشها رسیده نظم سخنت چو دُر در افراط

هر چند مدایحت نویسد
از طبع رفیع نبود افراط [۱]

☆☆☆

قطعه

گوهر پاك احمد بن علی صدر آفاق و[۲] شمس دولت و دین
نثر طبعت همه دُر منثور نظم الفاظ تست دُر ثمین
همه اشعار تو پر آب زلال همه ابیات تست ماء معین
گل ز روی تو عطر خواهنده نافه درپیش خُلق تو مسکین
زینت عالم از در و گهراست یافت در و گهر زتو تزئین
ماه نو از کمیت تازی تو یافته نعل هر مهی زرین
رشك درهای لفظ تو هر سال درپس پرده می شود پروین
سعد شد مشتری هم از نظرت گه گه از لطف سوی ماهم بین
مدح ذات تو که تواند کرد گر شود جمع آسمان و زمین

تیر گردون مسخر قلمت
باد دایم ز فضل حق آمین [۳]

☆☆☆

---

۱ دستور: ص۱۱ (یہ قطعہ رشید وطواط کی مدح میں نظم ہوا ہے)

۲ 'و' قیاسی

۳ دستور: ص۱۳

قطعہ

سـوادش را بـود بـر دیهـا جـا[۱] | بیـاضـش چـون بیـاض صبح پیدا
بـکـرد تـا جـملـه خـراسـان[۲] | افـاضـل را فضایل گردد آسان[۳]



---

۱ کذا

۲ کذا

۳ ان دو اشعار کے اضافے کے ساتھ فرہنگ کے خاتمہ میں وہی قطعہ درج ہے جو مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

امیر اختیار الدین

امیر اختیار الدین کا شمار بھی عہدِ محمدی کے اُن غیر معروف شعراء کی صف میں ہوتا ہے جس میں مغیث اور انکے دیگر ہم عصر شعراء شامل ہیں۔ شاعر کے آباواجداد اور انکے حالاتِ زندگی کی معلومات فراہم نہیں ہوسکیں اور نہ ہی ان کا کلام دستیاب ہوتا ہے۔ پروفیسر شعیب اعظمی صاحب لکھتے ہیں کہ

''دواوین شعراء میں انکا نام تو ضرور شامل کیا گیا ہے لیکن انکا نادر اور نایاب کلام صفحۂ قرطاس پر نہیں ملتا''۔[1]

تاریخ فرشتہ میں امیر اختیار الدین کو اخستان کے نام سے متعارف کرایا گیا ہے۔ لیکن صاحبِ فرشتہ غلط فہمی کا شکار تھے کیونکہ اسی عہد کے اخستان نامی ایک شاعر بھی گزرے ہیں جن کا تعلق محمد بن تغلق کے دربار سے تھا۔ شاید یہی سبب تھا کہ صاحبِ فرشتہ نے اختیار الدین کو اخستان کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے بھی اپنے ایک مقالے[2] "Three little known Persian Poets of the time of Muhammad Bin Tughlaq" میں اخستان الدین اور اختیار الدین کو دو الگ الگ شخصیت قرار دیتے ہوئے ان کے شعری نمونے بھی نقل کئے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اخستان اور اختیار الدین دو مختلف ہستیاں تھیں۔

اختیار الدین کا بھی تمام کلام اُس عہد کے دیگر غیر معروف شعراء کی مانند زمانہ کے نشیب و فراز سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ صرف اُن دو قصاید کے علاوہ جو مجموعہ سے دریافت ہوئے ہیں جو محمد بن تغلق کی شان میں نظم کیے گئے ہیں۔ شاعر کے دونوں دریافت قصیدوں سے شعر گوئی میں اس کی مہارت کا علم ہوتا ہے۔

اختیار الدین کا ممدوحِ خاص بھی سلطان محمد بن تغلق ہے۔ وہ اپنے محسن اور سرپرست کو دنیا کا عظیم ترین بادشاہ بتاتے ہوئے ایک طرف تو اسکو دین پرور، سکندر، مردِ مجاہد جیسے نام سے یاد کرتا ہے دوسری جانب وہ محمد بن تغلق کی نغمہ وساز اور عیش ونشاط سے پُر محفلوں کا ذکر بھی کرتا ہے۔ شعر گوئی میں اختیار کی مہارت اور طرز کا اندازہ اسکے مختصر کلام سے بخوبی ہوتا ہے۔ انہوں نے صنائع وبدائع کا استعمال بھی کمال مہارت سے کیا ہے اسکے علاوہ عام

---

[1] فارسی ادب: ص ۲۲۰

[2] ایرانیکا: ص ۲۶، ۱۹۶۵ء

تشبیہوں جیسے ماہ، غنچہ، شگفتہ، چمن وغیرہ کا بھی اپنے قصاید میں استعمال کرتا ہے۔ جس سے انکے کلام میں سادگی کے ساتھ دلکشی اور روانی آجاتی ہے اختیار نے تمام شعری محاسن کو بروئے کار لاتے ہوئے قصیدہ گوئی کا میدان کامیابی و کامرانی کے ساتھ عبور کیا ہے۔

اختیارالدین کے دونوں قصاید نقل کئے جاتے ہیں۔

''درمدح محمد بن تغلق''

[۱] با طالع خجسته و فیروزی و ظفر — فرخنده باد مقدم فرمانده بشر
شاه جهان محمد تغلق که زیبدش — برخوان جود حاصل کونین ماحضر
یوسف لقا و نوح بقاء و مسیح دم — موسیٰ کلام خضر پیی مصطفی سیر
ای ز نسیم لطف تو یك نفحه صد بهشت — وای از سموم قهر تو یك شعله صد سقر
هم لوح از نفس مدیح تو حرز جان — هم عرش راز کر سیی قدرح تو تاجِ سر
جُز دست دُر فشان تو آری ندیده ام — کانرا همیشه دُر جواهر بود مطر
نی نی چه ابر بر دل اینست بیش او — بحریست لیك موج کفش جمله سیم وزر
بحری کی گاه موج عطا برد از او — بی ز ورق فلك نبود وهم را کدر
در عهد پادشاهی تو هر کجا کسیست — کس خار خاورست وگر شاه با خبر
امروز دست پیش تو بندد به احتیاج — گر با شدش زمنطقۂ آسمان کمر
از لطف و قهر تو همه تدبیر سعد و نحس — در مهر و کین تو همه تقدیر خیر و شر
مضطر شدی ز لشکر زنگ ار نبا شدی — خرشید راز چشمۂ تیغ تو آب خور
پیش کمان کردۂ حکم تو از قیاس — گل مهره ایست کوی زمین نیك مختصر
از فرط معدلت نکند در زمان تو — گرگ سحر سوی رمۂ آسمان نظر
طوطی مثال ناطقه را تا زبان بود — باشه همیشه در دهن از شکر تو شکر

۱؎ مجموعہ: ج اوّل، ص ۹۰

لعلی که پیش خلق ندارد بسیی بها
آن به که هم بکوه بد خشان کند مقر

بر اوج نه محیط فلك موج می زند
دریای همت من و آبم نه بر جگر

با غنچهاء تازهٔ گلزار آسمان
هر شب شگفته می شود از شام ما سحر

هر سال تازهٔ باد زدیوان روزگار
منشور مملکت تو به پروانهٔ قدر

هر ماه باد بهر مباهات اختران
خلخال خنك دولت تو حلقهٔ قمر

هر روز باد کوکبهٔ عزتِ ترا
تا روز حشر از مدد آسمان حشر

هر لحظه باد قافلهٔ فکرت ترا
همت به سوی عرصهٔ تحقیق راهبر



''درمدح سلطان محمد بن تغلق''

نام تو شاه شاه مظفر نهاده اند
بر روی لوح عزت مقرر نهاده اند

سلطان ابو المجاهد حامی ملك و دین
رایت ورای رای سکندر نهاده اند

رایت چه رایضیی است که از چرخ تندرا
از مه برای رای توزین برنهاده اند

زان روی سرکشان سلاطینِ روزگار
از عجز فخر بردر تو سر نهاده اند

بر ران روی توسنان فلك در ازل به فخر
داغ عطاء شاه مظفر نهاده اند

در مرتبه غلام غلامان شاه را
افزون ز ارد شیروز قیصر نهاده اند

عمر تو از قیاس فزون بر گرفته اند
قدر تر از فر قد برتر نهاده اند

در جنب همت تو شده هر دو کون را
ارباب عقل رای محقر نهاده اند

اندر ازل قضا و قدر رزق خلق را
در دست همت تو مقدر نهاده اند

گرمرحمت شود بنویسم یکی غزل
در وصف آنکه نامش دلبر نهاده اند

یـا قوت و لعل پیش لبش سر نهاده اند
سـر زیـر بـاش سـرو صـنوبر نهاده اند

دامـی بـکـرد خـاك سیـه بر رُخ چومه
زان زلفِ تـابـدار مـعنبـر نهـاده انـد

شیرین لبش کی شکر ثانیست[1] نام او
امـروز رشك قـنـد مـكـرر نهـاده اند

تـادیـده انـد نقـشِ خطِ حسن روی او
صورت گرانِ چین همه دفتر نهاده اند

مبهـم دهــان اوسـت ولی در لسـان او
آبِ حیات بین که چه مضمر نهاده اند

آن را که عاشقان همه عاشق برآن شوند
آنسـت ذات او کــه مـصور نهاده اند

از بـحـر بـزم سـایـهٔ یزدان چو آفتاب
امروز روی اوست کی در خور نهاده اند

از بهـر مـجـلــس سلطـان دین وداد
حسـن و راچـه لایق در خور نهاده اند

شـاه جهـان مـحمد تغلق کی خالباش
برسر شهان به فخر چو افسر نهاده اند

تـا سـاز تـار عـود بـه نـغـمه گرفته اند
تـا سـوز جان[2] عـود در آذر نهـاده اند

شـاهـا بـمان به دولت شادی و خرمی
چـنـد آنکه سیر انجم و اختر نهاده اند

برخور ز تاج و تخت که دربار کائنات
دلبـر بـقـــاء مـلك تـو یکسر نهـاده اند[3]



---

۱ کذا

۲ ایرانیکا: تار، تصحیح قیاسی: جان

۳ مجموعہ: ج اوّل، ص ۹۰

منتجب الدین اثیر

منتجب الدین[1] تخلص بہ اثیر عہد تغلق کے گمنام شاعر احستان الدین اور امیر اختیار کے ہمعصر کا شمار بھی تغلق دور کے غیر معروف شعرا کی صف میں ہوتا ہے ان کے حالات زندگی پر بھی گمنامی اور تاریکی کا گہرا پردہ پڑا ہوا ہے۔ دیگر شعراء کی مانند انکا ذکر بھی کسی مورخ یا تذکرہ نگار نے نہیں کیا ہے مجموعۂ لطایف و سفینۂ ظرایف کے علاوہ انکا کلام بھی کسی دوسرے تذکرہ یا تاریخ سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ مجموعۂ لطایف کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ شاعر محمد بن تغلق کے دور میں گزرا ہے اور اسکا تعلق ملک مجیر ابورجاء سے تھا جسے وہ شمس دول دبیر مجیر ملک کے نام سے یاد کرتا ہے جو محمد بن تغلق کے عہد میں کسی اہم عہدہ پر مامور تھا لیکن برنی نے ملک مجیر کا نام سلطان کے وزراء اور امراء کے حوالہ سے تحریر کیا ہے۔ جبکہ بدایونی نے منتخب التواریخ میں اسے مجید ابورجا لکھا ہے جو غلط ہے کیونکہ عہدِ تغلق میں مجید الدین ابورجاء نام سے کسی شخص کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ مجیر ملک ابورجا کا تعلق ابورجاء نام کے ایک قبیلہ سے تھا جو دوآب میں جاگیر دار تھا۔

اسکا چچازاد بھائی شمس الدین ابراہیم حسن ابورجا فیروز شاہ تغلق کا سپہ سالار تھا جس نے بادشاہ کے امراء اور مصاحبین کی تفریح کے لئے علم موسیقی سے متعلق ''غنیۃ المنیۃ'' کی تصنیف کی اہم ترین ذمہ داری اعز الدین خالد خانی کے سپرد کی۔

اسکے علاوہ فیروز شاہ کے دور کے ایک غیر معروف شاعر برہان الدین بڑھانی کا ایک قصیدہ مجموعۂ لطایف میں نقل ہوا ہے جسمیں یوسف احمد ابورجاء کی مدح سرائی کی ہے۔ تغلق عہد کے مختلف تاریخی حوالہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مجیر ملک اور شمس الدین ابورجاء کا رشتہ چچا اور بھتیجہ کا تھا لیکن یوسف احمد ابورجاء کا مجیر ملک اور شمس الدین ابورجا سے کیا رشتہ تھا اسکا علم نہیں ہو سکا۔ البتہ ابورجاء کی نسبت سے یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ یوسف ابورجاء کا تعلق بھی مجیر ملک اور شمس الدین کے خاندان سے ہوگا۔

اگر ہم تغلق سلاطین اور انکے امراء وزراء کے ساتھ انکے ماتحت کے کارناموں کا بھی مطالعہ کریں تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تغلق سلاطین کے ساتھ انکے عہدیدار خواہ وہ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوں یا

---

[1] عہدِ تغلق میں اسی نام کے ایک صوفی بزرگ بھی گزرے ہیں جو شیخ برہان الدین غریب کے بھائی تھے۔ بلگرامی نے اپنی تصنیف روضۃ الاولیاء میں انہیں زرزری زربخش لکھا ہے۔

کوئی معمولی عہدہ انہیں تفویض کیا گیا ہو، اپنے فرمانرواؤں کی طرح علم دوستی اور ادب پروری انکی ذات کا اہم حصہ رہی تھی۔ جسکے باعث انکے عہد کے شعراء یا ادباء کا نثری یا شعری سرمایہ تغلق دور کے فارسی ادب کے خزانہ میں اضافہ کا سبب بنا۔

خصوصیاتِ کلام:

منتجب الدین کا موجودہ کلام ۷ قصاید اور ۸ غزل پر مشتمل ہے یہ تمام قصاید اس نے اپنے ممدوح مجیر ملک کی تعریف میں نظم کئے ہیں۔ شاعر کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسکا تعلق صرف مجیر ملک ابورجاء ہی سے تھا جو بادشاہ وقت کا وزیر تھا ان تمام قصاید میں اس نے صرف اپنے محسن کے گن گائے ہیں۔ محمد بن تغلق یا کسی دوسرے بادشاہ اور امراء وزراء کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے منتجب مجیر ملک کی بہادری اور جوانمردی کی تعریف کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

[۱] هر دشمنی کی با تو ببندد کمر به کین بنگر کی زود بشکند اورا خدا کمر

منتجب الدین نے ایک قصیدہ میں اپنے محسن کے کرم اور اسکی نوازش کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

[۲] روزی زره بنده نوازی که کارتست فرموده بوده ای به کرم بنده را کمر

شاعر کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکو نہ صرف فن شعر سے آگاہی حاصل تھی بلکہ وہ شعر گوئی پر مکمل مہارت اور قدرت رکھتا تھا۔ اس نے اپنے اشعار میں روایتی شعراء کی طرح عام تشبیہوں کا برمحل استعمال کیا ہے جو شعر گوئی میں اسکی استادی کو ظاہر کرتی ہیں۔ درج ذیل اشعار میں وہ دہان کو غنچہ سے ہونٹوں کو لعل سے اور قد کو سرو سے تشبیہہ دیتا ہے۔

غنچه از شرم دهان تو دهان گرد آورد سوسن از تر سخنیی تو زبان گرد آورد
به لبت لعل چه ماند نه همانست آخر آنك خرشید پروردش وکان گرو آورد
تا ترا سرو رواں شد به چمن کبك دریی پادر دامن کهسار روان گرد آورد

منتجب الدین اپنے قصاید میں صنائع و بدائع کے ساتھ مبالغہ آمیزی کا بھی استعمال کرتا ہے اور اسکا یہ

۱۔ مجموعہ: ج اوّل، ص ۱۱۱

۲۔ ایضاً: ص ۱۱۱

فن اسکے اشعار سے صاف ظاہر ہوتا ہے خاص کر وہ اشعار جسمیں اس نے صنعت ردالعجز علی الصدر کا استعمال کیا ہے اسکی مہارت کا ثبوت ہیں۔

بادشاها به سفیدی دل، دل شد کان هم نبودی که بدان شد دل ابرار سفید
تا رُخ صبح سفید ست و دل شام سیاه تا بود آن اثر روز شب تار سفید

منتجب الدین اثیر کی مہارت اور استادی کو ثابت کرنے کے لئے اسکا دستیاب کلام نقل کیا جاتا ہے۔

قصیده

ماهی و دور مه به جفایت نمی رسد باغی و هیچ بوی وفایت نمی رسد
از صد یکی شگفته نگردد گل بهار تا شمۀ زباد هوایت نمی رسد
هر چند سرو سبز قبا در رُخ هوا در می رود به سرو قبایت نمی رسد
از رُخ همین ترا رسد از قُرص آفتاب آخر چرا لبی به گدایت نمی رسد
جانافتد کی دیده به پایت کنم نثار پس چون کنم که دیده به پایت نمی رسد
گه گه رسد به کوه بلائیی بود بزرگ زان کی بدان سرین بلایت نمی رسد
گردون کی حقه ایست دغا باز بوالعجب در کعبتین چشم دغایت نمی رسد
شکرست جای شکر که از چشم جادوت در گوش کلك صدر شکایت نمی رسد

شمس دول، دبیر شهنشهه، مجیر ملك
کز هیچ جا سپهر به جایت نمی رسد[۱]



---

۱ مجموعہ: ج اوّل، ص ۹۱

قصیده

ای خـوش آن وقتی که ساقی باده در ساغر کشد
چون یکی را در کشم ساقی سبك دیگر کشد
صبـح هـر روزی حـدیـث بـاده درمـامی دهد
سـاقیـا آخـر دران دم دل سـوی سـاغر کشد
بـاده دانـی چیست آبِ زندگانی و حق است
حق به دست ساقیست آن باده بیشم گر کشد
تـا مـگـر سـر رشتـه از عـقل کفم بیرون فتد
دل هـمـی آن رشتـه را در گوهرمی در کشد
هم کنون[۱] بـا شد شباشب نا گهان ماه صیام
از ستـاره بـر سـر خیل طـرب لشکـر کشد
زان به سنگ انداز مشغولیم زین پس با طرب
پیـش روی غـم یـکـی دیـوار سنگین بر کشد
گـریه در چشم صراحی افتد و دل خواهد آنك
جام می چون نرگس ولاله به چشم و سر کشد
دل زدسـت روزه ام افتـاد در آب سیـاه
سیـد السـادات آن را مـی تـوانـدبـر کشـد
چـون بـه استـصـواب بخت از آفتاب تیغ زر
سـوی دشـمـن لعنة اللّٰه همچنان لشکر کشد

---

۱ اصل: کنون: تصحیح قیاسی

چشمهٔ خر شید چون شب بست گردد، بر فلك
هـر چـه گـرد لشـکـر مـنصور بالاتر کشد
تـا چـو آمـد از فـلك گـردد زبـالانـا مـزد
بـگذرد زان بل به سوی خدمت صفدر کشد
از عـنـانـش بـاد غـرمـش دوالك بـاشـود
وز رکـابـش زلـزلـه در کوه و درك در کشد
و انـدران روزی که در میدان بیـارایند[1] صف
هـر سری پیـش سـر انـدازان بردر سرکشد
کـو بـردارد چو آرد اوسـنـان بـرپشت کوه
ورسیـه پیـش دل دشـمـن از دیـگـر کشـد
گـویـی[2] بـر روی دریـا بـادمـی بـا فـدزره
چون[3] امیـر الساده در دولت زره دربر کشد
شعله ای زد گویی برق از ابرچون در معرکه
دست ابـر آسـا نهـد بـر تیغ و نـعره بر کشد
زرد بـر گـردد کـمـر در بزم چون گوهر دهد
سرخ رو گردد ظفر در رزم چون خنجر کشد
تیـغ طـوطـی رنگ او بـاجـان شـریـنِ عـدو
خو گرفت آری دل طوطی سوی لشکر کشد
خـصم را اوّل کـمـنـدش رشتهٔ بخشد دراز
بـعد ازان همچو سگ پوزیش در خیبر کشد[4]

☆☆☆

---

[1] اصل: بارند، تصحیح قیاسی

[2] کذا

[3] اصل چو، چون اضافه قیاسی

[4] مجموعہ [illegible] ص ۱۱۰

قصیده

ای[1] سرو را ز قد تو نام و نشان بلند وای کار سرو کرده ز سرو روان بلند
از رویی تو که بر سر سرو بلند تست گشته است با نگار گل و ارغوان بلند
الحق بر آید از سر شمع سپهر دود گر آتش رخت شود ای دلستان بلند
از چشم تو بر فگند گرچه آفتاب دارد به کف میان رمه و کمان بلند
از بیم آنك قد تو سردر کند به باغ گردست سر و پای خود از بوستان بلند
پروین بگو چگونه به دندان تو رسد دندان او به چرخ نبینی چنان بلند
گوش بنفشه باز کن ای سرو لاله رُخ و از خط مشکبار یکی باز خوان بلند
در عشق تو چگونه رسد نالهٔ اثیر چون هست مسند تو ای[2] صدر جهان بلند
شمس دول خلاصهٔ دوران مجیر ملك ای هر چه زان بلند تر آمد ازان بلند
والا دبیر شه کی عطارد دبیر چرخ ز اقبال تو گرفت مقام و مکان بلند
ز آب حیات طاس فلك پرهمی شود از بس کی می شود سخنت هر زمان بلند
زین سا سخن بلند چنان خلق خوش که گوش در عُمر نشنود سخنی ازان زبان بلند
گوش بنفشه شد ز کری باز تا بخواند بلبل ز لطف خلق تو یکداستان بلند
شد صید باز همت تو کرکس فلك با آنك داشتست چنان آشیان بلند
بختت ز فرخبی چو هما یست بس چه باك با آنك هست دشمنت از استخوان بلند
یا رب فلك چگونه همی بوسد آستانت زان سان که می نمایدم آن آستان بلند
نی نی چه جای بوسه خود آنجا کجا رسد در غایتی کی دیده ام این است وآن بلند
بر بام قصر تو نرسد هفتم آسمان گیرم ز چوب سدره نهد نردبان بلند
گر بشنود شود چو زمین پست آسمان قدر تو لیك می شود از آسمان بلند

---

۱ مجموعہ: ج اوّل، ص ۱۱۰

۲ اصل 'در' تصحیح قیاسی

ایمن شدست در شب خطت جهان چنانك — کس بیش نشود نفس پاسبان بلند
تا به آسانی[1] تو فروشد بر اختران — گیرد زحل به طارم هفتم دکان بلند
شعری است آن مگوی کی شعریست از ثاب — یك سر ردیف اوز سر فرقدان بلند
از بنده چرخ دود بر آورد، لطف کن — کز دولتت چو دود شود ناگهان بلند
از برق تا بسوختگان ابر نو بهار — اندر هواء باغ ندارد فغان بلند

بد خواه سوز و بزم نشین در چمن چو گل
آمین کنید و دست برآریدهان بلند



قصیده

غنچه[2] از شرم دهان تو دهان گرد آورد — سوسن از تر سخنی تو زبان گرد آورد
به لبت لعل چه ماند نه همانست آخر — آنك خرشید پر وردش وکان گرد آورد
خواست که اندیشه برد ره به دهان عیانت[3] — تنگ باریك رهی دید عنان گرد آورد
تاترا سرو روان شد به چمن کبك دریی — پای دامن کهسار روان کرد آورد
رویت آورد خطی گرد مرا آفت جان — از کجاروی تو این آفت جان گرد آورد
همه از بهر دوات ملك الکتا بست — آنك از مشك خطت موی کشان گرد آورد
شمس دین میر دبیران توی آن دریایست — کز کفت این[4] حبابی به فغان گرد آورد
هم ز خط تو در آب سیه افتاد گهر — هم ز کلك تو صدف آب دهان گرد آورد
ماه از روی منیرت هم از اوّل به شکست — کز ستاره حشمی نیك گران گرد آورد
باکفت بادهمون باد بود آنك چمن — زر به هنگام دم باد خزان گرد آورد
شعلهٔ رایتو تادید بگردون همه شب — ماه خرمن زره کاهکشان گرد آورد

---

۱ کذا
۲ مجموعہ: ج اوّل، ص ۱۱۰
۳ کذا
۴ کذا

روز بـاز ار کـه خرشید فلك داشته بود　　از کفت دست چو ابر تو دوکان کرد آورد
قـرص خرشید که سبزه است بلو سفره چرخ　　سوخت از دیدن آن مطبخ و خوان گرد آورد
چـرخ می گشت پریشان ز چه از بس پیری　　رایت از دولت آن بخت جوان گرد آورد
فـکـر مـابنده به مدح تو خصوصاً بنگر　　کین چنین طرفه رذیفی به چه سان گرد آورد
عـرضه دارد سخنی که آن ز شکوهت صدبار　　به دهان آمده بی هیچ گمان گرد آورد
گـرچـه دارد که ندارد به جگر بر آبی　　هـر کس از دولت آخر لب نان گرد آورد
تـاز کافور رُخ صبح ز عکس خرشید　　گیسوی مشك وش شام جهان گرد آورد
زیـر فـرمـان قـلم بـاد تـرا شام و خُتن
که از و مشك بخروار تو ان گرد آورد

قصیده

ای[۱] بستـه بهـر بـردن دل بـرقبا کمر　　تـا چیست یا رب از سر مویست یا کمر
تـا بستهٔ کـمـر بـه میان همچو نیشکر　　از شـرم نیشـکـر بـه زمین رفت تا کمر
بـگـرفـت سر بسر کمرت لعل معدنی　　تـا بستـهٔ بـه خـوان دلـم از جفا کمر
گرباد هانت غنچه نبندد دهان خویش　　کـمتـر بـرد دُرسـت ز بـادصبا کمـر
گر باد بشکند کمر غنچه بر حق است　　از بـاد خود شکسته شود بی خطا کمر
دوش از خـمار خاستی واسب خواستی　　گشت اسب و از بار سرینت دوتا کمر
گشتی سوار وبسته شدی در شکار دل　　از بخت خویش و دولت محد[۲] و مـا کمر
شـمـس دول دبیـر شهنشـه دبیر ملك　　ای بسته پیش فـضـل تو صد بو العلا کمر
گـویی عـطاردست به جوزه در آمده　　بـربستهٔ بـه دولـت و اقبـال تـا کـمر
تیـر فـلك کشـا دلـم درمیـان نهـاد　　تـابستـهٔ ز تـربیـت بـادشا کـمر

---

۱ مجموعہ ج اوّل ص ۱۱۱
۲ کذا

برخویش مشك خشك شد از بیم ثابتست کلـکت به خون نافهٔ مشك خطا کمر

بـگشـاد بهـر مدح تو هـر کـرا زبـان بـر بسته بهـر خدمت تو هر کجا کمر

از خـلـعـت تـو لالــه همـه در قباء لعل دایـم ز بـخشــش کـمـرت کوه تا کمر

هـر خـصـم اگر جدا کمر زر کند به عکس هـمـچو حروف ز رشود او را جدا کمر

هـر دشـمنی کی باتو ببندد کمر بکین بـنـگـر کـی زودبشـکند اورا خداکمر

سنگست و خصم و آن کمر اوچه لازمست لازم بـودهــر آینــه در آسـیا کـمـر

جـو زا چـه کـس بود که میانش فروشود گر حکمت آن بود کی برو برکشا کمر

روزی زراه بـنـده نـوازی کـه کارتست فـرمـوده بـودیـی بـه کـرم بنده را کمر

آن خـود چه لایقست همین بس کی بسته ام در بـنـدگـی خـدمـت تـو دایـمـا کمر

تــا لایـق اسـت چــاك نهـادن بـرقبـا تـادر خـودسـت بستر بـروی قبا کمر

بـادت لباس جاه چنان مرتفح که بخت پـیـش در تـو بستـه بـود چون گدا کمر

تو روز و شب نشسته به بزم و گشاده کف

پیــش تـو بستـه سـاقـی میمون لقا کمر



قصیده

مـکـن از گـریهٔ مرادیده خون بار سفید پرده بکشای که شده دیده بیکبار سفید

روی بنما که دو چشمم سوی تو گشت چهار بیشتـر ز آنك كند داد تو هر چهار سفید

گـر خیـال تـو قـدم رنجه کند کردستم خـانـهٔ چشـم ز بـس گـریهٔ بسیار سفید

روزو[۱] شب درد تو از دیده و در دیده کشم هـم درن ز گر[۲] شودم دیدهٔ بیدار سفید

سر بسر صبح سفید ست چو رخسار تو نیست بـه سفیده چه کنی بیهده رخسار سفید

---

۱ اصل: روز شب تصحیح قیاسی

۲ کذا

تو همه سرخ کنی بهرا مر چشم سیاه — من کنم بهر ترا چشم سیه کار سفید
دل چو دیدی که سفید ست سیاهش کردی — بگذر از چشم سیاه رو مکن انکار سفید
اخرای خاك در صدر جهان شمس الدین — تو به بخشاء برین دیده و مگذار سفید
ای دبیری که عطارد به ثیابت هر شب — کرد بربام فلك دیده به تکرار سفید
صبح دم گه خیز که تا سجده بر داری ترا — کند از چشمهٔ خور درعهٔ و دستار سفید
چشم نرگس گراز خاك درت سرمه کند — بکند گل نشود بیش بر گلزار سفید
تاکند نقش برایوان جلالت مهتاب — هرشبی می کند آن را در و دیوار سفید
ید بیضاء تو ان خاصه سفید ست کزو — چهرهٔ مملکت شاه جهان دار سفید
تابا فد فلك از بهر قدوم تو بساط — شب کند بود سیه روز دهد تار سفید
روی دشمن چو گلیم سیه آمد که نشد — گرچه از گریه بشستست به صدر بار سفید
پیر شد خصم نه از عمر که از خاصیت است — مکش موی سیه کرده بهنجار سفید
کعبتین عدو از بس کی فر وما لیدی — شد بهر شیوه[۱] کی غلطید بنا چار سفید
دیرزی گر نه ثناء تو در و دورستی — کس ندیدی به جز از کا غذ اشعار سفید
این سخن خاصه رد یفست کنم ایثار از انکه — هست بسیار تری از در شهوار سفید
مکر ماشوق چنان قصر و در و مجلس تو — در سفر کردم از چشم[۲] سزا وار سفید
بادشا ها به سفیدی دل شد کان — هم نبودی که بدان شد دل ابرار سفید
پی در اقبال سوی بار و اثیرت ز عقب — اندرآن قصر چو اندام تر یار سفید
تارخ صبح سفید ست ودل شام سیاه — تابودآن اثر روز شب تار سفید
باش تا صبح قیامت شب و روز اندر حسن — در قیامت که کف نامهٔ کردار سفید
سر میمون تو سبز و رخ گلگون تو لعل — روی بد خواه سیه دیدهٔ اغیار سفید

باد بردست سفیدی و سیاهت مباد
بر سرانگشت سر کلك درر بار سفید[۳]

---

۱. کذا
۲. اصل: "الف" تصحیح قیاسی از چشم
۳. مجموعه: ج اوّل، ص ۱۱۱

غزل

گر گل آنست کز آن چهره زیبا گردد　　گل چه خندهمه بر خویش وچه رسوا گردد
گل سوری به صبا گرچه بگردد هر سویی　　نتواند که چوآن چهرهٔ زیبا گردد
جان چو یابد لب لعلش نتوا ندرفتن　　از شکر زیرلبش نیك شکر با گردد
به رُخ خشك اگر چشم تو افتد روزی　　طرفه نبود که گل نرگس رعنا گردد
اگر از خاك سر کوی تو روید بادام　　چشم بادام به چشم تو که بینا گردد
سرو قد اسر بالای چو سروب کردم　　کی سر سرو سهی زان قد و بالا گردد[۱]

گشت دیوانهٔ زلف چو جلیبات اثیر
نیك می تر سد ازان رو ز که ترسا گردد



ای آنك چو کبك می خرامی　　دل می کندت به جان غلامی
نی نی که نمائیش به رفتار　　ای کبك مکن فراخ کامی
گل شد زرخت به باغ بدنام　　ای جان زرخت بشاد کامی
زان روی کی او نکرد پاره　　یك پیرهنی به نیك نامی
مه پیش رخ تو ناتما مست　　زان روی کی چون مه تما می

از بندهٔ اثیر با ز بستان
هر بوسه کی داده ایش وامی[۲]



---

۱. مجموعہ: ج دوم، ص ۲۴۵
۲. ایضاً: ص ۲۴۵

گلبرگ[۱] چنان روی ندار که تو داری — خرشید چنان روی ندارد که تو داری

بانك دمد لاله ز خرشید و لیکن — این لاای خود روی ندارد که تو داری

مه گرچه به هر ماه سراسر شودابرو — آن شیوهٔ ابروی ندارد که تو داری

مشکنست سر زلف تو یانافهٔ تاتار — زان مشك سرموی ندارد که تو داری

در خوبی اگرچه گل صد برگ به صد توست
جان تو آزان بویی ندارد که تو داری[۲]



گوش جهان بستهٔ غوغای تست — چشم جهانی به تماشای تست

آب ببرد از چه باید[۳] تمام — سحر گه در نرگس رعنای[۴] تست

برد به بازار ملامت مرا — دل که در آن دل همه سودای تست

جور کنی در دلم آتش زنی — جور مکن جای ببین جای تست

سرو که صد دست به بالا کشد — نیست ازان دست که بالای تست

چهرهٔ من بنده اگر زرد شد — آن همه خشم تو و صفرای تست

هست سرم لازم و ثابت چنانك — کین سر من نبست مگر پای تست

گرچه شکر خاست به معنی اثیرؔ
بندهٔ آن لعل شکر خای تست[۵]



---

۱ ایک ورق جس میں یہ غزل نقل ہے کابل کے نسخہ میں موجود نہیں ہے۔

۲ مجموعہ: ج دوم، ص ۲۲۵

۳ کذا

۴ اصل: غباری

۵ [illegible]

غزل[1]

خیزید دمی آرید که هنگام بهارست — رخسار عرسان چمن همچو نگارست

آن شاخ که ید غور کنون ملحم بوشت — وآن رشك بد ساده کنون نقش عذارشت

در دامن گلزار صبا مدخنه سودست — در چهرهٔ نیلوفر حوض آئینه دارست

برجام سوارست می و در و شگوفه — بر کوکبهٔ دولتش از شاخ نثارست

گل باز قباپوش شد لاله گل دار — ابن چیست همه خلعت سلطان بهارست

خورم تن آنکس که دلی دارد ویاری
بچاره اثیرا که چنین بی دل ویارست



غزل

باکه گویم از چون محرم نماید — درد بگذشت از حد و مرهم نماند

نقش یك همدم به من ننمود چرخ — دین بتر کز عمر جز یکدم نماند

ترنکشت از دیده گریان من — چرخ رادر دیده گویی نم نماند

چونك من قربان به تیغ غم شدم — ای عیدی بکن کت غم نماند

نیست آئین وفا در شهرها — من برانم خود که در عالم نماند

غمگسار از من بسیی غمگین ترست — در جهان گوئیی دلی خورم نماند

نیم صبری داشت از عالم اثیر
وای در دست غم کان هم نماند



۱؎ مجموعہ: ج دوم، ص ۲۹۵ پر قسم ہفتادو پنجم میں مولانا اثیر کی چار غزل درج ہیں لیکن یہ علم نہیں ہو سکا کہ مولانا اثیر عہدِ تغلق کے شاعر منتجب الدین اثیر ہیں یا کوئی دوسری شخصیت ہیں۔

غزل

هیچ دردی به توای مایهٔ درمان مرساد — هیچ کردی به توای چشمهٔ حیوان مرساد
روشن ست این که توماهی و سمندر سپهر — به چنین ماه و سپهر آفت دوران مرساد
بندهٔ آن دهنم ازین دندان که بدو — هیچ کس رابه جز از من لب و دندان مرساد
یارب آن (تلخوانا) چون به عشاق سبك دل نرسید — حیف باشد به رقیبان گرانجان مرساد
یوسف حسنیی و من سوخته یعقوب توام — من خمخانه ترا آفت زندان مرساد
چه شود گرخم زلف تو به پایان نرسید — بردل من غم هجر تو بپایان مرساد
گرچه هر عالم داد ای بیداد گری
قصهٔ درد اثیرا ز توبه سلطان مرساد



غزل

زمیان ببرد ناگه دل من بتی شکرلب — بدو رخ براد دمه بدو زلف تائب شب
دو کمند عنبرنش زخم و گرده مسلسل — دو عقیق شکرنش ز در و گهر مرکب
کور سخن ببسته دهنش ز تنکئیی لب — عرفش نشسته بررخ جو بر آفتاب کوکب
بنشستم و زمانی به رخش نگاه کردم — تن ازآن نشست درخون دل ازین فغان در تب
چو سوال بوسه کردم به کرشمه گفت اثیرا
تو نه مرد این حدیثی واذا فرغت فانصب



جمال الدین ابن حسام

آٹھویں صدی ہجری کا شاعر اور مغیث الدین کا ہم عصر جمال الدین محمد تخلص بہ ابن حسام کا تعلق محمد بن تغلق کے دربار سے تھا۔ ابن حسام اپنے عہد کا واحد شاعر ہے جسکے متعلق بیشتر قدیم ترین تذکروں جیسے روضات الجنات، حبیب السیر، عرفات العاشقین، ریاض الشعراء، مجمع الغرائب، تذکرہ دولت شاہ سمرقندی، تذکرہ شمع انجمن اور تذکرہ مملوکہ میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے پروفیسر نذیر احمد صاحب کے مقالہ بنام ''ابن حسام'' کا ماخذ بھی روضات الجنات اور حبیب السیر ہی رہے ہیں۔ پروفیسر موصوف روضات کے حوالہ سے ابن حسام کے نام کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں کہ شاعر کا نام محمد اور جمال الدین اسکا لقب رہا ہوگا کیونکہ قدما میں اس طرح کے فقرے صرف القاب کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ نام نہیں ہوتے تھے دولت شاہ سمرقندی نے بھی ابن حسام کا نام ''محمد'' ہی درج کیا ہے۔ لہٰذا محترم استاد نے بھی روضات کے بیان کو ہی درست قرار دیتے ہوئے ابن حسام کا نام محمد اور جمال الدین[1] اسکا لقب[2] قرار دیا ہے اور محمد ہی میرے خیال میں درست نام ہے۔

ابن حسام کے والد کے نام میں بھی تذکرہ نگاروں میں اختلاف رائے ہے کیونکہ حسام کے والد کا نام کسی تذکرے میں نہیں ملتا، البتہ تذکرہ دولتشاہ میں ابن حسام کا پورا نام محمد بن حسام الدین درج کیا ہے جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ صاحب تذکرہ کے خیال میں شاعر کے والد کا نام حسام الدین[3] تھا۔ وہ خود اپنے ایک شعر میں ''پسر حسام'' کہتا ہے۔ جس سے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ اسکے والد کا نام حسام یا حسام الدین تھا، اور اس نے اپنی کنیت کو ہی بطورِ تخلص استعمال کیا۔ جیسا کہ ذیل کے شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

پسر حسام پیشت به سرت که سر ببازم
پسرا اگر در آئی به سرای او زمانی

ابن حسام کا اصل وطن خواف تھا لیکن اکثر تذکرہ نگار اُسے ہروی لکھتے ہیں۔ صاحبِ ''لغت نامہ دہخدا'' نے نیشاپور کا ایک قریہ کو اسکا مولد قرار دیا ہے، اور ''حبیب السیر'' اسکو بہداونی یعنی بدایونی لکھتا ہے۔ اسکا ایک سبب یہ ہے

۱؎ نقوش: ص ۵۵۔ ۱۹۶۶

۲؎ تذکرہ الشعراء: ص ۲۶۹

۳؎ تفصیل کے لئے دیکھئے ''نقوش'': ص ۵۷۔ ۱۹۶۶

۴؎ ایضاً: ص ۲۶۹

کہ ابن حسام طویل مدت تک خواف[۱]، سرخس[۲] اور ہندوستان کے کئی شہروں جیسے بدایوں، دہلی اور موجودہ اتر پردیش کے کسی شہر میں مقیم رہا اور پھر محمد بن تغلق کے عہد حکومت میں ہرات چلا گیا اور وہاں جا کر شمس الدین کرت کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ ذیل میں اس بات کی تصدیق کے لئے چند تذکرہ نگاروں کے بیانات نقل کئے جاتے ہیں:

صاحبِ تذکرہ شمع انجمن نے ابن حسام کا اصل وطن خواف لکھا ہے اور شعر گوئی میں اسکی مہارت تسلیم کرتے ہوئے حسام کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

حسام محمد اصلش از قصبۂ خواف من اعمال قہستان ست مقیم جادۂ قناعت بود۔ طبع موزون و خاطر سخن فہم داشت در ۸۷۵ انتقال کرد از وست:

ای غره بدین مسکن دو روزهٔ خاکی	بگذار که پیش از تو مقامِ دگری بود
از هر که خبر جستم ازین رازِ نهانی	فریاد که او نیز چومن بی خبری بود[۱]

۱۔ خواف(Xaf): یکی از بخشهای تربت حیدر یه که از طرف شمال و مشرق به طیبات و قسمتی از مرز ایران و افغانستان و از جنوب به قاین محدودات۔ موقع آن کوهستانی است۔ این بخش از چهار دهستان بنام بالا خواف، میان خواف، پائین خواف و جلگهٔ زوزن تشکیل شده، مجموعاً ۳۶۵۶۹ تن جمعیت دارد۔ محصول غلات، زیره، شغل مردم کشاورزی و گله داری است۔ ص۱۴۸۸ فرهنگ معین۔

۲۔ سرخس(Saraxs): بخشی از شهرستان مشهد (خراسان استان هم)، واقع در مشرق شهرستان و کنار مرز ایران دشواری، وآن محدود است از مشرق برود خانهٔ هریر بود۔ از شمال به بخش کلات، واز جنوب به بخش جنت آباد۔ موقع آن در دهستانهای مزدوران و شوریچه کوهستان است۔ آب آشامیدنی قریه هایی که از آس تپه تاپل خاتون، در مغرب هریر در واقع اند، درسه ماه تابستان از آب چاه می باشند۔ این بخش از۱۰ دهستان و ۱۴۷ آبادی تشکیل شده که جمعاً دارای ۳۵۶۸۳ تن سکنه است۔ آب مزارعی قسمتهای جگه، گرمسیر، سکنه ۸۰۰۰تن۔ دارای قناعت، رود خانه، محصول غلات شغل اهالی زراعت، جگه داری، کسب، قالیچه بافی و کرباس باقی است، سرخس از شهر های بسیار قدیم ایران است که بواسطهٔ موقع جغرافیایی، از لحاظ سیاسی، طبیعی، (قبل از اسلام و بعد از اسلام) مراحل بیشماری را پیموده است۔ در سرخس زمانی مدارس بسیار برای تدریس علوم مختلف دایر بوده و مدرسانی از قبیل سعد الدین تفتازانی در آن تدریس میکردند۔ فعلاً درسرخس دو بنای تاریخی است، یکی بنام "رباط شرف" که بانی آن شرف الدین ابو طاهر سعد ابن علی بن عیسیٰ القمی ملقب به وجیه الملك وزیر سلطان سنجر سلجوقی است۔ دیگر مقبره شیخ لقمان سرخسی که در آنجا بنام بابا لقمان معروف است۔ این آرامگاه سابقاً منضماتی داشته مانند مدرسه، لنگر و خانقاه در ویشان، دلی امروزه غیر از بنای تاریخی مقبره که آن هم در حال خرابی است بناهالی دیگر بکلی خراب شده است۔(ص۷۶۸)فرهنگ فارسی جلد۵ دکتر معین۔

دولت شاہ سمرقندی (ص ۲۲۵) ابن حسام کے اصل وطن کی نسبت سے رقم طراز ہیں کہ:

"او از خـواف اسـت، در دارالسـلـطـنت هرات مسكن داشته"۔

تذکرہ دہلی میں بھی کم وبیش یہی بیان نقل ہے۔

"استاد ابن حسام، اصلش از خواف و مسكن اوهرات بوده[۱]"۔

خواندمیر نے شاعر کی اصل نسبت بداونی لکھی جیسا کہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:

"مـولانـا جـمـال الـدیـن بـن حسام بداونی به هندرسیده قصیدهٔ درمدح پادشاه درسلك نظم كشیده الخ"۔

بداونی سے مصنف کی مراد یقیناً بدایوں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر اپنے وطن خواف سے ہجرت کر کے ہندوستان آیا اور بدایوں میں سکونت اختیار کی، جسکی وجہ سے صاحبِ تذکرہ نے اسکو بدایونی لکھا۔ پھر بدایوں سے وہ دارالسلطنت دہلی آیا اور بادشاہ کے دربار میں باریابی حاصل کی۔

شاعر نے صرف شاہی دربار میں رسائی حاصل نہیں کی بلکہ وہ اپنی شوخی اور بذلہ سنجی کے سبب بہت جلد سلطان کے ندیمان خاص میں بھی شامل ہوگیا۔ سلطان اور ابن حسام کی قربت کا اندازہ پروفیسر نذیر احمد صاحب کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے جوانہوں نے روضات کے مصنف معین الدین اسفزاری کے بیان سے نقل کیا ہے کہ:

''میں نے اپنے باپ سے سنا کہ مولانا ابن حسام نے سلطان محمد شاہ لک بخش کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع درج ذیل ہے:

الهـی تاجهاں باشد نگهدار[۲] این جها نبان را
مـحـمـد شـاہِ قتلغ شاه سلطان ابن سلطان را

اور جب باریابی ہوئی تو مطلع پیش کیا۔ سلطان نے فرمایا بس کیجئے میرے خزانے میں اتنی رقم نہیں کہ اس ایک بیت کا صلہ دیا جاسکے[۳]۔ خواندمیر نے ''حبیب السیر'' میں مذکورہ بالا واقعہ اگرچہ روضات کے حوالہ ہی سے نقل کیا ہے لیکن دونوں بیان میں مندرجہ ذیل اختلاف ملتا ہے۔

۱۔ حبیب السیر نے شاعر کو بداونی (بدایونی) سے نسبت دیتے ہوئے اسکا ورود ھند لکھا ہے۔

۱۔ ص ۳۴

۲۔ اصل: نگهداری جهانبان

۳۔ نقوش: ص ۵۸

جبکہ روضات الجنات میں ہندوستان سے ہرات پہنچنے کی اطلاع دیتا ہے اس واقعہ کا ذکر اس طرح نقل ہوا ہے:

"و درزمانی که ملك شمس الدین محمد به مکان پدر متمکن یافت مولانا جمال الدین محمد بن حسام الدین از هندوستان به هرات آمد"

۲۔ خواندمیر نے ملک شمس الدین کے ذکر کے ساتھ ابن حسام کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

"واز غرائب اتفاقات آنکه تاریخ جلوس اولفظ خلد ملکه، بود و مولانا جمال الدین بن حسام بهداونی درآن باب این قطعه نظم نمود۔الخ۔"

حبیب السیر میں نقل مطلع میں بادشاہ کا نام شاہ تغلق شاہ آیا ہے جبکہ روضات میں محمد شاہ قتلغ شاہ درج ہے اور شروع میں بادشاہ کا نام سلطان محمد شاہ لک بخش لکھا گیا ہے۔

خواندمیر کے تحریر کردہ بیان شاہ تغلق شاہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا مقصد تغلق خاندان کے دوسرے بادشاہ سے ہے، روضات کے بیان محمد شاہ قتلغ شاہ سے مراد سلطان محمد بن تغلق کی ذات ہے۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے حسب ذیل سطور میں بادشاہ کی شخصیت واضح کی ہے۔

"سلطنت مملکت دهلی مشهور سنه سبع عشر و سبع ما ية تعلق به سلطان علاء الدین میداشت چون........ آن پادشاه عدالت آئین علم عزیمت به صوب عالم آخرت برافراشت۔ قاضی محکمه تقدیر عروس ملك دهلی رابه سلطان محمد شاه تغلق شاه عقد بست و بعد ازوی پسرش سلطان محمد شاه برسریر سلطنت نشست ....اوپادشاهی کریم صاحب سخادت بود و مولانا جمال الدین بن حسام بد اونی به هند

رسیدہ" الخ [۱]۔

"محمد تغلق شاہ" سے مراد غیاث الدین محمد تغلق شاہ اور "پسرش سلطان محمد شاہ"، پادشاہی کریم" اور "صاحبِ سخاوت" سے مراد سلطان محمد بن تغلق ہے۔ جسکی سخاوت اور داد و دہش کی داستان بیرونی ممالک میں بھی زبان زدِ عام تھی۔

حبیب السیر میں نقل ہے جب ابن حسام نے بادشاہ کی شان میں قصیدہ لکھ کر اسکا مطلع سلطان کے حضور پیش کیا تو اس نے کہا قصیدے کے تمام ابیات کے صلہ کی تاب نہیں رکھتا ہوں جبکہ اسفزاری کا بیان ہے کہ محض اس بیت کا صلہ دینا ممکن نہیں۔

ابن حسام کے مطلع پیش کرنے اور محمد بن تغلق کے دربار میں رسائی پانے کا واقعہ انتہائی مختصر عبارت میں ڈاکٹر عابدی صاحب نے بھی نقل کیا ہے جسکا ماخذ غالباً حبیب السیر ہی ہے۔

پروفیسر نذیر احمد صاحب کے بیان کردہ مذکورہ نکات سے واضح ہوتا ہے کہ ابن حسام کا تعلق محمد بن تغلق کے دربار سے ہی تھا جسکی تائید خود شاعر کے قصیدے کا مطلع پیش کرنا ہے۔

ابن حسام کے متعلق جو معلومات نقل کی گئیں ہیں ان سے یہ تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر عہد تغلق سے قبل ہی ایران سے ہندوستان آیا تھا لیکن اسکی ہندوستان آمد کی تاریخ کسی تذکرہ نگار نے نہیں لکھی۔ تذکرہ شمع انجمن اور حبیب السیر کے مطالعہ کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۷۲۹ھ میں یعنی محمد بن تغلق کے دورِ حکومت کے چوتھے سال وہ ہرات واپس چلا گیا جہاں اس نے ۷۳۶ھ میں وفات پائی۔

خصوصیات کلام:

ابن حسام اپنے عہد کا ایک زبردست اور باکمال شاعر تھا۔ اسکو فارسی کے ساتھ ساتھ عربی زبان پر بھی قدرت حاصل تھی جسکی مثال اسکا وہ عربی قطعہ ہے جو اس نے ہرات کے بادشاہ شمس الدین کرت کی شان میں اسکی تخت نشینی کے موقع پر نظم کیا تھا۔[۱] حسام کی سب سے بڑی خوبی اسکے علمی تبحر کے علاوہ شاعری میں اسکا کمال، لطافتِ طبع، بذلہ سنجی اور شوخی تھی۔ جسکی بدولت اسکو نہ صرف بادشاہ کا قرب حاصل ہوا بلکہ پروفیسر نذیر احمد صاحب کے مقالہ میں درج دربار کا واقعہ[۲] بھی رونما ہوا۔

۱۔ نقوش: ص ۵۸

۲۔ ایضاً: ص ۵۹

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھیے نقوش: ص ۵۷

ابن حسام کی شعر گوئی میں مہارت، صنائع و بدائع پر مکمل گرفت اور برجستہ محاورات کے استعمال سے متاثر ہو کر اسکے بعد آنیوالے تمام تذکرہ نگاروں نے نہ صرف اسکی استادی کا اعتراف کیا ہے بلکہ اسکی تعریف بھی کی ہے۔

روضات کا مصنف اپنے تذکرے میں رقمطراز ہے کہ:

"چون ذکر مولانا ابن حسام درمیان آمد، شمۂ از لطائف محاورات و بدایع مطائبات اوبیان کردن لائق نمود۔از فضلا عصر و بلغای زمان به لطافت طبع و حذاقت ذهن ممتاز بود..........این قطعه بر کمال فضائل دال است"۔

دولت شاہ سمرقندی ان کی تعریف حسب ذیل عبارت میں کرتا ہے:

"فضل او (ملك الکلام ابن حسام هروی) زیاده از وصف است، شعراو را مولانا مظهر هروی بر اقران تفصیل می کند"۔

ان بیانات کے علاوہ ابن حسام کے بلند مرتبہ اور اسکی مستزاد نظم کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسکی پیروی میں تاج شیرازی، مولانا موسی فلکی، مولانا جلال الدین، مولانا بدیع الدین، امیر علی، مولانا بہا، خواجہ علاء الدین ہندو، خواجو کرمانی، مولانا عماد جیسے شعراء نے مستزاد نظمیں لکھیں۔ جو مجموعۂ لطایف وسفینۂ ظرایف میں موجود ہیں۔

حسام کو صرف مستزاد نظم قلمبند کرنے میں مہارت حاصل نہیں تھی بلکہ وہ غزل کا بھی استاد تھا۔ مجموعہ سے دستیاب اسکی غزلیات انتہائی لطیف، پراثر اور عالی پایہ کی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کا زبردست غزل گو شاعر تھا۔ اسکی غزلوں کی اہم خصوصیت کلام میں پختگی، ہمواری، قدرت زبان اور اسکا زور بیان ہے۔ اسکے علاوہ حسام کی مرصع نگاری بھی اسکا اہم ترین وصف ہے جو اسکی غزلوں کو نہ صرف خوبصورتی عطا کرتی ہے بلکہ شاعر کے کلام میں موزونیت کے ساتھ ساتھ موسیقیت کا بھی اضافہ کرتی ہے۔

حسام نے شعراء کی عام تشبیہات جیسے گل، زلف، خورشید، سمن وغیرہ بھی استعمال بڑی خوبی کے ساتھ کیا ہے۔

بـا زلف تـو آن عارض پر نور کدامست
خـور شیـد اگـر در شـب دیـجور نبـاشد

شاعر کی غزلیات میں حسن وعشق اور عاشق ومحبوب کا روایتی موضوع بھی نظر آتا ہے وہ بھی اپنے محبوب کے حسن کا شیدائی ہے اور اسکی محبت میں اپنی جان نثار کرنے کے لئے تیار ہے۔

جـان قـدر نـدارد که نثار تو کنم لیك
مـقـدار وفـا بیـش ز مـقدور نبـاشد

جب محبوب کی نظر التفات اسے حاصل نہیں ہوتی تو وہ اس سے وفا کی فریاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسکا پریشان دل اب اتنا طاقتور نہیں رہا کہ محبوب کے مزید ظلم وستم سہہ سکے:

نـدارد دگـر طـاقـتِ زخـم نـو
دل در مـنـد پـریشـان مـن

حسام کی غزلیات کی خوبی اسکے شعری محاسن کے علاوہ یہ ہے کہ اس نے اپنی غزلیں حافظ شیرازی کی غزلوں کو سامنے رکھ نظم کیں جسکی وجہ سے اسکی کلام میں حافظ کا رنگ نمایاں ہے۔

ذیل میں حسام کا موجودہ کلام جو ایک مستزاد نظم اور پانچ غزلوں پر مشتمل ہے نقل کیا جاتا ہے۔

مستزاد

[۱] آن کیست که تقریر کند حالِ گدارا — درحضرت شاهی
وز غـلـغـل بـلبـل چـه خبـر بـاد صبـارا — جز ناله و آهی
زاری وزر و زور بـود مـایـۀ عـاشـق — با رحم ز معشوق
مـارا نـه زر و زور نـه رحـمست شمارا — بس حال تباهی
هـر چـنـد نیـم در خور درگاهِ سلاطین — نومیدنیم هم
کـز راه تـرحـم بـنـوازنـد گـدارا — گاهی به نگاهی

۱۔ مجموعہ: ج دوم، ص ۳۸۸

از طعنۀ سوسن نشود دوست گیا دور | از دامن گلزار
بـروستـه گـل گـر چـه ببینـد گـدارا | ای من چو گیاهی
بـرخر من گل مار سیه خفته کدام ست | بر روی تو گیسو
حیفسـت که هم خوابه بود ترك خطارا | هندوی سیاهی
پـر دل تـر ازآن زلف زره پوش ندانم | یك کافر جادو
کـو بشکـنـدراز طرۀ مشکیں به مدارا | هر لحظه سپاهی
تـا چـاه ز نـخـدان تـو شـد مسکن دلها | ای یوسف ثانی
صـد یـوسف گم گشته فزونست نگارا | درهر بن چاهی
گـر سـرزنـش پـر توی روی تونبیند | یعنی که کواکب
بیـرون نـزنـد از فـلكِ مهـر ضیـارا | خورشید به ماهی
انـدام تـو در بـنـد قبـا شـرط نبـاشـد | اِلّا که بدو زند
از لالـۀ سیـراب بـه قـد تـو قبـارا | وز غنچه کلاهی
در عشـق من وحسن تو گر بنیه خواهند | گو این حسام است
بـر مـعـجزه عیسیٰ نبود دست و عصارا | حاجت بگواهی[۱]

غزلیات

غزل

بـربـود دل ز دستم به کرشمه دلستانی | صـنمی، سمن عذاری، قمری شکر بیانی
به وفا ملك فصالی، به صفا ملك مثالی | ز عبیـر مشکباری، ز عقیق در فشانی
بدو چشم سحر سازی، بدو لعل حقه بازی | بدولاله دل نوازی، بدو نافه جانستانی

چو صبا جهان گذاری، چو جهان ستیزه کاری　　چو زمانه تند خوئی، چو سپهر کامرانی
زدهان اونیابی، به جز از خبر حدیثی　　زمیان اونبینی، به جز از کمر نشانی
ز هلالِ ابروآتش ز دو چشم نا توانش　　عجبم که چون تواند که کشد چنین کمانی
نه دل من است تنها، صنما اسیر زلفت　　که بهر گره گروهی که بهر شکن جهانی
نرود شبی که از من نرود به اوج گردوں　　ز جفای تو نفیری، زفراق تو نغانی

پسر حسام پیشت به سرت که سر ببازم
پسرا اگر درآئی، به سرای اوزمانی[۱]



غزل

باز آی نگارا که خلائق نگرانند　　دریاب که صاحب نظرآن منتظر انند
چون غنچه مشو پرده نشین تا ز نسیمت　　عشاق چو گل جامۂ تقویی بدرانند
کس نیست که از عشق تو خو نابه نراند　　من نیز برانم که خلق برانند
بر خیز سبك باده گران کن که رقیبان　　هر چند گرانند ولی بارِ گرانند
خواب از سر مستان صبوحی بدر افگن　　مگذار که از حسن رخت بی خبرانند
عشق من و حسن تو غنیمت شمر امروز　　که آین بولی گل و نغمۂ بلبل گذرانند
در روی تو سریست ز اسرارِ الهی　　آنهاز نبینند مگر لی بصرانند
قوی که ندارند سر صحبت عشقت　　حیفست سخن گفتن ایشان که خرانند
گرابن حسام از نظر لطف تو دوراست　　این جانظری هست که صاف نظرانند

مادام که درویش نبرد ست نصیبی
شرطست که از حضرت سلطانش نرانند[۲]

---

۱ مجموعہ: ج دوم، ص۲۹۹

۲ ایضاً: ص۲۹۹

غزل

سلطان فلك را چو رخت نور نباشد
مانند تو در حلقه برین حور نباشد

گر گوشه نشین ابروی تو بیند
سر مست شود چون من دستور نباشد

نزدیك خرد هر که برآن روی نظر کرد
گر دور نماید ز خرد، دور نباشد

بازلف تو آن عارض پر نور کدامست
خورشید اگر در شب دیجور نباشد

هر دل که کند دعویٰ پر هینرو صبوری
باغمزهٔ فتان تو معذور نباشد

مستان صبوحِ ازلی راچه تفاوت
گردر دو جهان بادهٔ انگور نباشد

چو مهر تو در کلبهٔ ویرانِ دل من
روح القدس و خانهٔ معمور نباشد

عشاق تو از زحمت شمشیر نترسند
مشتاق علی راغم ز نبور نباشد

تو جان قدر ندارد که نثار کو نم لیك
مقدار وفا بیش ز مفدور نباشد

تادر دو غمت هم نفس ابنِ حسام است
بیشم سردر مان هوس ــــ نباشد[۱]



غزل

چو آئین وفا داری نداری
غم کارم چرا داری نداری

نمی دانی مگر حالم و گرنه
چنین هر گز روا داری نداری

دلم هر دم بیازاری و این رسم
که باکسماجراداری نداری

زنم چشمم تهی یابی نیابی
ز غم جانم جدا داری نداری

به جز رنج و عنا بخشی بخشی
به جز جو روجفا داری نداری

---

۱ مجموعہ: ج دوم، ص۲۹۹

تو خود انصاف ده در هفت اقلیم　　چو من یك مبتلا داری نداری
رها کن جمله دلان صنم که ازما　　به عمر خویش باداری نداری
چو زد ابنِ حسام از عشق تو لاف
دلش بیفم چرا داری نداری[۱]



غزل

بخند ای بست راحتِ جان من　　حکایت کن ای ماه تابانِ من
وفا کن رها کن طریق ستم　　مکن بیشی از پن جوربر جان من
ندارد دگر طاقتِ زخم نو　　دل در مند پریشان من
چو درمان در دم لب لعل تست　　شده از آن لب لعل درمان من
دریغا که زلفت به غارت ببرد　　همه زهد و تقویٰ و ایمان من
توقع همین است در لطف تو　　چو بینی بخوانی ز دیوان من
بگوئی دریغا که ابن حسام
فرو رفت در درد هجران من[۲]



غزل

ایام گل ویا سمن وعهد صیام است　　اسباب نشاط و طرب و عشق مدام است
گل تازه دمی صافی و دلدار ملازم　　بستانِ خوش و گل خرم و آیام بکام است
خلقی چو من اندر طلبش رقص کنانند　　تادوست کرا خواهد و مبلش بکدام امت
مجنون که مثل گشت در آفاق به مستی
دانم که هم از دائره ابنِ حسام است[۳]

---

۱ مجموعہ: ج دوم، ص ۲۹۹

۲ ایضاً: ص ۳۸۹

۳ ایضاً: ص ۳۸۹

عہد فیروز شاہ تغلق کے غیر معروف فارسی شعراء

باب (چہارم)

عہد فیروز شاہ تغلق کے غیر معروف فارسی شعرا

عہد تغلق کا تیسرا فرمان روا، جسکی ہمدردی، نرم دلی خدا ترسی، عدل و انصاف اور داد و دہش سے تاریخ کی کتابیں پُر ہیں اور جس نے ۳۸ سال کی طویل مدّت تک بنا کسی بغاوت کے ہندوستان جیسے وسیع ملک میں حکومت کی وہ کمال الدین فیروز شاہ تغلق تھا۔ اسکے بعد اسکے جانشین ایسے باصلاحیت نہ تھے جسکے ذریعہ وہ اس وسیع سلطنت پر حکومت کر سکتے۔

فیروز شاہ صرف ایک کامیاب حکمراں ہی نہیں تھا بلکہ اس کی ذات ادب پروری اور علم دوستی جیسی صفات سے پُر تھی جس نے فیروز کو ایک وسیع ملک کا کامیاب بادشاہ بنانے کے ساتھ اسکی شخصیت کو رعایا میں ہر دلعزیز بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ خود ایک عربی النسل شخص تھا اس کے باوجود فارسی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے لئے اُس کے اقدامات اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ اسکے عہد میں نہ صرف سنسکرت زبان سے عمدہ اور مفید کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا بلکہ تاریخ فیروز شاہی، جس کا مصنف شمس سراج عفیف عہدِ فیروزی کا چشم دید گواہ بھی ہے، کے علاوہ تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ''فتاوائی جہانداری''، ''منشاتِ ماہرو''، ''فتوحاتِ فیروز شاہی''، ''فتاوائی فیروز شاہی''، ''فقہ فیروز شاہی''، ''غنیۃ المنیہ'' جیسی اہم تصانیف بھی وجود میں آئیں۔ فارسی کی اہم ترین بیاض مجموعۂ لطایف و سفینۂ ظرایف کے مرتب ہونے کا آغاز بھی اسی عہد میں ہوا۔ مطہر کڑہ جیسے صاحبِ دیوان شاعر نے فارسی زبان میں شعر کہہ کر اس عہد کی فارسی شاعری کو مزید خوبصورتی اور تابنا کی عطاء کی۔ لیکن افسوس کہ محمد بن تغلق کے عہد کے چند باکمال شعرا کی مانند عہدِ فیروزی کے اکثر شعرا نے گمنانی کی زندگی کو ترجیح دی اور اس دنیا میں عسرت و تنگی کی زندگی گذاری۔

زیر نظر باب میں عہدِ فیروزی کے گمنام اور غیر معروف شعراء میں حمید قلندر، الیاس ہروی، جمال الدین استاجی وغیرہ شعراء کے کلام کے ساتھ انکے حالاتِ زندگی کو مختلف تاریخوں، تذکروں اور بیاضوں کی مدد سے تمام دستیاب معلومات کو جمع کر لیا گیا ہے۔

فیروز تغلق کے عہد کے غیر معروف شعرا کو فارسی ادبیات کی دنیا سے متعارف کرانے سے پہلے اس عہد کے

فرمانروا یعنی فیروز شاہ تغلق کو ''بحیثیت ایک فارسی شاعر'' ادبیات فارسی سے دلچسپی رکھنے والے دانش مندوں، طالب علموں اور مفکرین سے روشناس کرانا ضروری خیال کرتی ہوں۔ فیروز کی صنفِ شعر میں باقاعدہ مشق اور کسی شاعر سے اصلاح لینے کا کوئی اشارہ نہیں ملتا بلکہ شعر گوئی پر جو قدرت اور گرفت اس کو حاصل تھی وہ صرف اس کی ذہانت اور اس کے علمی و ادبی ذوق کا ہی نتیجہ تھی۔

فخری بن ہروی کی تصنیف روضۃ السلاطین میں فیروز کی پانچ غزلیں اور ''فتوحات فیروز شاہی'' میں اس کے متعدد اشعار نقل ہوئے ہیں جو ابھی تک مرتب نہیں کئے گئے ہیں۔ فخری نے فیروز کی غزلوں کی تعداد بتاتے ہوئے حسبِ ذیل عبارت میں ان کی اس طرح تعریف بیان کی ہے۔

''ازان جمله سلطان فیروز شاه بادشاه عادل و دانا و خوش طبع بوده است۔ این چند غزل از جمله اشعار اوست و خالی از لطافتی نیست''

فخری کے بیان اور فیروز کی غزلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز کو صنف شعر میں کمال حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری پر اسکی گرفت کسی قدر مضبوط تھی۔

مخزن الغرائب کے مصنف فیروز کی شان و شوکت، امن پرستی، علم دوستی اور اس کی شاعری کے سلسلہ میں اس طرح لکھتے ہیں۔

''سلطان فیروز شاه دهلوی بادشاه صاحب اقتدار و با حشم و خدم بوده فضلا را دوست داشتی و سپاه نیکو نگاه داشتی تاریخ فیروز شاهی به نام او تزئین یافته گاهی بگفتن شعر فرموده است''۔

خرم آن روز که از یار پیامی برسد　　تادل غمزده یك محظ به کامی بر سد

خصوصیات کلام: فیروز کی غزلیات کی سب سے اہم خصوصیت اسکی سادگی، روانی اور الفاظ کی شیرینی ہے وہ چھوٹے چھوٹے فقروں میں اہم اور بڑی بڑی باتوں کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتا ہے اسکی یہ خصوصیت اپنا جواب نہیں رکھتی۔ فیروز نے اپنی غزلوں میں عاشق و معشوق کے روایتی تعلق کو سادگی کے ساتھ دلکش پیرائے میں بیان کیا

مذکورہ بالا شعر فخری بن ہروی کی تصنیف روضۃ السلاطین میں اس طرح نقل ہوا ہے:

ای خوش آن روز که از یار پیامی بر سد　　وین دل غمزده از دوست به کامی بر سد

ہے جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

همیشه عاشق مدهوش رابقا باشد   چرا که مثل تو معشوق خوش لقاباشد
فدایی قامت آن گلعذار جان و دلم   که قامت خوش و موزون و جانفزا دارد

اس نے عشق حقیقی اور مجازی کے فرق کو جن الفاظ میں ادا کیا اسمیں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

ما مریدان پیر میکده ایم   فارغ از نام و ایمن از ننگیم
ز اهدان دشمن اندرندان را   زان به ایشان همیشه در جنگیم

عام شعرا کی مانند وہ بھی اپنی غزلوں میں ایک روایتی عاشق نظر آتا ہے جو اپنے معشوق کے حسن اور خوبصورتی کا شیدائی ہے اور جسکے عشق میں عاشق کا دل سوز و گداز سے لبریز ہے اور وہ معشوق کی ایک ایسی نظر کرم کا منتظر ہے جو اسکو زندگی کی نوید سنا دے۔

ای خوش آن روز که از یار پیامی برسد   وین دل غمزده از دوست بکامی برسد
گر تو ای ماه پری چهره برآیی بر بام   کارم از پر تو رویت به نظامی برسد

عہد فیروزی کی شاعری پر وحدت الوجود کا رنگ غالب تھا اور اس عہد کے صوفیہ اولیاء اللہ مشائخ وغیرہ بھی جو شعر کہتے تھے ان کا موضوع بھی خالق باری تعالیٰ کی ذات ہی تھی لہٰذا فیروز بھی اس اثر سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ اس کی غزلوں کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ فیروز صوفیا کرام اور مشائخ سے گہرے روابط رکھتا تھا اور تہہ دل سے انکا معتقد تھا۔ جسکے سبب اسکی غزلوں میں متصوفانہ خیالات کی رنگ آمیزی بھی نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک صوفیانہ افکار اور خیالات کے زیر اثر تھا۔

[1] تا نکته هائی عشق تو در جان ما گذشت   بس قصه ها که در پی این نکته ها گذشت



مادو صد ملك سکندر در گدایی یافتیم   در لباس فقر گنج بادشاهی یافتیم
از فراقش زارمی نالیم در هر صبح و شام   تاز خاك آستان او جدایی یافتیم

ذیل میں فیروز کے مختلف تذکروں اور تاریخوں سے دستیاب متفرق اشعار اور روضۃ السلاطین میں درج پانچ

---

[1] روضۃ: ص ۸۱

غزلوں کو نقل کیا جاتا ہے۔

غزل

زهی کمال لطافت که یارما دارد | که هم ملاحت خوبی و هم وفا دارد
مگر فتاد ز رویی تو پر تو بر مهر | وگرنه مهر چنین رویی از کجا دارد
همیشه عاشق مدهوش رابقا باشد | چراکه مثل تو معشوق خوش لقاباشد
فدایی قامت آن گلعذار جان و دلم | که قامت خوش و موزون و جانفزا دارد

حکایت ازلب لعل تو می کند فیروزؔ
از آن سبب سخن خوب و جانفزا دارد[1]



غزل

تانکته هائی عشق تو درجان ماگذشت | بس قصّه هاکه درپئی این نکته ها گذشت
جانا بپرس قصّه ماراز چشم خود | کز چشم مست شوخ تو برما چها گذشت
گرمدعی بگویی تو بر ماگذر کند | از گریه هایی مانتواند زماگذشت
بیگانه وار رفتی واز جویبار چشم | پس ماجرا نگر که برین آشنا گذشت

فیروزؔ رابه نام غلامی قبول کن
تابنگری که مرتبه اش از کجا گذشت[2]



۱؎ روضۃ: ص ۸۱

۲؎ ایضاً: ص ۸۲

غزل

ما همه عاشقان يك رنگيم / بسته زلف و شاهدو شنگيم
ما مريدان پير ميكده ايم / فارغ از نام وايمن از ننگيم
زاهدان دشمن اند رندان را / زان به ايشان هميشه در جنگيم
در غم عشق رويى و مويى بتان / گاه در روم و گاه در زنگيم
طالب شاهدان خوش خوبيم / منكر زاهدان دل تنگيم

همچو فيروزؔ خاك راه تو ايم
گرچه بدنام تاج اورنگيم [۱]



غزل

ای خوش آن روز كه ازيار پيامی برسد / وين دل غمزده از دوست به كامی برسد
عجبی نيست اگر زنده شود جان ملول / كزاز آن يار جدا مانده سلامی برسد
گر تو ای ماه پری چهره برآئی بربام / كارم از پرتو رويت به نظامی برسد
صدف گوش من آن روز شود پر دُرناب / كه ازآن لعل گهر بار پيامی برسد

دعوی[۲] كعبه وصل تو كه دارد فيروزؔ
زود باشد كه درين راه مقامی برسد[۳]



---

۱ روضۃ: ص۸۳
۲ تاریخ شیراز ہند: دعوای
۳ روضۃ: ص۸۳

غزل

مادو صد ملك سكندر در گدایی یافتیم　　در لباس فقر گنج بادشاهی یا فتیم
تاشویم ازخویشتن بیگانه اندر راه عشق　　ما مقیمان درره او آشنایی یا فتیم
بی رضایی مابسی آمد زما اندر وجود　　ماسنرائی خویش را دربی رضایی یا فتیم
از فراقش زار می نالیم درهر صبح و شام　　تا ز خاك آستان اوجدایی یا فتیم
گر دهد فیروزؔ رابوسی زلب گویم مدام
مانوایی خویش را دربی نوایی یا فتیم[1]

☆☆☆

---

۱ روضۃ: ص۸۴

”حمید قلندر“

خیر المجالس کا مؤلف حمید قلندر اپنی زندہ جاوید تصنیف اور مسجع نثر کی بدولت عہدِ فیروزی کی ایک ممتاز اور معروف شخصیت شمار کیے جاتے ہیں۔ لیکن بہ حیثیت ایک شاعر انہیں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اگر چہ مورخین اور تذکرہ نگاروں نے انہیں صاحبِ دیوان شاعر قرار دیا ہے لیکن انکا دیوان ضائع ہو چکا ہے۔ البتہ خیر المجالس میں انکے متعدد اشعار نقل ہیں اسکے علاوہ انکے کلام کا ایک مختصر حصہ مجموعۂ لطایف و سفینۂ ظرایف سے دستیاب ہوا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کو شعر گوئی میں قدرت حاصل تھی۔

حمید کے والد مولانا تاج الدین کیلوکھری کے رہنے والے تھے اور حمید کیلوکھری میں ہی پیدا ہوئے۔ پروفیسر شعیب اعظمی صاحب نے فارسی ادب بعہدِ سلاطینِ تغلق میں بغیر کسی حوالہ کے حمید کی سالِ پیدائش ۶۶۶ھ اور تاریخِ وفات ۷۶۷ھ/۱۳۶۵ء لکھی[1] ہے۔ اس طرح اندازہ ہوتا کہ اس شاعر نے مندرجہ ذیل خاندان کے حکمراں کا زمانہ دیکھا۔

۱۔ ۶۶۴ھ/۱۲۶۶ء تا ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء تک غیاث الدین بلبن دہلی کے شاہی تخت پر متمکن رہا اور اس نے ۲۰ سال تک حکومت کی اور اسکے انتقال کے بعد اسکے جانشین چار سال تک ہی حکومت کر سکے اور علائی عہد کے بانی نے ۶۸۹ھ/۱۲۸۹ء میں اس خاندان کا خاتمہ کر کے خلجی حکومت کی بنیاد رکھی۔

۲۔ غور خاندان کے خاتمہ کے بعد خلجی خاندان نے ۱۲۸۹ء میں دہلی کے شاہی تخت پر قابض ہو کر ۳۳ سال تک بادشاہت کے فرائض انجام دیے اور جب یہ سلطنت بھی کمزور ہونے لگی تو غیاث الدین تغلق نے اپنی شجاعت و بہادری سے ملک میں برپا بغاوتوں کا خاتمہ کیا اور ۱۳۲۰ء میں ایک پر امن حکومت کی بنیاد ڈالی۔

۳۔ غیاث الدین تغلق شاہ نے صرف چار سال ہی اس ملک پر حکومت کی اور اسکے انتقال کے بعد محمد بن تغلق کل ۲۷ سال ہی حکومت کر سکا۔ اس کے انتقال کے بعد اس خاندان کے تیسرے حکمراں فیروز شاہ تغلق نے بھی اپنے اسلاف کی مانند ملک کی فلاح و بہبود کیلئے اہم اقدام اٹھائے۔ جس سے سرزمین ہند جو محمد بن تغلق کے چند نا قابل قبول فیصلوں کے سبب افراتفری کا شکار تھی ایک بار پھر امن و سکون کا گہوارہ بن گئی اور اس عہد کے علماء

---

[1] ص ۱۷، حاشیہ

فضلا اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین نے سکون کا سانس لیا۔اس عہد میں متعدد معروف وغیر معروف شعراء بھی گذرے ہیں جنہوں نے بادشاہ وقت کی مدح خوانی کی اور اسکے انعام واکرام سے فیضیاب ہوئے۔ان ہی غیر معروف شعراء میں حمید قلندر کا نام بھی شامل ہے تذکروں اور تصنیفات کے علاوہ خود مصنف کی تصنیف خیر المجالس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حمید ابتدائی عمر سے ہی اپنے والد کے ساتھ حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی درس و تدریس کی مجالس میں شریک ہوتے تھے،لیکن مجموعہ سے دستیاب انکا تمام کلام صرف فیروز شاہ کی مدح میں قلمبند کیا گیا ہے یا پھر حضرت نظام الدین اولیاء کی شان میں نظم کئے گئے قصیدے ملتے ہیں۔غیاث الدین تغلق اور محمد بن تغلق کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔اسکی مندرجہ ذیل دو وجوہات ہوسکتی ہیں:

۱۔ حمید کو غیاث الدین اور محمد بن تغلق کے دربار میں باریابی کا موقع فراہم نہ ہوا ہو۔

۲۔ صاحب سیر العارفین اور سیر الاولیاء حمید کو صاحب دیوان شاعر قرار دیتے ہیں جس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاید اس نے غیاث الدین تغلق اور محمد بن تغلق کی مدح میں بھی قصاید نظم کئے ہوں گے جو زمانہ کی گردش سے محفوظ نہیں رہ سکے۔

حمید نے اپنی زندگی تین اعلیٰ صوفی ہستیوں کے زیرِ سایہ بسر کی سب سے پہلے انہوں نے حضرت نظام الدین اولیاء کی مریدی اختیار کی پھر شیخ سے کسب فیض کرنے کے بعد شیخ برہان الدین غریب، شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے فیض حاصل کیا اور انکے فرمودات وملفوظات کی جمع وتدوین کا کام انجام دیا اور جب ۷۲۷ھ میں محمد بن تغلق نے اپنی سلطنت کا پایۂ تخت دہلی سے دولت آباد منتقل کیا تو دہلی کے عوام کے ساتھ علماء وفضلاء، اولیاء اور شعراء کو بھی دولت آباد روانہ ہونے کا سخت حکم ہوا۔ بیشتر مورخین کا خیال ہے کہ حمید بھی برہان الدین کے دامن سے وابسطہ ہوکر دولت آباد گئے ہوں گے۔حمید باقاعدگی سے شیخ کی درس وتدریس کی محفل میں حاضر ہوتے اور انکے ارشادات وفرمودات کو تمام ترعقیدت کے ساتھ سنتے اور لکھتے تھے۔لیکن شیخ کی وفات کے باعث انکے ملفوظات کے تدوین کا کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا اور صرف ۲۰ مجالس ہی مکمل ہوسکیں۔شیخ کی وفات کے بعد حمید کا قیام بھی دولت آباد میں مختصر رہا اور وہ دہلی واپس آ گئے لیکن دولت آباد میں قیام کی خوبصورت یادیں ان کے دل سے محو نہیں ہوئیں اور وہاں جانے کیلئے انکا دل تڑپتا ہے جس کا اظہار وہ اس طرح کرتے ہیں:

سعدی همه گه به یاد شیراز | کاش از وطنم نه او فگندی
من داشته یاد دولت آباد | ای کاش که دولتم دهندی
از زلف بتی فگند ایام | در گردن وقت من کمندی
مردانه رود قلندر ارنی | مردانش کنند ریش خندی
گویند حمید چند گردی | بنشین به مقام صبر چندی
چون بگذری به دولت آباد | برخاك زمین دولت آباد
بردوست سلام من رسایی | این یاد غریب رادهی یاد
بوی تو نمی دهد مگر گل | پیغام نمی برد مگر باد[1]

حمید نے دولت آباد سے واپس آ کر شیخ نصیر الدین محمود اودھی معروف بہ چراغ دہلی[2] کے دولت دامن (۷۵۴ھ) سے وابستہ ہو کر شیخ کے ارشادات و فرمودات کو صرف ایک سال کی قلیل مدت میں (یعنی ۷۵۵ھ) میں کتابی شکل میں ''خیر المجالس'' کے نام سے جمع کر دیا۔

خیر المجالس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حمید کو نہ صرف عربی زبان پر قدرت حاصل تھی بلکہ قرآن و حدیث کی بابت انکا مطالعہ و مشاہدہ وسیع تھا۔ اس کے علاوہ فارسی زبان پر بھی مہارت حاصل تھی۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب ان کے زبان و بیان پر قدرت کے اعتراف میں لکھتے ہیں[3] ''خیر المجالس کے جو حصے انکے اپنے قلم کی تراوش کا نتیجہ ہیں ان سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ نثر مسجع لکھنے کا بڑا سلیقہ رکھتے تھے۔''

حمید کو بہ حیثیت ایک مرشد ایک عمدہ نثر نگار کافی مقبولیت حاصل تھی لیکن ایک قادر الکلام شاعر ہونے کے باوجود حمید کو بھی عہد فیروزی کے دیگر غیر معروف شعراء کی مانند وہ مقبولیت اور شہرت حاصل نہ ہو سکی جس کے وہ حقدار تھے شاید اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی رہی ہو کہ انکے روحانی استاد حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ راہِ سلوک کا یہ راہی سیر سلوک اور عرفانی راہ سے ہٹ کر دنیاوی علائق میں مبتلا ہو جائے اور شعر گوئی میں اپنا وقت ضائع کرے۔ جس طرح شیخ جمال دہلوی کنبوہی نے اپنے پیرو مرشد شیخ سماء الدین کنبوہی کے احترام میں دنیاوی

---

۱ مجموعہ: ص ۵۹

۲ اُنہوں نے محمد بن تغلق کی وفات سے قبل ہی فیروز کی تخت نشینی کی پیشن گوئی کی تھی جس کے سلسلے میں بادشاہ نے آپکو گرفتار کرنے کا حکم جاری کیا شاہی کارندوں نے جب آپکو گرفتار کیا بادشاہ سخت بیمار ہو گیا کارندوں نے بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر آپکو فوراً چھوڑ دیا۔

۳ نذیر احمد: ص ۲۳۰

علائق سے کنارا کشی اختیار کرلی تھی۔ اسی طرح حمید نے اپنے شعری ذوق کو خیر باد کہہ کر اپنے پیر کی خواہش پر عمل کیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اکثر و بیشتر شعر کہہ کر اپنی مہارت کو ضرور اجاگر کرتے تھے۔ حمید کو اپنے پیر سے کس قدر عقیدت و محبت تھی اسکا اظہار انکے ذیل کے قطعہ سے ہوتا ہے جس میں انہوں نے اپنے روحانی پیشوا کی تکلیف درد اور پریشانی کو دل سے محسوس کیا ہے:

اماس که از پایی مبارك زاد است　　　زانست که بوسها ملایك داداست
یا خود زجهانِ همی رود بهر وداع　　　در آمده پایی شما افتاد است[۱]

جب حمید کو نصیر الدینؒ کی جانب سے اس قطعہ پر داد ملی تو انہوں نے دوسری محفل میں دوسرا قطعہ پڑھا۔

دردِ دل عاشقان ازیں بیرونست　　　هر چند دوا کنند درد افزونست
آن درد نپرسم که زعشق است به دل　　　ای درد بگویی مبارك چونست[۲]

حمید نے خیر المجالس میں بعض جگہ پند و نصیحت اور سبق آموز اشعار بھی نظم کئے ہیں جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

هر نامه که از عقل درو فایده نیست　　　جز مهمل و نا مصطلح و زایده نیست
چو دعوای پیغامبر و معجزه نی　　　چو مجلس دعوت که درو مایده نیست[۳]

خیر المجالس میں حمید انسانی عقل و دانش کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هر آنکس که او استعارت ندارد　　　عرب خواند او را عریض الوسادة
عریض الوسادة به شب خفته نادان　　　همین بالشی زیر گردن نهاده[۴]

خیر المجالس میں حمید کی دو رباعیاں، چار متفرق فارسی اشعار اور ایک عربی قطعہ درج ہے۔ اسکے علاوہ انکے کلام کا ایک بڑا حصہ مجموعۂ لطائف میں نقل ہوا ہے۔ جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ قصیدہ در مدح فیروز شاہ تغلق
۲۔ قصیدہ در مدح حضرت نظام الدینؒ اولیاء
۳۔ قصیدہ در مدح فیروز شاہ تغلق

۱۔ خیر المجالس: ص۲۰۵
۲۔ ایضاً: ص ۲۲۵
۳۔ ایضاً: ص ۲۷
۴۔ ایضاً: ص ۴۵

۴۔ قصیدہ در مدح فیروز شاہ تغلق

۵۔ قصیدہ در مدح فیروز شاہ تغلق

۶۔ قصیدہ در مدح فیروز شاہ تغلق

۷۔ قصیدہ در مدح فیروز شاہ تغلق

۸۔ قصیدہ در مدح فیروز شاہ تغلق

۹۔ قصیدہ در مدح فیروز شاہ تغلق

۱۰۔ ترجیع بند بہ مقابل شیخ سعدی شیرازی در مدح نظام الدینؒ اولیاء

مولوی عبدالحق محدث دہلوی نے حمید کو اگر چہ بہ حیثیت شاعر تسلیم کیا ہے لیکن ان کے کلام کو شیرینی و لطافت سے بے نیاز بتاتے ہوئے انکا ذکر مندرجہ ذیل عبارت میں اس طرح کیا ہے:

"شعر او نه از ان قبیل است که او را توان بوی یاد کرد۔"

حمید کے قصاید کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ انہوں نے متقدمین کی بھی پیروی کی ہے اور اپنے بیشتر قصاید ظہیر فاریابی کی تقلید میں نظم کئے ہیں اگر چہ کہیں کہیں حمید نے ظہیر کا نام نہیں لیا ہے لیکن ان کے اشعار سے ظہیر کی تقلید صاف ظاہر ہوتی ہے۔

حمید نے اپنا پہلا قصیدہ فیروز شاہ کی مدح میں نظم کیا تھا جس میں فیروز کی کسی مہم کی کامیابی کو موضوع بنایا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے:۔

شاها و سرو را و سر افراز لشکرا　　فتحت خدای داده و در هر مکان دهد

تن را گداختم چو تو سلطان دل شدی　　تا جان همای عشق ترا استخوان دهد

شود ز خون خصم سپهر آستین تیغ　　بوسهٔ فلك به دامن بر گستوان دهد

گر عدل من نه بیند با خلق روزگار　　قاضی چرخ در بر من طیلسان دهد

حمید کے اس قصیدے کے مطالعہ کے بعد جب ہم ظہیر کے قصیدے کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ظہیر اور حمید کے قصاید کی نہ صرف طرز ایک ہے بلکہ اشعار میں بھی مشابہت پائی جاتی ہے۔

موازنہ کیلئے حمید اور ظہیر کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

حمید:

در کوی عشق چون به گدایی رود شهی　　　صد آبروی ملك بیك تای نان دهد

ظہیر:

مائیم و آب دیده که سقای کوی دوست　　　صد مشك ازیں متاع بیك تای نان دهد

حمید نے اپنا دوسرا قصیدہ مشہور صوفی بزرگ اور اپنے پہلے روحانی استاد اور پیر و مرشد سلطان شیخ المشائخ حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی وفات کے بعد انکی یاد میں نظم کیا تھا جسکا موضوع پند و نصیحت ہے۔ یہ قصیدہ بھی ظہیر کے قصیدہ کے تتبع میں نظم کیا گیا ہے۔ شاعر کے اس قصیدے کی سب سے اہم خوبی اسکی سادگی اور وہ طبعی احساسات ہیں جو اسکے ممدوح کی وفات کی خبر سنکر بے اختیار اسکے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور نوک زبان سے دلفریب الفاظ کا جامہ پہن کر سادہ مگر دل پذیر اشعار کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اس قصیدے کا مطلع حسب ذیل ہے:

علی الصباح که تائب شدم ز فسق و فجور　　　بگوش جان من آمد ندای ز رب غفور

حمید اپنے پیر و مرشد سے جدائی کو دنیا کا سب سے بڑا المیہ قرار دیتا ہے اور اس سے اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

ازان فسوس که داخل نه اند در عهدت　　　همین روند پشیمان شده سنین و شهور

بغیر چون تو امام، اقتدا چنان ماند　　　ره دراز و شب تیره راهبر شب کور

فلك دگرچه نهد بر سرم بلای عظیم　　　همین بسنده بود کا وفتاده ام زتو دور

مندرجہ بالا آخری بیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی وفات کے وقت حمید دہلی سے دور تھے ورنہ دہلی کے قیام میں ہی روضۂ مبارک سے دوری کا احساس شاعر کے بچین دل کو کیوں تڑپاتا اور اس دوری کو وہ بلای عظیم سے کیونکر تشبیہ دیتا۔

حمید کا تیسرا قصیدہ فیروز کی تعریف میں نظم کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ بھی حمید نے ظہیر کے تتبع میں قلمبند کیا ہے۔ جس کا اعتراف وہ اپنے شعر میں اس طرح کرتا ہے:

اگر ظهیر کہ گفتم جواب او باشد　　زبان عذر بہ صد اعتذار بگشاید

ظہیر کے اسی قصیدے کے تقلید میں نہ صرف حمید بلکہ عہد محمدی کے مغیث الدین ہانسوی نے بھی ایک قصیدہ نظم کیا ہے اور عین ممکن ہے کہ حمید کی نظر سے مغیث کا قصیدہ گذرا ہو مگر اسکا اعتراف مفقود ہے حالانکہ انہوں نے ظہیر کا نام لے کر یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے ظہیر کی تقلید میں اپنا قصیدہ لکھا ہے۔ ذیل میں ظہیر، مغیث اور حمید کے اشعار موازنہ کے لئے نقل کئے جاتے ہیں:

ظہیر:

بہ حلقۂ کہ سر زلف یاد بگشاید　　زمانہ را و مرا ہر در کار بگشاید

بہ نامیدی وصلش امید وار شدم　　کہ ہر چہ بستہ شود استوار بگشاید

مغیث:

بہ عشق بیت ظہیر آنکہ ہست مصرا عش　　کہ ہر چہ بستہ شود استوار بگشاید

مغیث ملتزم این ردیف گشت و منم　　کہ یافت از سخنم اعتبار بگشاید

حمید:

دلم بہ حلقۂ غم بستہ شد گشاد بہ چیست　　بہ حلقۂ کہ سر زلف یار بگشاید

مندرجہ بالا اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ مغیث نے ظہیر کی اور حمید نے مغیث اور ظہیر کی نہ صرف پیروی کی ہے بلکہ ان کے شعر پر تضمین بھی کی ہے۔

فیروز کی مدح میں شاعر کا تیسرا قصیدہ جس کی ردیف دوسرے قصیدے کی ردیف ''بگشاید'' سے بالکل متضاد ''بر بندد'' ہے جو پہلے قصیدے سے زیادہ سادہ، رواں اور مؤثر ہے۔ خاص کر اسکی تشبیب خوبصورت تشبیہات کی بنا پر خاص اہمیت کی حامل ہے۔ قصیدہ کا آغاز حسب ذیل شعر سے ہوتا ہے۔

سپیدہ دم چو خیام نہار بر بندد　　جہان ختن شود و شام بار بر بندد

مجموعہ سے دریافت حمید کا چوتھا قصیدہ بھی فیروز کی مدح میں ہے اسکی ردیف ''ملک'' ہے۔ ۱۷ ابیات پر مشتمل یہ قصیدہ اپنی سادگی، روانی اور بے جا مبالغہ اور لفاظی سے محفوظ ہونے کی وجہ سے لایق تحسین ہے۔ اس قصیدے میں شاعر

نے بادشاہ اور اسکے خاندان کے دیگر افراد کے بادشاہ ہونے کا ذکر بھی کیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل بیت سے ظاہر ہوتا ہے:

ای ملك تو باقی و چنین نیست دگر ملك　　جان یافت زتیغ تو و شد زنده ز سر ملك
خود شاهی وعم شاه و برادر همه شاهاں　　هم یافته ملك از حق وهم خاسته در ملك

حمید کے گذشتہ صفحات میں درج چاروں قصیدے کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حمید نے صرف قصیدہ خوانی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ پند ونصیحت کو بھی اس نے اپنے قصاید کا موضوع بنایا ہے۔ خاص کر وہ قصیدہ جو اس نے حضرت نظام الدینؒ کی وفات کے بعد نظم کیا، پند ونصائح سے پُر ہے۔ حمید نے اس قصیدے میں فیروز کو پند و نصیحت کی ہے حمید نے اس میں انتہائی سادہ اور آسان الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

حمید کے قصاید کی سب سے اہم اور بڑی خاصیت یہ ہے کہ اس میں تاریخی واقعات کا بھی ذکر ملتا ہے کیونکہ اس عہد کے اکثر آثار ضائع ہو چکے ہیں جن کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا، لیکن اس عہد کی شاعری وہ واحد ذریعہ ہے جس کے مطالعہ سے ہم اس عہد کے علوم وفنون، معاشرہ، سماج، تہذیب وتمدن اور تاریخی واقعات سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ حمید کے قصاید بھی تاریخی واقعات بیان کرنے کے سبب بڑی قدر و قیمت کے حامل ہیں خاص کر وہ قصیدے جس میں سلطان کی مہمات اور فتوحات کا ذکر کیا گیا ہے تاریخی اعتبار سے اہم ترین قصاید شمار کئے جاتے ہیں۔ حمید کا پہلا قصیدہ بھی کسی مہم کو کامیابی کے ساتھ سر کرنے کی تعریف میں لکھا گیا ہے۔ اسکا پانچواں قصیدہ بھی فتح جاج نگر (۷۶۱ھ/۱۳۵۸ء) کی تعریف میں لکھا گیا ہے۔ اس مہم کو سر کرتا فیروز پدماوتی اور پرم تلا کے جنگلوں میں داخل ہوا تو ہاتھیوں کی کثیر تعداد نے اسکے شکار کے شوق کو مزیداً کسایا اور اس نے دو ہاتھیوں کا شکار کیا اور ۳۳ ہاتھیوں کو زندہ گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ شمس سراج عفیف اور بدایونی نے ملک ضیاء الملک[۱] کی مندرجہ ذیل رباعی کے حوالے سے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے:

شاهی که زحق دولت پاینده گرفت　　اطراف جهان چو ملك تابنده گرفت
از بهر شکار فیل در جاج نگر　　آمد، دو بکشت وسی و سه زنده گرفت

حمید نے اپنے اس تاریخی قصیدے میں ''پیل'' کی ردیف کا استعمال کرتے ہوئے اس واقعہ کا ذکر کیا

۱۔ میرے محدود علم میں اس رباعی کے علاوہ اس شاعر کے کلام کا کوئی نمونہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکا ہے۔

ہےاور مندرجہ ذیل اشعار میں سلطان کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

شاها به پیل مال ز گردوں مدار پیل　　مال از جهان بهار به پشت هزار پیل
سلطان ابوالمظفر فیروز شه تویی　　که اصطبل شاه راست فزون اسب وار پیل
با بیقراری که ننهادند پیل را　　در پایی گاه خاص تو گیرد قرار پیل
گویی کی آفتاب بر آمد فراز کوه　　چون در وغا سوار شد، شهریار پیل
سی وسه پیل جاج نگر همچنان نگر　　آورده گویی شاه هزاران هزار پیل

حمید صرف متقدمین کی پیروی وتتبع میں ہی مہارت نہیں رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اپنے رنگ اور مخصوص لحن میں بھی شعر کہے ہیں اور یہ وہ لحن اور سبک ہے جو امیر خسرو کے علاوہ انکے ہم عصر تمام معروف شعراء حسن دہلوی، بوعلی قلندر پانی پتی اور گمنام شعراء میں مغیث الدین ہانسوی، احستان الدین کے یہاں نظر آتا ہے۔ جو آگے چل کر سبک ہندی کے نام سے مشہور ہوا۔

اگر حمید کے کلام کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو انکا تمام کلام شعری محاسن سے پر نظر آتا ہے۔ ان ہی صناعاتی قصاید میں حمید کا ایک قصیدہ جو اس نے فیروز کی شان میں لکھا ہے۔ صنعت ردالعجز علی الصدر کی عمدہ مثال ہے۔ شاعر نے جس خوبی سے اس صنعت کا استعمال کیا ہے وہ اسکو دیگر ہم عصر شعراء کے بالمقابل انفرادیت بخشتی ہے۔ اس قصدے میں شاعر نے عام شعراء کی مانند روایتی حسن وعشق کا ذکر بھی انتہائی چابکدستی اور ماہرانہ انداز میں کیا ہے۔ جس سے قصیدے کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل ابیات سے حمید کی شعر گوئی، الفاظ پر گرفت اور فنی مہارت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

دهان یار چو بر من گشاد خنده نهان　　جهان فدا بکنم بر چنان لبان و دهان
زبان عذر به پیشت گشاد سوسن فضل　　چنانکه بلبل فضال در کشید زبان

شاعر نے صنعت لف ونشر (جسکا قدیم نام صنعت تقسیم ہے) کا استعمال امیر خسرو کے ایک التزامی قصیدے کے تتبع میں ایک قصیدہ نظم کیا ہے۔ اس صنعت میں امیر خسرو نے دو قصیدے نظم کئے ہیں حمید نے امیر خسرو کی پیروی میں جو قصیدہ قلمبند کیا ہے اس میں نہ صرف یہ کہ بحر و قوافی میں یکسانیت پائی جاتی ہے بلکہ کہیں کہیں امیر

خسرو ہی کے الفاظ کا استعمال بھی کیا ہیں۔ اس امر کی تصدیق کیلئے حمید اور خسرو کے اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

خسرو:

نبا شد چون لب و اندام و گیسوت و برت هر گز

شکر شیرین و گل رنگین و شب مشکین و صبح انور

حمید:

نباشد چون لب و رخسار و زلف و روی تو هر گز

عنب شیرین و گل نوشین و شب روزین و روزانور

حمید نے اس قصیدے میں ایک التزام یہ بھی کیا ہے کہ پہلے مصرع کے تین مسجع الفاظ کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں بھی تین مسجع الفاظ کا بالترتیب استعمال کیا ہے اور یہ التزام انہوں نے بڑی مہارت سے کیا ہے کہ پورے قصیدے میں شروع سے آخر تک کہیں بھی اس التزام کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے:

کجا یابم به باغ و راغ و بستان و چمن یکسر

چون تو گلبوی لاله روی سنبل موی نسرین بر

اگر حمید اور امیر خسرو کے قصاید کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو بلا جھجک یہ کہا جاسکتا ہے کہ حمید کی مہارت اور کلام کی پختگی اپنی جگہ مسلم ہے اسکے باوجود اسکے قصیدے میں وہ روانی شگفتگی اور شیرینی مفقود ہے جو امیر خسرو کے قصاید کا خاصہ ہے۔

حمید نے فیروزشاہ کی مدح میں ایک توشیح بھی نظم کی جس میں شاعر نے ہر بیت کے چاروں جز کا ایک ہی حرف سے آغاز کرنے کا التزام کیا ہے۔ جس سے چار مرتبہ ''السلطان الکرام فیروزشاہ السلطان'' نکلتا ہے لیکن افسوس کہ آخر کے السلطان کے ''سین'' سے شروع ہونے والا بیت مجموعہ میں شامل نہیں۔ مجموعہ میں کچھ اشعار کی ترتیب اوپر نیچے ہوگئی ہے جس کی بنا پر پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اس نظم کے تین شعر غائب لکھے ہیں حالانکہ ''الکرام'' کی جگہ الکرم کی ترتیب موجود ہے اگر ''ک'' حرف سے شروع بیت کو ''الف'' سے شروع ہونے والے بیت سے پہلے پڑھا جائے تو الکرام ہی نکلتا ہے۔ اسی طرح آخر کے تین اشعار سے پہلے ''سین'' حرف سے شروع ہونے والے بیت کو

غائب مانا جائے تو سلطان لفظ کے بجائے السلطان لفظ نکلے گا اور اس کو سلطان لفظ ہی سمجھا جائے تو ''الف'' اور ''لام'' سے شروع ہونے والے اشعار زائد ہونگے۔ میرے نزدیک صرف حرف 'سین' سے شروع ہونے والا شعر غائب ہے نہ کہ تین اشعار اور اس طرح سے السلطان الکرام فیروز شاہ السلطان نکلتا ہے۔

ای ناصر دین خدا امر تو، امر مصطفا ار زانی آمد مرترا اقبال و جاہ سروری

لامع به نور لم یزل لاحق به ملك یزل لایق بد و ملك و مدد لازم بدو سلطان فری

مندرجہ ذیل ابیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کی طبیعت نہ صرف مشکل پسندی کی طرف راغب تھی بلکہ جس التزام کے ساتھ اس نے یہ نظم لکھی ہے اس کے بعد نظم کی وہ پختگی، خوبصورتی اور روانی ختم ہو جاتی ہے۔ جس کی وہ مستحق ہے

حمید کا اہم ترین کارنامہ جسے شاعر کا شاہکار سمجھنا چاہیے حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی وفات کے بعد لکھا گیا وہ ترجیع بند ہے۔ جس کو انہوں نے ''گلستان'' و ''بوستان'' کے مصنف اور غزل کے پیش رو سعدی شیرازی کے معروف ترین ترجیع بند کے جواب میں قلم بند کیا۔

پروفیسر نذیر احمد صاحب اپنے مقالہ بنام ''فیروز شاہ تغلق کے عہد کے چند غیر معروف فارسی شعراء'' میں لکھتے ہیں:

''اگر چہ حمید کے ترجیع بند کی ترتیب کچھ زیروزبر ہوگئی ہے جس سے تمام بندوں کا تعین کرنا دشوار ہو گیا ہے لیکن ۷ بندوں کا یقینی تعین ہو چکا ہے اور ان میں پہلا بند سعدی کے ذیل میں نقل ہے اور بیت ترجیع بھی سعدی کی ہی ہے اس نظم کو سعدی کی پیروی میں سمجھنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ مجموعہ لطایف میں سعدی کی نظم حمید کی نظم سے پہلے نقل ہوئی ہے۔ ذیل میں حمید اور سعدی کی بیت ترجیع نقل کئے جاتے ہیں:

سعدی:

بنشینم و صبر پیش گیرم دنبالۀ کار خویش گیرم

حمید:

بنشینم اگر نشست یابم بی صبر قرار می شتابم''

آپ آگے لکھتے ہیں:

"حمید کے ترجیع بند سے حسب ذیل دو باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ حمید نے بلا ارادہ ہی سعدی کی تقلید کی ہے اور وہ اپنے اشعار میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ سعدی کا نام لیتا ہے وہ اس بات سے خوفزدہ ہے کہ کہیں اس سے سعدی کی شان میں کوئی گستاخی سرزد نہ ہو جائے جس سے سعدی کی عزت و حرمت میں کوئی کمی واقع ہو چنانچہ وہ خود کو گدا اور ذرہ جیسے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور سعدی کو ملک و آفتاب جیسے القاب سے نوازتا ہے۔

مائیم گدای ملك سعدی　　　در ملك كلام اوست خسرو
من ذره و اوست آفتابی　　　كو ذره و آفتاب و پرتو

اس نظم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حمید کے اس ترجیع بند کے چودہ بند سعدی کی نظم کے ہم ردیف و ہم قافیہ ہیں۔

۲۔ حمید نے ترجیع بند اپنے روحانی استاد حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی مدح میں نظم کیا جیسا کہ ذیل کے شعر سے ظاہر ہوتا ہے:

امروز سخن نمی كند كس　　　در ختم كلام جز منم بس
كلكم انا افصح المعجم زد　　　اینجا عرب ابكمت و اخرس
شیخ العالم نظام ملة　　　آن در نفیس و روح انفس"

پروفیسر موصوف کے اخذ نتیجہ میں کسی قسم کی شک کی گنجائش نہیں کہ یہ اشعار سعدی کی پیروی میں نظم کئے گئے ہیں۔

خصوصیات کلام:

حمید قلندر کا تمام کلام اسکے ہم عصر اور گمنام شعراء کے بالمقابل شعری محاسن کے اعتبار سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ خاص کر وہ قصیدے جن میں فیروز کی مہمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ تاریخی اعتبار سے قابل توجہ ہیں حمید کے قصیدوں کی تشبیب نہایت عمدہ، شیریں اور رواں ہوتی ہے۔ چند شعر نقل کئے جاتے ہیں:

شاها و سرورا و سرافراز لشکرا   فتحت خدای داده و درهر مکان دهد
باران عشق بارد و خیزد گل جمال   بس جلوه های ناز که در بوستان دهد

حضرت نظام الدین اولیاء کی مدح میں نظم کیا گیا ایک قصیدہ جو انکی وفات کے بعد حمید نے انکے روضہ سے دور رہ کر لکھا تھا اسکی تشبیب بھی نہایت عمدہ اور خوبصورت ہے چونکہ اس قصیدہ کا موضوع پند و موعظمت ہے اسلئے اسمیں وہ دلکشی اور خوبصورتی مفقود ہے جو حمید کے دوسرے قصیدوں میں نمایاں نظر آتی ہے لیکن اسکا گریز طبعی اور اپنی سادگی کے باعث لائق تحسین ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

امید نیز مکن منقطع ز نعمت خلد   که هست بهر تو، نی ازپی و حوش و طیور
بترس ز آفت به روز حشر و مکوش   که گردی از عمل زشت در جهان مشهور
پنه مخواه زهر کس که رفت عمر بباد   قبول جویی فرقی کن از صبا و دیور
زتو روشنی دل خویش زان چراغ بخواه   که ماه و مهر بود ذره اش بوقت ظهور

حمید نے تقریباً تمام شعری صنعت اور محاسن کا استعمال کیا ہے اس کا تمام کلام صنائع و بدائع سے پر نظر آتا ہے۔ خاص طور سے اس کے وہ قصاید جس میں ردالعجز علی الصدر اور لف ونشر کا جس طرح استعمال کیا گیا ہے اسمیں وہ اپنے ہم عصر شعراء میں سبقت لے گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو صرف شعر گوئی پر ہی مہارت حاصل نہ تھی بلکہ وہ شعری محاسن پر بھی خاصی گرفت رکھتا تھا۔

دهان یار چو بر من گشاد خنده نهان   جهان فدا بکنم بر چنان لبان و دهان
میان سرو چه فرق است درمیان قدت   که او درست میانست و این شکسته میان

حمید کے قصیدوں کی سب سے اہم خصوصیت اس کی سادگی، شیرینی، روانی اور ہم آہنگ الفاظ کے علاوہ اسکی تشبیہات ہیں وہ انتہائی تازہ شگفتہ، اچھوتی اور نادر تشبیہات کا استعمال کرتا ہے۔ جو اسکے کلام کو مزید خوبصورتی اور رونق عطا کرتی ہیں۔ وہ عام شعراء کی مانند، گل غنچہ، بنفشہ، زلف اور کمند جیسی تشبیہات کا استعمال بہت خوبصورتی کے ساتھ کرتا ہے۔

قصیدوں کے علاوہ حمید کی مہارت فن شعر میں اسکی غزلیات سے بھی نمایاں ہوتی ہے اگر چہ اسکی موجودہ غزلیں مختصر ہیں اور صرف چھ یا سات ابیات پر مشتمل ہیں لیکن اپنے موضوع کے اعتبار سے ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

حمید کی غزلوں کا موضوع بھی عارفانہ ہے اسکا سبب یہ ہے کہ ایک تو اس عہد کی شاعری پر وحدت الوجود اور صوفیانہ افکار کا رنگ غالب تھا اور دوسرے وہ خود بھی صوفی اور قلندر تھے لہٰذا ان کی غزلوں میں بھی آزادروی اور قلندرانہ شان کی جلوہ گری دکھائی دیتی ہے۔

خواهم که نگویم سخن هیچ ز تعظیم — لیکن چه کنم ذکر تو اندر دهن آید
دشمن درد تو چرا گشت نفس — درد تو ای دوست چو در مان ماست

حمید کے قصاید کی طرح اسکی غزلیں بھی اپنی سادگی کیف و مستی، روانی اور قلندرانہ روش کی بدولت اہمیت سے خالی نہیں لیکن افسوس کہ سخت تلاش و جستجو کے باوجود یہ علم نہیں ہوسکا کہ حمید نے صرف یہی غزلیں نظم کیں تھیں یا اسکے علاوہ بھی غزلیں کہی تھیں جواب ضائع ہو چکی ہیں اگر یقیناً ایسا ہے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ اگر اسکی اور غزلیں دستیاب ہوتیں تو فارسی شاعری کے خزانہ میں صوفیانہ، عارفانہ اور قلندرانہ شان سے مزین کلام کا مزید اضافہ ہوتا۔ آئندہ صفحات میں حمید کا تمام دستیاب کلام نقل کیا جاتا ہے:۔

قصیده

هر که کرد[1] از سر اثر در جهان دهد — معشوقه رخ نماید و عشاق جان دهد[2]
باران عشق بارد وخیزد گل جمال — بس جلوهای بارگه در بوستان دهد
گه بر سپهر حسن برآید مسیح روح — عشقش به دست ابرهٔ بی ریسمان دهد
گه در بهشت وصل چوا دریس در رود — عاشق که عشق مملکت جاودان دهد
دل در شکار گاه محبت به زد چوصید — از غمزه تیر سازد و ز ابر و کمان دهد
پروانه وار رقص کند دل به ناز عشق — گر شمع طلعتش به وصالی زبان دهد
مداح روح بیند در پای چشم پیش — کشتی رخت سفینه به آبِ روان دهد
آن پیر را که دهر کند ابتداء عشق — تسبیح رشته کرده به دست جوان دهد
چون غرقهٔ که بدارد به هر کلاه — از دست دوست قصد بدین و بدان دهد

---

۱ کذا

۲ مجموعہ: ج اوّل، ص۵۹

چون مفلسی کی برده قضا و گرفته خون — پیغام عشق سوی نگین و نگان دهد
در کوی عشق چون به گدایی رود شهی — صدا بروی ملك بیك تای نان دهد
تن را گداختم چو تو سلطان دل شدی — تا جان همای عشق ترا استخوان دهد
هر برگ مشك بوی که دمداز گل حبیب — تعویز حب کن که اثر زعفران دهد
از بنده گر ضمان طلبی جز خدای کیست — آنرا کی خلق نیست خدارا ضمان دهد
در دار حرب عشق تو هندوی عقل من — ایمن شود چو ترك فراقت امان دهد
القصه چو تمام شود کار عشق وحسن — بر دست شاعران قلم امتحان دهد
شاعر منم که خامه[۱] پخته کلام من — صد گنج نظم بیش زطرق اللسان دهد
خواب اندرین زمانه تویی کز برای تو — یکجان نه گر هزار بود انس و جان دهد
شیرینیی لبت بر دلبر شکر چواو — بوسه به خاك حضرت شاه جهان دهد
فیروز پادشاهی کی فیروزیش خدای — دادست بر زمین و نه هفت آسمان دهد
کیخسرو عراق در آید به بند گیش — مالش به طوع خسرو مازندران دهد
خرشید سجده بر طرف حضر تش برد — اجرام بوسه بر شرف آستان دهد
هفصد سرادق افکند از بس زکبریا — تا جبرئیل وهم ز قدرش نشان دهد
طوطیی تیر سرخ کندلب زخوف ترك — طاوس تیغ جلوه به هندوستان دهد
شوید زخون خصم سپهر آستین تیغ — بوسه فلك به دامن بر گستوان دهد
مطرب درین طرب برند ارغنون فتح — ساقی بدین نوید می ارغنون دهد
بیمار حرب را که برو باد حربه زد — از خاك معرکه شکر و ناردان دهد
از شعر او کنند اگر شعر دلبران — هر تار او ترانهٔ جنگ چغان دهد
از لفظ او کنند اگر نزد اهل دل — علم علوم لقمه کنند در دهان دهد
از روی افکنند اگر اقتباس نور — آیات نور شعله به چرخ دخان دهد

---

۱. اصل: جامه، تصحیح قیاسی

شـاهی کی بلبلان سخن را به صد نوید　　در بـوسـتـان بـخشش خود آشیان دهد
شـاهـی کـه در دانهٔ بدنش چو ریختند　　گـنجشك بیضه بر صفت ماکیان دهد
شاهی کی چون به راه خدا شد سوار غزو　　عـاصـی به راه سنت مرسل عنان دهد
شـاهـا و سـرورا وسـرا فـراز لشکـرا　　فتحت خدای داده و در هر مکان دهد
اسبی که در رکاب سعادت شهیست پای　　هـر مـوی او مهـابـت شیـر زیـان دهد
دهـد کـآن خبـر دهـد از کلهٔ خیـال　　ز ازل در اسـاس زمیـن زمـان[1] دهـد
طبـلیـی کـی جـانشین کند سحر ظفر　　کیخسرویت شرح به صد داستان دهد
هـر سـایـهٔ کـی از عـلم دولتت کشد　　بـر فـرق هفت کشور صد سایبان دهد
در مدح شه جواهر و زر می دهد حمیدؔ　　در شمع شه رسد همه دریا و کان دهد
گـر عـدل مـن نبیـنـد با خلق روزگار　　قـاضیـی چـرخ در بر من طیلسان دهد
ور علم من بداند گردون جهل دوست　　ار کوثرم شراب و ز فردوس خوان دهد
ور فضل من شناسد این چرخ کور چشم　　عیسیٰ مثال جای به جهان آسمان دهد
طـعـنسـت بـار اُشتـر زر در ره سخـا　　مـمـدوح گـر چـه بادیهٔ پیل دمان دهد
تـقصیر کرده باشد و توقیر نعمت آنك　　بـوسه به دست و جامهٔ شکر فشان دهد
تـا شـاه صبح اخچـهٔ زریـن مشـرقی　　گـردان کند به دامن مغرب عنان دهد
تـا مـاه شـب خـلیفهٔ سلطان ملك روز　　بـا لشـکـر نـجوم قـرار جهـان دهـد

یارب کی هم به عمر تو هر دم شود مزید
هم ملك و ملك کم نشود آن چنان دهد

☆☆☆

---

[1] اصل: زبان، تصحیح قیاسی

قصیده

در مدح حضرت نظام الدین اولیاء

علی الصباح کی تایب شدم ز فسق و[1] فجور　به گوش جان من آمد ندای رب غفور[2]
که ای مقصر خدمت به عذر نا مسموع　بیا که با همه تقصیر داشتم معذور
چو بر قصور مقر آمدی به حضرت ما　ترا ز رحمت ما واجب است حور و قصور
تبارك الله ازین سو گناه و زان سو عفو　زهی خدای غفور و زهی عباد کفور
بدین زبان نتوان گفت شکر و هانی　که نیست هیچ زبان رامو اهبش مذکور
گمان مبر که به آسان توان رسید آنجا　نه خورده هیچ غم اینجابی سرای سرور
نگر نعرهٔ غزبی بس از کمال، که چیست　چرا شوی به ترقی چند گه مغرور
مونثی است سماعی حجیم قاهر لیك　نکو شنو کی بسوزد بسی اناث و ذکور
مرید را چه کنی روز حشر دامن گیر　که بوی کفر همی آیدت ز خرقهٔ زور
گرفتی از دم دنیا باز معذوری　چو شهو تسست چه غیرانه سیاه چو حور
مگو که بود جنید آدمی چنانك منم　که مستوی نه بود نار و نور ظل و حرور
زفعل بدهمه دیدند و فعل نیك ملك　توان مشو که شوند از تو وحش و طیر نفور
هم از ر باتست کش از استعارت سوسن　یکی سفال همی خواند و دگر ساطور
چو ممکنست نکو کردنت بدی کم کن　بنوش و به نیش مرگ مباش چون زنبور
دران بکوش کی هر دم شوی مکرم تو　اگر چه باز نگردد ز جهد، عصفور
گلی و آبی و بادی و عشق حضرت قدس　ضعیف طینتی و ار ز نا معذور
چو بهر نعمت فردوس می کنی کاری　فضولیست به شاهان تعطش مزدور
به ماجری قلم الحکم چون قلم سرنه　کی تابه سلسله نقتی به حشر هم چو سطور

---

۱ اصل "و" ندارد

۲ مجموعہ: ج اوّل، ص ۶۱

دهن بـه بـاده مـلـوث کـی ناپاکست　　وگـرنـه مـانـی محروم از شراب طهور
یـکـی ببیـن تو که از وی حیا همی زاید　　درونه دارد چه ماشی زجنب چون انگور
گـر از خـدای بترسی بشرنه ای ملکی　　حریف مست و مزاهم نه وشب دیجور
امیـد نیز مـکـن مـنقطع ز نعمت خلد　　که هست بهر تو نی از پی و حوش و طیور
بترس ز آفت شهرت به روز حشر و مکوش　　که کردی از عمل زشت در جهان مشهور
چـو ره زنان به کین اند رهنمای جویی　　وگـر نـه مـانی بر جای خسته و رنجور
پنه مخواه زهر کس که رفت عمر به باد　　قبـول جـویـی فـرقی کن از صبا و دیور
تو روشنی دل خویش زان چراغی خواه　　که ماه و مهر بود ذرّه اش به وقت ظهور
غلام دولت اویم که ذیل خواجه گرفت　　چـراغ هـمـت اویـافـت زان مطالع نور
نـظـام حـق رضـی اللّٰه عـنـه آن پیر　　کزو خدای خوش است از مناقب مشهور
بـه تـرك لـقـب اعـظـمـش بسنده بود　　مـرا مـران جهـان را بـی نـظـام امـور
کـی التـفات کند سوی حورعین باری　　به عشق حضرت باری کسی که رفت حضور
چو رفت باز به لاهوت روح قدس انکار　　کـه بُدبه مهبط نا سوت چند گه مایور
زهـی همیشه به سنگ خودان و تد که کلیم　　بـه خـانـقـاه تـو دیـد تـجلّی کوطور
بـه خـاکپـات نسـنـجـد عاقلان جهان　　متـاع مـمـلـکـت دار او قیـصر و فغفور
بـه صـدر دین توی از بحر کزراه تعظیم　　بـه سینه سوی توانید چون سفینه صدور
اگـر کـنـی بـه جهان نور خویشتن پیدا　　شـودهـویـدا چـون روز عـالـم مستور
بــه مـلك لـم یـزل فـقـرآن شهنشـاهی　　کـی هست نوبت عهد توتابه نفخهٔ صور
به طیب خلق تو بدخو شدنداهل بهشت　　نـه مـی کشند کنون بوی از بخار رنجور
ضـمیر بـحـر مثـالـت کـی بیـان علوم　　بـدیـد شـاه و گـدا داده لـؤلـؤ مـنثـور
زیـمـن روضـهٔ پـاك تو تـا قیام جهـان　　نـه بـس عجب کی ببخشد خدا عذاب قبور

چـو تـو مـعـمـر هر دو جهان کجا یابند　　کی هست بی تو خراب این جهان وآن معمور
مشـایـخـی کـه بـه دهـر اولیا و اقطایند　　ز خـدمـت بـه ارادت مباهند و فجور
شگفت نیست که آید کنون قیامت از آنك　　نیـنـد انـجـم و چرخ از پی لقات صبور
ازآن فسوس کی داخل نه اندر در عهدت　　هـمی روند پشیمان شده سنین و شهور
فـنابه سوی تو چون ره برد گر انفاست　　هـزار مـرده بیـابـد بـقـای نـا محضور
بـغیـر چـون تـو امـام اقتـد ابدان مـاند　　ره دراز و شـب تیـره راهبـر شـب کور
اگـر نـه وقـت تو بودی پس از توراه برم　　بـه دهـر کس ننمودی رهـم سوی دیهور
ز مـجـلـس وسـقیهم زلطف یك جرعه　　زبهـر صـحـت مژده که مانده ام رنجور
فـلك دگـر چه نهد بر سرم بلای عظیم　　هـمیـن بسنده بود که افتاده ام ز تو دور
حمیدؔ خستـه و مدح چو تو فلك قدری　　زهی خیال چه سوداست از متاع غرور
اگـرچـه هـر سـر مـویم زبان شود برتن　　بـود مـقـربـه مـدح تو هریکی به قصور

پـس از ممات چه گویم دعاء غفرانت
کی بود ذات تو هم درجات خود مغفور



قصیده

درمدح فیروز شاہ تغلق

[۱]چـو پـرده از رخ آن گـلعذار بگشاید　　بـفـال فـرخ اوکـار و بـار بـگشـایـد
بـراهـل سـتـر درد صـد هـزار پرده زهد　　چـو پـرده از رُخ او پـرده دار بـگشـاید
دلـم به حلقۂ غم بسته شد گشاد به چیست　　بـه حـلـقـه کـه سـر زلف یـار بگشاید
مدان[۲] به زلف تو تا ریست بی دلم لیکن　　کسـی نیـایـد اگـر تـار تـار بگشـاید

۱؎　مجموعہ ج اوّل، ص ۷۱
۲؎　کذا۔

مکن کنار ز عاشق چو بیند از بس دیر — به اشتاق فراوان کنار بگشاید
چو درتبسم و ضحك آید آن دهان چو گل — تبسم از گل هر شاخسار بگشاید
ندارد مهر تو خرماء لب به صایم هجرا — که مهر روزهٔ خود روزه دار بگشاید
گذشت بردر اُمید انتظار بسی — وگر گشاید ازین انتظار بگشاید
گشاد کارِ مراگفت روز گار سخن — کی استوار ببست استوار بگشاید
بگفت اوچه گشاید گشاد شه باید — کی بستگی همه روز گار بگشاید
ز درد یار گشاید چوچشم من گریه — بساکه گریهٔ غم درد یار بگشاید
مرا بدیدن رویت گشاد غنچهٔ دل — کی دل بدیدن باغ و بهار بگشاید
چنین که زلف چو ز نارتست جمله عقد — عقیده از دل زُنار دار بگشاید
اگر به باغ روی در دعات عرعرو سرو — هزار دست به سان چنار بگشاید
به خون بنده مباد آنگار بربندد — کی ممکنش نبود که آن نگار بگشاید
دوانست اُشتر جانم به زیربار هوا — کجا رسد که شتر بانش بار بگشاید
تنك شراب ده ای مست راکه ای ساقی — نه می تواند چشم از خمار بگشاید
هزار کار ببندد که بارنا دهد بیش — چو بار داد همه کاروبار بگشاید
چو کار خلق شود بسته نام شه گیرند — کی نام شاه چو گیرند کار بگشاید
ابو المظفر فیروز شه کی دست سخاش — گشاده ایست که آن کرد گار بگشاید
کلید فتح اقالیم تیر و خنجر اوست — بیك کلید هزاران حصار بگشاید
گره نبسته مگر در قبا که نقد بقاست — زهر گره نعم کام گار بگشاید
چو دست جود کشاید دروست معجزهٔ — کی از انامل دستش بحار بگشاید
بیك گرفت هزاران هزار بربندد — بیك کشاد هزاران هزار بگشاید
چه جای انکه کشد تیغ تیغ او پیکانست — چو تیغ تیر کشد مردوار بگشاید

فلك به مسرح شاهست دام و درنگران — چوپای صید شب از دام قاربگشاید
کند به نیم شکاری دوهر شکار که هست — با شکار چو اندر شکار بگشاید
کلوی بهمن وافرا سیاب بربندد — کمند رستم و اسفند یار بگشاید
جهان کشایا تیغت نیست زنگ و لیك — به آب قطرهٔ خود زنگبار بگشاید
بهار عهد تو دیوار و دربخنده کشید — چه خنده گل به سر شاخسار بگشاید
هنوز برد تو باشد جوان مقام چرخ — بل او اخر مشت قمار بگشاید
هنوز شاه تو باشی چو این عروس سپهر — ز اختران حُلی مستعار بگشاید
به کنج فضل نهاردست مهر خویش حمیدؔ — به بار حضرت سلطان بار بگشاید
اگر ظهیر که گفتم جواب او باشد — زبان عذربه صد اعتذار بگشاید
چو کار بنده گشاید دعا من اینست — به فضل شاه به هر جا که کار بگشاید
همیشه تاکه ببندد زمانه پردهٔ شب — به صبح پرده ز روی نهار بگشاید

در عطاء تو مفتوح بادبر همه خلق
زبان مدح صغار وکبار بگشاید



قصیده
درمدح فیروز شاہ تغلق

[۱] سپیده دم چو خیام نهار بربندد — جهان ختن شود و شام بار بربندد
کمند شب زمیان زمانه بگشاید — گلوی چرخ محیط نهار بربندد
زمانه چشم ببندد دمی میان دو صبح — به سان مست کی چشم از خمار بربندد
دلِ کی سلسلهٔ آهنین گسست ز شوق — به تار موی سر زلف یار بربندد

---

[۱] مجموعہ: ج اوّل، ص ۷۱۔

خوش آن کسی کی دارد بتی به خانه درون   در و دریچه براهل جوار بربندد
بهار مجلسی ماخود همیشه طلعت اوست   خصوص چونك گل نو بهار بربندد
چو شب به جلوه بیند د رخش عروس سپهر   ز اختراز حلی مستعار[۱] بربندد
فلك برای که ایات نور بگشاید   جهان به روی که جلباب قار بربندد
جهان بهار شود چون ز روی خود گل فتح   ببار[۲] حضرت سلطان بار بربندد
ابو المظفر فیروز شاه کز تیغش   جهان گشاید کجا روزگار بربندد
به چشم خصم نماید جهان زهول خشم   به رنگ قار چو سته[۳] ذوالفقار بربندد
خدا یگانه تو برجهان خداوندی   جهان به بندگیت بنده وار بربندد
کلاه داری مهرست آنکه از جوزا   کمر به خدمت شه استوار بربندد
چو شاه تیغ تو ریزد حنا ز خون عدو   عروس فتح به کفها نگار بربندد
بهار گلبن جاه تو دارد آن تاثیر   که راه اصل اعادی به خار بربندد
چنان ندید نظیر تو هم نخواهد دید   ازین سپس نظر انتظار بربندد
فلك ز حیط قیامت بروج بگشاید   جهان ز سیل سخایت بهار بربندد
به روز حکم تویك زال زین به رشتهٔ خام   چو چرخ خود فلك کام گار بربندد
ساهی[۴] تو چو جولان زند یشاء و مطین   ره مجال یمن و یسار بر بندد
کمند بهمن و افراسیاب بگشاید   گلوی رستم واسفند یار بربندد[۵]
عدو فرار ظفر بیند و مهابت شاه   ظفر بگیرد و راه فرار بربندد
حمیدؔ چونك گشاید زبان به خامهٔ فضل   بیان نامهٔ هر نامدار بربندد
درستیی کلکم آنکه اختیار نکرد   قلم شکسته در اختیار بربندد
همیشه تاکی زمین تیر حکم بپذیرد   هماره تاکه فلك تیغ کار بربندد

مزید عمر شهنشاه در ممالك باد
زهر عقود کی دست شمار بربندد

۱۔ یہ شعر گشاید والی ردیف کے قصیدے میں بعینہٖ آچکا ہے۔
چو شب به جلوه بیند د رخش عروس سپهر   "ز اختران حلی مستعار بگشاید"
۲۔ یہ شعر بھی گشاید والی ردیف کے قصیدے میں بعینہٖ آچکا ہے۔
جهان بهار شود چون ز روی خود گل فتح   "بیار حضرت سلطان بار بگشاید"
۳۔ کذا   ۴۔ کذا   ۵۔ یہ شعر بھی بگشاید والی ردیف کے قصیدے میں بعینہٖ آچکا ہے۔
کمند بهمن و افراسیاب بربندد   گلوی رستم و سفند یار بگشاید

قصیده

درمدح فیروزشاه تغلق

ای[۱]، ملك تو باقی که چنین نیست دگر ملك — جـان یـافت زتیغ تو وشد زنده سرملك
سـلـطـان جهـانـداری و فیـروز به عالم — شـاهنشهی و ملك تو سلطان دگر ملك
ملك تو چو دریاست در و تیغ تو گوهر — بـل تیغ تو دریای روانست و گهر ملك
تـازیده[۲] هـمـه وقـت بـرآیام سلاطین — هم ملك توبر بخت تو، هم بخت تو بر ملك
الـمـنتـه اللّٰه کـه ز تـائیـد حـق آمـد — دریـای هـمایون تو، از دیده و سر ملك
خود شاهی و عم شاه و برادر همه شاهان — هـم یافته ملك از حق وهـم خاسته در ملك
بعد از همه کس ختم که این ملك تو باقیست — پیش ازهمه شاهان به توشه داشت نظرملك
از تیـغ تـو شـد فتح همه ملك و ممالك — و از فتـح تو در کار جهان یافت ظفر ملك
تـادیـدن ز تیـغ تـو کنون روز ممـالك — بـودی به دعاء تو به هر شام و سحر ملك
در مـلك تـو کم یافت رهی هیچ گهی خوف — در عهد تو کم دید گهی روی خطر ملك
بـاغست جهان جمله درین ملك چو نوروز — و از فتـح و ظفر میوه درآن باغ و سحر ملك
مـلك آیـت نو رو شده درشان تو منزل — ای آیـت مـلك تـو شده ناسخ هر ملك
شـد گـرچه نبودست خبردر همه عالم — الحق زخوشی علما چون داد خبر ملك
چـون اشـرف قـومـنـد درین ملك مرفه — ایـن ملك شرف دارد امروز به هر ملك
از تیغ بـود ایـمـن و مـعـصوم هم از تیر — کز لشکر دعوات بسیی یافت دگر ملك
دیـوان حـمیـدٔ آمـده اعـلـیٰ ز دوا وین — کز مدح شهنشه ز سخن یافت دگر ملك

هـمـواره بـه تـائید خدا بـاش مؤید
هـر روز به تائید خدا گیر ز سر ملك

۱۔ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۰۔

۲۔ برٹش لائبریری کے نسخہ میں نقل قصیدہ ۱۷ ابیات پر مشتمل ہے جبکہ کابل کے نسخہ میں صرف پہلے تین شعر ہی نقل ہوئے ہیں۔

قصیده

در مدح فیروز شاه تغلق

شاها[۱] به پیل مال ز گر دون مدار پیل
مـال از جهـان بیـار بـه پشت هزار پیل

سـلـطـان ابـوالـمـظـفر فیروز شـه تویی
که اصطبل شاه راست فزون اسپ وار پیل

ای از مهـابـت تـو گـذشته بـه لمحـۀ
سُم خیـاط اُشتـر و سوراخ مـار پیل

بـرپشـت پیـل مـلك سواری و تـا ابد
در راه مـی رود بـه دُعـاء سوار پیـل

بـا بـی قـراری کـه نـنهـادنـد پیـل را
درپـای گـاه خـاص تـو گیـرد قرار پیل

شنگرف رنگ آور چون دوستان کنند
از خـوف دشـمنان تو نقش و نگار پیل

چرخ از صلابت آن نتواند کند که کرد
درپـای گـاه خـاص شـه کـام گار پیل

آنجا که چرخ محکم و العباد یاد خواند
درشـان مرکب است همانجا بدار پیل

بـا پیل گرد اسب مقالت که سر کشم
هـرگـز بـگـردمـن نرسد خـاکسار پیل

تا از کمند حرب تو خرطوم مرکب است
خـواهـد ز نـعل مرکب تو گوشوار پیل

یك پیـل پـائیـه است زمن استوار دار
هـر جـا کـه پای خویش نهد استوار پیل

گـویـی کـه آفتـاب بـر آمد فراز کوه
چـون در وغـا سـوار شـد شهـریار پیل

هـرگـز شـکارپیل دگر پادشاه نباخت
شـه باخت و بازی است که گیرد شکار پیل

گر[۲] کـردۀ داشـتـی ز ازل پیل گفتمی
کـرده است کرده آب درین کار زار پیل

هر پیل آن چنان است که یك پای اوست[۳]
گـویی که پای می نهد اینجا چهار پیل

بـر کوفت بادشاه چو باصد هزار اسب
درگـرد شد یکی نه یکی صد هزار پیل

در تـرك بـرد کـوکبـۀ صف شاه اسب
در هـنـد دیـد زلـزلـۀ زنـگبـار پیـل

از نـعـل مـرکـبـت کشرك پیـل آسمـان
آمـد چـنـان که خواسته ز و زینهار پیل

---

۱ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۰۲۔

۲ کذا۔

۳ لفظ: افتادہ۔

پیـل کـه اطـاعـت کثـرك امرشه نکرد　　آویـختـنـد و پـوسـت کشیـدهٔ بدار پیل
در بـذل پیـل بـالا بـخشیده زر به خلق　　چـنـد آنـچـه عاجز آمد در زیر بار پیل
بهـر رکـاب شاه شدست آشکار اسب　　بهـر شـکـار شـاه شدست آشکار پیل
آمـد ز پیـل خـانه برون پیل مست شاه　　بـاآن مهـابتـی کـی کـه گوید بدار پیل
مـالیده صندلش به تن و کرده بن سپید　　شـایـد سپیـد تهمتـن روزگـار پیـل
در مـلك شه زروره برآنکه به فرق خویش　　برسر چو خاك و بختی این خاکسار پیل
چون شیر مرغزار به هیجاست صف شکن　　هـی جـادهیـد گفته درین مرغزار پیل
شـداز شـراب خـانه شه هوشیار مست　　گـر بـعـد ازیـن رود بـود در خمـار پیل
دشمن به هرکجا که حصاری شود به ملك　　زا مرت کند خراب به دندان حصار پیل
هر پیل تن زرعب تولا غرچو بز شدست　　گـر رُعـب شـاه افتد گـردد نـزار پیل
هندوستان به خواب نبیند همان بهشت　　بیـدار دیـد هـنـد تـو شـد هـوشیـار پیل
از استـخـوان پیـل چو شطرنج شاه شد　　اسـب و رخ و پیـاده و اشتـر شـمار پیل
بـر پشت او عماری زر روشنم شداست　　بُرجی بر آسمان است به لیل و نهار پیل
در پیـل مـی نیـایـد خـرطوم میش کار　　خـرطـوم گـر نبـاشـد نـاید بـه کار پیل
سـی و سه پیل جا جنگر همچنان نگر　　آورد گـویـی کـه هـزاران هـزار پیـل
اسیر جبال در صف شه بین قیامت است　　هست از شکوه کوته بل کوهسار پیل
در حـرب گـاه پیـلتـن و شیـرنـر توی　　هـر بیشـه و شیـری و هـر مرغزار پیل
چـو پیـل بـان شـاه کند از ریـاضتـش　　هـر سار بانش همچو شتر دهر مهار پیل
امـروز پیـل بـالا کـرده کـلام خویـش　　گـوید حمیدٓ شـعـر که سازد شعار پیل
تـاپیـلبـان غیـب بـه هر صبح ز آفتاب　　یك تـاج زر نـهـد بـه چـنین چهار پیل

گـردون پیـاده بـاد تـوشه بربساط ملك
کـن مات و رُخ شکن به علو کوی بیار پیل

قصیده

در مدح فیروز شاه تغلق

دهان[۱] یار چو برمن گشاد خنده نهان جهان فدا بکنم بر چنان لبان و دهان۱ ـ
زبان عذر به پیشت گشاد سوسن فضل چنانکه بلبل فضال در کشید زبان
میان[۲] سروچه فرقست و درمیان قدت کی او دُرست میانست و این شکسته میان
جوان من نکند همچو سرو گشت به باغ کی هر درخت به عشقش زسر شد ست جوان
نشان عشق چه پُرسی که مابه نام گمیم به عشق نام ببردند و کس نداد نشان
به جان دوست که او دو ستر ز جان منست بدو رسیدم و جانم ازو رسید به جان
زیان است عاشق ناسوده هم به سودایش که نیست رفتن جانی براهل عشق زیان
گران[۳] است خاطرت از من سبك از آن خبری سبك به خیزد آن را خاطرش گران
چنان نمود که جانها نثار جلوۂ اوست که آدمی و مه و خورنداد جلوه چنان
جنان اهل محبت گراین جمال بود بدین جمال فروشند صد هزار جنان
چنان حسن تو اندر جهان نمی گنجد بر آی بر شرف بارگاه شاه جهان
امان عالم فیروز شاه عالیمان کی هر که یافت به فیروزی تو یافت امان
کمان کشید ز عهد رسول هفصد سال کسی دگر نه کشیدست همچو شاه کمان
کمان ملك برو بود ختم شاهی را بگو دعاء شه امین یقین شدست گمان
زمان بهجت و عشرت، زمین عزت ونار فدا زمان و زمیها بدین زمین وزمان
فغان و آه به عهدش نمی رود بالا بجز دعاء و ثنایت به جای آه و فغان
روان ملك به دست تو باد یعنی تیغ که در روانی تیغ تو ملك راست روان
بیان مادح و وصاف قاصرست و طبع هم از شمایل الطاف شه بس است بیان

---

۱ مجموعہ: ج اوّل، ص۱۱۴۔
۲ اصل: میا، تصحیح قیاسی۔
۳ اصل گریان: تصحیح قیاسی۔

سنان رمح تو عودیست خورده آتش تیز — که رمح تست چو عودی بروست شعله سنان

نهـان شبسـت جهـان را و اشـکارا روز — به یکی شدست جهان از تو اشکار و نهان

مـکـان پـدید نبودست ملك و دولت را — به اوج حضرت شاهی پدید گشت مکان

عیـان نـدیـد کسی صورت جهانداری — ز حرف تیغ تو در مملکت شدست عیان

عنان مرکبت از هفتم آسمان بگذشت — سوار مشرق و[1] مـغرب ازو بتافت عنان

کـران بـحـر نشـد چونـکه عبره کنند — بحر و عدل و عطایت کسی ندید کران

خـزانِ قهـر خـزان شـد ز باغ مملکتت — کـه بـاغ مـمـلـکتت تو ندید قهرِ خزان

قـرآن مشتـری و زهـره تـادهد تـاثیـر — خـجستـه بـاد بـر آن آفتاب ملك قران

بـمـان، به ملك بود در شمار تامه وسال

چـو مـنتهـی شـود از طبـع جاودانه بمان

☆☆☆

قصیده

درمدح فیروز شاہ تغلق

کـجا[2] یـابم به باغ و راغ وبستان و چمن یکسر

چون تو گل بوی لاله روی سنبل موی نسرین بر

نباشد چون لب و رخسار و زلف و روی تو هر گز

عـنب شیرین و گل نو نشین و شب روزین و روز انور

تـرادیدم جمال و مال و زلف و خال در مجلس

نـعیـم افـزا و راحـت ز اوغـم فرسا و جان پرور

۱۔ اصل 'و' ندارد۔

۲۔ مجموعہ، ج اوّل، ص ۱۸۴۔

ازین ابرو و چشم و چشمك و غمزه ندید ستم
جهان آویزو جنگ انگیزو صلح امیز و غارت گر
ز درد و گریه و قطرلب و چشم خویش می بینم
به لب بحران به سر باران بپا طوفان به برفرغز
منم از درد و از دوری واز اندوه مخوری
شبی خونخواره بی سیاره روز او را شب ابتر
مرا خود از دل و روی و سواد چشم خود دایم
ثمردر دست و گل ازدست و دم سردست و جامه تر
تو هم باغی و هم مرغی وهم پویا وهم گویا
به رُخ چون گل به لب بلبل به مو سنبل طرف عبهر
نه می یا بم چو آن دلدار و یار و مونس وهمدم
بتی رعنا رُخی زیبا مهی گویا شهی باکر
که از جور و جفا و فتنه و بیداد او باشد
پناه راه و ظلمت گاه و راحت خواه عدل آور
مگر فیروز شه کزدست و عزم و رای و دل، بخشد
زدُر دریا ز زر همتا ز خور صهباز مه ساغر
کمان و تیر و تیغ و گرز او گویند در عالم
زنم آهو بد رزم مویدم پهلو بگویم سر
چو در حرب و سواری و حلادت[۱] در صفا هیجا
شود بیدار[۲] در غرا کشد اعدا کشد خنجر

۱۔ کذا۔

۲۔ کذا۔

دهـنـد از روز بـه گـزارنـد و ریـزنـد از خـود
سر از مال و نر از چنگال و شیر از بال مرغان پر
ز تـاج و افسـر و چتـر و کـلاهش روی می تابد
چو شب از گه شه از در گه مه از خر گه خور از خاور
بـه عـلـو و رفـعت و اوج و سمو صرح او گردد
ره قـان طبـل خـاقـان دیده دوران سـر اختـر
به قصر و حضرت و در گاه صبح ملك شه زیید
غـرق اجـرام و چرخ نظام و عزت بام و دولت در
بـه هیـجـا و سـواری و شـکار و حرب تو گیرد
عـلـم قـان طبل قا آن غاشیه خاقان دهد سنجر
تـرا زیـیـد بـزم و رزم و مـلك و عـزم در عـالـم
کـمـر مـحـکـم قبـا بختم ابد خاتم سری افسر
بـه عهـد و بـخشش و شادی و انعام تو در عـالم
خوشی پایان جهان مهمان طرف ارزان کرد[۱] افسر



موشح توشیح گفتار حمید قلندر
در مدح فیروز شاه تغلق

ای نـاصـر دین خـدا امر تو، امر مـصـطـفـا ار زانـی آمـد مـر تـرا اقبـال و جـاه و سروری
لامـع بـه نـور لـم یـزل لاحـق به ملك بی یزل لایـق بدو ملك و ملل[۲] لازم بـد و سلطان فری
سلطان عالم اوست بس سرکش به عهدش نیست کس[۳] سر بردرش دل در[۴] هوس سلطان ماه و مشتری

---

۱ کذا۔
۲ اصل: مدد، تصحیح از روی مقالہ پروفیسر نذیر احمد صاحب۔
۳ اصل: کی، اصلاح قیاسی۔
۴ اصل: ز افتادہ۔

لازم عطایش از ازل　لفظش نعم در هر محل　لا نیست در گوش امل　لازال باید برتری
طوف ملك در هر نمط　طرف سرایش بی غلط　طالب هم او را شد فقط　طلاب اقبال و سری
ای ملك تو دایم بقا　اقبال دشمن لا بقا　آنکه بقایش در فنا　آنکه فنایش سرسری
ناصر تویی اسلام دین　ناصر نبودی این چنین　نوری که داری در جبین　ناورد شمع خاوری
ای بر سلاطین پادشاه　ای خسروان پیشت گدا　این عالم از هم مرترا　آمد که رافت کسروی[1]
لفظش صبا نوشیده مل　لطفش همه شده گل　لیل و نهارش عیش کل　لازم بدوجان پروری
آمد بهار جان فزا[2]　آورد به سوی گل صبا　اینك چنان اندر دعا　از شاخسار مهتری
که همچو شاه آرد فلك　که همچو او باشد ملك　کافر گذارد یك بیك　کفران کفر و کافری
روشن ضمیرش همچو خور　رو، جمع شمس و قمر　روزی او فتح و ظفر　روزش بر افزون بنگری
مالك رقابی فی الامم　ملك[3] تو همچون ملك جم　مامور انس وجن به هم　معلوم صاحب افسری
فیروز شاه بالطف　فیروز لشکر صف به صف　فیروز نامت هر طرف　فیروز جنگ و لشکری
یم از یمینت بی نمی　یك قطره باشد بل کمی　یارب چه شاه عالمی　یا جوج بند اسکندری
راجی بدوجن و بشر　راضی به نورش ماه و خور　راحم که ملکش بی ضرر　راهش[4] ره پیغمبری
والی که سمت ملك او　والاست هفت اختر فرو　واهب همو معطی همو　واز فضل از عالم بری
زد شیررا از تیر کز　زو شیر گشته بیشه خز　زین خوف حسب[5] آهونگر　زهره به پیکان می دری
شاهی که او باحرب خوش　شمشیر او دارد عطش　شادان که شد از فرط وش　شددر صف‌ودر صف‌دری[6]
ای ملك تو دائم بقا　اقبال دشمن لابقا　آنکه بقایش در فنا　آنکه فنایش سرسری
هر روزی درهر سال ومه[7]　هیجانت باده فتحگه　هم حتف دشمن نیست که　هم فتح شه چون بنگری
ای در دو عالم پادشاه　این عالمت شد خاکپا　آن عالم از تو مرنجا　اندر ره پیغمبری
لازم بقوسش هر محل　لطیفی که باید از ازل　لاحق خدنگش با اجل　لیك از خطا تیرش بری

---

۱ اصل: کسری، تصحیح قیاسی
۲ ا(الف) افتاده
۳ ملک بمعنی شراب کی تلچھٹ جسمیں بہت زیادہ سرور ہوتا ہے۔
۴ اصل: زاحش، تصحیح قیاسی
۵ کذا۔
۶ ـ اصل: وردر صف وصف دری "بہ وزن" تصحیح قیاسی
۷ اصل: "ومہ" ندارد تصحیح قیاسی

طوطی باغ و وشعر و خط　طراز اسلوب[1] و نمط　طاهر زا انحاس غلط　طایر به پر شه پری

اینست[2] حمیدؔ خاك پا　از شاعری سلطان ستا　اشغال دارد در ثنا　اور است شغلِ شاعری

نادر به فضل و ذوفنون　ناید چو او دیگر کنون　نظام یك شاعر برون　نی سامری در ساحری

☆☆☆

ترجیع بند بالمقابل سعدی

در مدح حضرت نظام الدین اولیاؒ

[3] ای زلف تو عنبرین کمندی　هر جا که پای بندی

ما سرو ندیده ایم بربام　بالایی بلندی بلندی

تا چشم بدیده در جمالت　گوشم نشنید هیچ پندی

من کرده تو بی نیاز از من　چیزی کی کند نیاز مندی

گر سوخته سموم غم نهالم　ای کاش ز بیخ بر نکندی

قصاب منست چشم شوخت　من گوش گرفته کو سبندی

رُخسار چو آتشش نظر کن　وآن دانهٔ خال چون سپندی[4]

من داشته یاد دولت آباد　ای کاش کی دولتم دهندی

از زلف بتی فگند ایام　در گردن وقت من کمندی

مردانه رود قلندرانی　مردانش کنند ریش خندی

گویند حمیدؔ چند گردی　بنشین به مقام صبر چندی

بنشینم اگر نشست یابم

نی[5] صبر و قرار می شتابم[6]

---

[1] اصل: سلوک، تصحیح قیاسی　[2] اصل: ایعنی، تصحیح قیاسی　[3] مجموعہ: اوّل، ص ۱۳۰

[4] اصل: کندی، تصحیح قیاسی　[5] اصل: نی وصبر، تصحیح قیاسی　[6] صاحب مجموعہ نے اس قطعہ کو سعدی کے قطعات میں اس کے قطعہ بند شعر کے ساتھ نقل کیا ہے میرے خیال میں یہ قطعہ حمید کا ہے اس کے آخری دو شعر میں حمید قلندر اور دولت آباد کا ذکر موجود ہے اور اس کے بعد حمید کا قطعہ نقل کیا گیا ہے جو اصل میں حمید قلندر کا ہے۔ درج ذیل قطعہ جس میں دو شعر سعدی تخلص کے ساتھ شامل ہیں جو یقیناً سعدی کے ہیں جب کہ سعدی کا ایک قطعہ اسی ردیف میں آچکا ہے۔

می ترسم از آنك گفت سعدی　کو چشم بدت رسد گزندی

چون بر گذری به دولت ای باد ... بـر خـاكِ زمين دولت آباد
بر دوست سلام من رسانی ... اين يار غريب را دهی ياد
بوی تو نمی دهد مگر گل ... پيغام نمی برد مگر باد
اين شهر و هوا ساز و ارش ... تنبول و ثمار و عطر و او راد
هم مجمع لعبتان كشمير ... هم مشهد شاهدان نوشاد
من بودم و شاهد و سرودی ... در شاهد من سرود اُفتاد
بر تربتم آن سرود گويند ... تا روح غمين من شود شاد
رو باز نمی توان ستد دل ... غم باز بدو نمی توان داد
با قافلهٔ كند عزيمت ... يا با غربا كنند ميعاد
يا آنكه روم به شرط تجريد ... نی راحلهٔ مرا ونی زاد
ابريق وعصا و بند نعلين ... منديل و كلاه و سبحه و سجاد
نی نی چو قلندران مجرد ... لنكوت ياز جمله افراد
هر روز به منزلی و جايی ... هيچ مقام نيست بنياد

بنشينم اگر نشست يابم
نی صبر و قرار می شتابم

آوخ ز من آن نگار بر گشت ... كار از من نابكار بر گشت
ای كاش كی ياد برنگردد ... زان يار كه روز گار بر گشت
هر گز نشنيده ام كه يادی ... اغيار صفت زيار بر گشت
در باغ اُميد خاطر من ... گل كاشتهٔ بود خار بر گشت
دی بادِ صبا به سوی گلزار ... می رفت از آن ديار بر گشت
دل گفت بگرد او نگردم ... چون ديد هزار بار بر گشت

آن راکه ضرروتیست در عشق　　از عقل به اختیار بر گشت
بر گرد گلی نکشت سبزه　　خطت به لب و عذار بر گشت
چندان نقشت به سینه بستم　　کان نقش همه نگار بر گشت
هر روز نهان خصومتی داشت　　امروز به آشکار بر گشت
بر نقطهٔ خال همچو پر کار　　پایم همه به کوهسار بر گشت
بازم به مسافرت تمناست　　از کوه بکشت و زار بر گشت
با دوست گرفت دل قراری　　چون دوست از آن قرار بر گشت

بنشینم اگر نشست یابم
نی صبر و قرار می شتابم

در عشق تو هر که در نینداخت　　مردست کی در خطر، نینداخت
برطارم عشق مرغ رُو حم　　چهل سال پرید وپر، نینداخت
دونیم به تیغ مهر خود کرد　　مه پیش تو گربر، نینداخت
در خانهٔ عشق کیست کو، رفت　　دربه آتش برون در، نینداخت
آواز ز عشق بر نیامد　　کاواره به شهر در نینداخت
بس گریه نکرد در فراقت　　گر دیده دل و جگر، نینداخت
تشریف شهادتم نداده　　تا خنجر غیب سر،نینداخت
یك تیر بزد ازان نمردم　　گفتم کی یکی دگر، نینداخت
یا صاحبِ دل نماید که امروز　　دل در غم آن به سر، نینداخت
مارا به لب صلاح حاجت　　کس پیش مگس شکر، نینداخت
انداخت سرم به غمزهٔ چشمت　　برگشته خود نظر، نینداخت
انداخته تیر دور هر کس　　از چشم تو دور تر، نینداخت

دریك سـفـرم نبـرده تـقـدیـر — تـا خود به دیگر سفر، نینداخت

بنشینـم اگـر نشسـت یـابم

نـی صبـرو قـرار مـی شتـابم

کو دل کی به عشق تو زبون نیست — کو دیده که در هوات خون نیست

مـی کـردم از آنـکه داشتم صبر — از صبـر کـه داشتم کنون نیست

چـون در ره عشـق پـا نهـادی — جز درد مجو که رهنمون نیست

گـفتـی کـی چـو ماهی اند عشاق — بی دوست حیات شان فزون نیست

بـی عـاشق آب عاشق جانست — مـاهی که حیات او برون نیست

پـروانـه بـگـو کـه مـاهیـان را — بـر شـعـلهٔ آتشین سکون نیست

عـاشـق کـی بـرون او نسـوزد — کـو آتـش عشق اندرون نیست

مـایـم سـتـون بـام عشـقـت — چون بام تو چرخ نیلگون نیست

شهتیـر بـه گـردن و به گل پایی — مـانـدیـم کی رفتن ستون نیست

در بـاغ هـوا درخـت عشـاق — کم دست که شاخ وی جنون نیست

گـر هسـت دوای نـالـشِ مـن — جز چنگ و رباب و ارِ غنون نیست

بـنـمـودم ز هـر مـار عشـقـت — گـفتـنـد کـی قابل فسون نیست

گـفتـم بـه خـلـوتـی نشینـم — بی دوست میسرست چون نیست

بنشنیـم اگـر نشسـت یـابم

نـی صبـر و قـرار مـی شتـابم

چـون خـاك درت بـر آستـانم — تـا خـاك تـو ام مـن آسـمـانم

دی کـرده یـقیـن معارفِ عشق — امـروز ز خـویـش در گـمـانم

سـود ازدهٔ چـو مـن نبـاشـد — دل داده و درد مـی ستـانـم

همراهِ منست گریۀ من — با گریۀ چشم خود روانم
کو سخت ترم بگیرم در عشق — من سُست نه ام کی وا رهانم
من زنده ام از سخن و گرنی — گر مرده سخن کند من آنم
لب تر نکنی بپر سش ای دوست — در ذکر تو خشك شد زبانم
غایب شده گویم ازدهانت — دانند کی من ازآن جهانم
چو نقش خیال تو ببینم — جز و صف جمال تو نخوانم
دور از تو وجود من عدم شد — نامی زمنست و من نشانم
از پای تو ام نصیبۀ نیست — هر چند کی خاك آستانم
کس رنج سفر کشد نه واللّٰه — تقدیر همی برد کشانم

بنشینم اگر نشست یا بم
نی صبر و قرار می شتابم

بی طاقت شدم ز عشق گفتم — ای کاش هنوز می نهفتم
گردِ فتن از فلك بر آمد — تا خاك زمین عشق رفتم
در خواب نمیتوان رُخش دید — بیدار بدیدمش بخفتم
از جفت وصال دوست طاقم — به اطاق فراق دوست جفتم[۱]
من بحر غمت شدم، چه پرسی — در شور می آورم کی رفتم
ماهی وزده زحسن خرگاه — بر طارم آسمان هفتم
در باغ مراد عاشقان گل — نشگفت ومن اندرین شگفتم
برخاك مزن که آن گلی ام — کزیاد محبتت شگفتم
یا دم نکنی گهی به دشنام — گفتم صنما دعات رفتم
گم گشت ز دل دقیقه معلوم — تا سنگ چو آسیا نسفتم

۱۔ اس شعر میں صنعت ردالصدر علی العجز کا استعمال کیا گیا ہے۔

هر قوم ره گرفت در پیش　　　من جانب[۱] دوست ره گرفتم
گفتند چرا نمی نشینی　　　برپای بخاستم بگفتم

بنشینم اگر نشست یابم
نی صبر وقرار می شتابم

باری بنگر کی اشتیاقت　　　بر بنده چه کردِ در فراقت
هر چند فراق تو فزوده　　　صد چند فزوده اشتیاقت
در خونِ من اختلاف کر دند　　　من متفقم به اتفاقت
بر صفحۂ رویی گریه ام بین　　　در تذکره می رود سیاقت
از گرمی آفتابِ رُخسار　　　می سوز و میاد احتراقت
درویش به پشت پا زده زر　　　زر چیست به پیش سیم ساقت
من خیمه نمی زنم جز آنجا　　　کانجم زده خر گه و ثاقت
تا طاقت بود کرده ام صبر　　　صبرم بشد و نماند طاقت
از حدت غمزه اش چه پرسی　　　بر برق زده است از براقت
دل بسته بدان علاقۂ جعد　　　حاشا کی جز این بود علاکت
ازین سخن حمیدؔ بر خوان　　　ذق انت و فکرتی لذاقت
با اخترت مشقتی و لیکن　　　دارالدنیا علی ضاقت

بنشینم اگر نشست یابم
نی صبر و قرار می شتابم

تا تو دُر و لعل کرده گوش　　　سنگم زده عشق در بنا گوش
از حضرتت بانگ باد بر خاست　　　بر خیز و کلاه نه قباپوش
تا مهر رکاب دادت آید　　　مه غاشیه بر گرفت بردوش

---

[۱] حمید سے پہلے امیر خسرو نے اسی مضمون کا مندرجہ ذیل شعر کہا ہے جسکا پہلا مصرعہ انکے پیر حضرت نظام الدینؒ اولیا کا ہے۔

هر قوم راست راهی دینی و قبله گاهی　　　من قبله راست کردم برسمت کج کلاهی

آکوش تهی بود تو در جات — از شوق چو گیرمت درآکوش
ننهم به محبت تو بازار — بازار ببر مرا و بفروش
کی نوش شود شراب بی تو — گر آب خورم نمی شود نوش
جز یاد تو نیست در دل من — بلبل نکند ز گل فراموش
هر قطره ز جام عشق دریاست — آنکس کی چشید نیست خاموش
امروز ز جام عشق مستم — فردا نگری خراب و مدهوش
در گوشهٔ خانه بوده ام شب — مشغول کی غیب گفت در گوش
در عشق چه جای خانه داری — مجنون شو[1] و کوه گیر و بخروش
ضایع نرود جزاء کوشش — هر چند نمی رسی همی گوش
نگفتی ز شتاب صبر بهتر — بنشین و قرار گیر و بر[2] نوش

بنشینم اگر نشست یابم
نی صبر و قرار می شتابم[3]

ای خرقهٔ جانم از غمت چاك — جستست قبای تو، تو چالاك
روی تو ز خاك نیست پاکست — روی همه پیش تست بر خاك
دو بیجه به عارضت بجنبید — یك جعد زهی که بیچاك
هر چشم تو گشتهٔ سحر بابل — هر زلف تو بستهٔ مارِ ضحاك
تو دل دهیم به عشقِ هیهات — من جان برم از غم تو خاشاك
در گوشِ کسی سماع عشقت — از مطرب غیب نامد الّاك
در چرخ چو عارفان در آمد — دستار فکند و خرقه زد چاك
آن ترك شکارِ دوست بنگر — بسته دلِ دوستان به فتراك
تریاك کجا که زهر بر رفت — زهرست فراق و وصل تریاك

---

[1] اصل: شود، تصحیح قیاسی [2] ناخوانا

[3]
می بین رُخ جان فزایی ساقی — در جام جهان نمایی ساقی

سگ شسته[1] نشد به هفت دریا — تا آب ملامتم کند پاك
عزست نشان درك عارف — عاجز شده ایم و نیست ادراك
عاجز زیباست ز وهم ادراك[2] — قاصر ز شناخت عقل دراك
دیوانۂ زلفِ ماه خویشم — داده رسنی به دست افلاك

بنشینم اگر نشست یابم
نی صبر و قرار می شتابم

آن را که چو تو نگار بد خوست — هرفته که در جهانست با اوست
تا زیل کرم به من فکندی — از پیرا هنم برون و از پوست
بر دیدۂ لطافتت ندارد — آن سرو کی با طراوت جوست
روین تن ملك حسینی ای شاه — بل سیم تنی دل از آن دوست
صد خرمن گل گرفته در بر — واللّٰه کی آفتاب باغ مینوست
عطار دروغ گفته باشد — گر عطر کشد کی از تو خوشبوست
مستور نما ند این تلافی — مانیك نآئیم و خلق بد گوست
کس نیست بلاء دل بجز تو — دل جسته ترا دلم بلا جوست
آبم کی دهد به باغ عشقت — بی چاره تنم گیای خود روست
یك دل به دو دست چون توان دید — یك دوست نکو کی نی دلم دوست
دل بسته بدم به زلف یاری — آن جاذ به ام کشید بر دوست

بنشینم اگر نشست یابم
نی صبر و قرار می شتابم

در بند توای نگار دل بند — بس دل کی ببند کشته خرسند
دل بسته به عید زلف لیلیٰ — مجنون نخورد به کعبه سوگند

---

۱ اصل: شکستہ، تصحیح قیاسی
۲ اصل: عاجز زیباست وہم دراک، تصحیح قیاسی

اکسون و کسابهم ندو زند　　مارا و ترا چه وصل و پیوند
از دوخته در قبای تو بیش　　زر ریخته بر کلاه تو چند
در فرقهٔ ما هزار فقرست　　در خرقهٔ ما هزار پیوند
مگشای لب ارنه شور خیزد　　ترسم ز مگس کی بشنود قند
مانند نمی کنم به رویت　　باروی تو ماه و خور چه مانند
بر گل نزدیم خیمهٔ عشق　　این میخ ز دل نمیتوان کند
مردانهٔ حرب بشکنند تیغ　　دیوانهٔ عشق بگسلد بند
عاقل نشود کسی که دل داد　　دیوانه کسی کی می دهد بند
از باد فراق کوه جنبد　　من کوه بدم چه کوه الوند
دل جمع بدم نبود تشویش　　تشویش تو خاطرم پرا گند
سر گشته نه خود شدم که بسیار　　خواهم کی چو مردم خردمند

بنشینم اگر نشست یابم
بی صبر و قرار می شتابم

ای توبه همه جهان قبولی　　در وصف تو کی رسد قبولی
عاشق داند کی سرو پیشت　　هم چون عشق است بی اصولی
آنجا کی معیت است حاشا　　گنجد ملکی و یا رسولی
سلطان نکند مگر ز اخلاق　　در صومعهٔ گدا نزولی
او را اثر ملامتِ از ناز　　در قصهٔ عشق ماست طولی
ناگفته و گفته هر دو یکسانست　　هر قصه کی بشنود مسلولی
گشتیم مشارق و مغارب　　بر دوست نشده ره وصولی
در عشق تو رفت حاصل عمر　　واز وصل توام نشد حصولی
می کن تو جفا کی من نیم زانکه　　از شرط وفا کنم عدولی

گـر لاف زنـم به فضل عشقت — گــویـنـد مـرا زهـی فـضـولـی
گیتـی بــه امـور مـن مـؤجـل — عشـق تـو بـگشتـنـم عـجولـی
در دیـده چـو نـور شـو مـمـکـن — بـا چشـم چو روح کن حلولی
مـن رنـج سـفـر قبول کـردم — شـایـد کـی بـمـانـم از قبولـی
بـنشیـنـم اگـر نشست یـابـم
نـی صبـر و قـرار مـی شتـابـم

امـروز سـخـن نـمـی کـنـد کـس — در ختـم کـلام جـز مـنـم بـس
کـلـکـم انـا افـصـح الـعـجـم زد — اینجا عرب ایکمست و اخرس
هـذا مـن نـور وجـه شیـخـی — مـن و جههم السـراج یقبس
شیـخ الـعـالـم نـظـام مـلة — انـدر نـفیـس و روح انـفـس
بـا خـلـق ز خـلـق صبح تـا شـام — سـوگـنـد بـه صـبـح اذا تنفـس
نـاخـوانـده لـعلـه یـزکـیّ — جـاء الاعـمـی و مـا تـعبـس
بیـش از هـمـه عـارفان و عاشق — ختـم اسـت ولایـت مـقـدس
آن را کـی رداء اوسـت تشریف — در بـر چـه کـنـد قبای اطلس
بـر روضـۀ وی نبشتـه ایّـام — اللّٰه یـدیهمـا و حـرس
این بـار رسـم بـه حضرت شیخ — گـویـم کـه مبـاد جزتوام کـس
فـریـاد رس شـکستـگـانـی — فـریـاد دل حـمـیـدؔ در رس
بـاکـوب فـلك شـدم مـن خـاك — بـربـاد هـوا شـدم مـن خـس
عشـقـم بـه مـکان نمی گذارد[۱] — هـر چـنـد کـه گفتم از سفر بس
بـنشیـنـم اگـر نشست یـابـم
نـی صبـر و قـرار مـی شتـابـم

---

۱. اصل: گدازد، تصحیح قیاسی

غزلیات

بر[1] بوی وصال تو دویدم رنگی ز وصال تو ندیدیم
بربـاد بداده عمر چون خاك بـا حسرت و درد آرمیدم
در میکدهٔ فنا به رغبت صد ساغر درد در کشیدم
از کعبه به در شدیم بی خود رندی و قلندری گزیدم
پروانه صفت بگرد کویت ای شمع جهانیان بدیدم
کار تو به جان و دل بکردم درد تو به عقل و دین خریدم
بی تار امید و پود مقصود بر گرد وجود خود تنیدم
ای آنك به عون وتوف تو نی حرف ندا تو شنیدم

دریاست بدید نور حسنت
از کثرت نور نپدیدم

☆☆☆

غزل

هر[2] روح که از یاد تو در جان من آید روحی بود آن روح که اندر بدان آید
در عشق رخ تست گل سرخ که بی پا یی هر صبح دمی رقص کنان در چمن آید
گفتم که مگر بوی خوش نغز و دل آسای ز[3] عنبر سارا و زمشك ختن آید
در گوش دلم گفت سحر جان شکسته کان بوی ز زلفین دلارام من آید
زان کعبه بما نیست که پیوسته لب تو مانند عقیق است و عقیق از یمن آید

خواهم که گویم سخن هیچ ز تعظیم
لیکن چه کنم ذکر تو اندر دهن آید

۱۔ مجموعہ: ج دوم، ص۳۳۲
۲۔ ایضاً:ص۳۳۲
۳۔ اصل:از، تصحیح قیاسی

غزل

جوهر[۱] عشق تو چو در کان ماست — باز بلاهای تو بر جان ماست
هست دل از عشق تو آباد چون — مهر تو اندر دل ویران ماست
دشمن درد تو جرا کشت نفس — درد ای دوست چو در مان ماست
ما چو به جان سخرهٔ عشق تو ایم — کلّ جهان سخرهٔ فرمان ماست
حاصل کون از تو بکردیم شاد — غم مخور اجزای غلامان ماست
نام تو خود مونس جان و دلت — ذکر تو آسایش ارکان ماست
عقل چو شد بندهٔ درگاه تو — شاه جهان خادم دربان ماست
اُنج زما هست به نام توشد — نام از آن زینت دیوان ماست

کار دل خسته پر درد ما
پر خلل ار عقل گران جان ماست



غزل

آوازهٔ پیری ز خرابات شنیدم — سرمست خروشان بخرابات دویدم
درعین خرابات یکی پر عجب و صف — با طلعت پر نور چو خورشید بدیدم
بی حرف ز اسرار همی گفت حدیثی — بی کام شده لذت معنی بمزیدم
موجود دو عالم بیکی تیغ ز مستی — بفروختم و عشق جمالش بخریدم
تا خلق ندانند که مطلوب چه چیز[۲]ست — مرغی شدم و درپی کارش بپریدم
گفتم که چه خیرست بگو مصلحت من — که اندر طلبت محنت بسیار کشیدم

گفته که ز خود پاك برون ای، سفر کن
تا او به زبان تو بگوید که رسیدم

---

۱ مجموعہ، ج دوم ص۳۳۲
۲ اصل: (نخوانا)، تصحیح قیاسی

غزل

فرصت[۱] بر خیزد که بگوید ثنای دل | در غیبت و حضور بجوید رضای دل
دل را چو هست نزد خدا وند قربتیی | در دهر کیست آنك بگوید ثنای دل
در کون و در مکان چونگنجد وجوداو | جزلامکان کجاست بگویی[۲] سرای دل
دل را چو هست صدره نوری از آن قبل | خیاط روز گارند وزد قبای دل
گویی هر اُنج هست به کونین بی خلاف | سبحان بیافرید به حکمت برای دل
ازا بتدای کار جهان تا به انتها | جز بر کمال عشق نبودست رای دل
هست ای عزیز قوم به نزدیك قدسیان | طاووس بوستان مقدس همای دل
قلبست قلب ماه در و هست پادشاه | بر عرش زان بدید ملایك لوای دل

مر عکس شاه را تو اگر مرد ره روی
ای عاشق یگانه بجو در رضای دل

☆☆☆

---

۱. مجموعہ: ج دوم، ص۳۳۲
۲. اصل: بگوبی، تصحیح قیاسی

''جمال الدین استاجی''

جمال الدین عہدِ فیروزی کے ایک غیر معروف شاعر ہیں۔ جنکے متعلق وافر اطلاعات دستیاب نہیں۔ جدید اور قدیم کسی بیاض، فرہنگ اور تذکرہ میں انکی سوانح عمری، سالِ ولادت اور تاریخِ وفات کی بابت اطلاعات موجود نہیں۔ ''نذر رحمٰن'' میں شائع پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اپنے ایک مقالہ ''فیروز شاہ تغلق کے عہد کے چند فارسی شعراء'' میں بادشاہِ وقت کے درباری شاعر مطہر کڑہ کا ۱۲۳ ابیات پر مشتمل ایک قصیدہ درج کیا ہے، جس میں جمال الدین استاجی کا ذکر موجود ہے۔ اسی کی روشنی میں فاضل مقالہ نگار نے شاعر کے علم و فضل کے متعلق حسبِ ذیل معلومات فراہم کی ہیں:

۱۔ استاجی کا تعلق استاج[1] نامی ایک جگہ سے تھا۔

۲۔ وہ علوم ظاہر و باطن میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

۳۔ استاجی تصوف و معرفت میں اپنے زمانے کے منصور حلاج مانے جاتے تھے۔

۴ علمِ حدیث میں سلمان و بوذر اور تفسیر میں ضحاک بن مزاحم اور ابواسحاق زحاج کے ہم پلّہ تھے۔

۵۔ فنِ لغت میں اصمعی و بوعبیدہ اور معانی و عروض میں خلیل بن احمد اور ابن سراج کے ہم رتبہ تھے۔

۶۔ خطابت میں سحبان بن وائل اور دلائل بیان کرنے میں حجاج کے ہم پایہ تھے۔

۷۔ خطاطی و خوش نویسی میں استاجی کو مہارت حاصل تھی۔ ان کے خط، خط یاقوت و دراج کے ہم پلّہ تھے۔

۸۔ اپنے عہد کے قادر الکلام شاعر اور ادیب تھے اعلیٰ افکار کی بدولت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔[2]

مطہر کے بیان کردہ صفات کی تصدیق کے لئے ان کا پورا قصیدہ نقل کیا جاتا ہے۔

جمال الدین[3] ای استادِ استاج   در تو کعبۂ علم است و ماحاج
به هریك نكته رای عالم آرات   هزاران گنج گوهر كرد تاراج
تو در فضل و فصاحت آن نی[4]   تو در شوق و شغف منصور حلاج

۱۔ جغرافیہ کی کسی بھی کتاب میں اس نام کی معروف یا غیر معروف کسی جگہ کا ذکر نہیں ملتا۔

۲۔ نذر الرحمٰن: ص ۲۳۰۔

۳۔ قصیدے میں استعمال کی گئی نامور شخصیات کی تفصیلات کے لئے دیکھئے نذر رحمٰن: ص ۲۹ ۱۹۶۶ء

۴۔ دیوانِ مطہر کڑہ: کذا۔

تـو در اخبــار سـلـمـانـی و بـوذر — تو در تـفسیـر ضـحـاکـی و زجـاج
لـغــت را اصـمـعـی وبـو عبیده — مـعــانـی را خـلـیـل و ابن سـراج
خـطـب را آنـچنان قادر که سحبان — حـجـج را آنچنان حاضر که حجاج
اصول صــاحــب و محصولِ رازی — تـرا یـادسـت چون تحصیل و منهاج
خـطـابـت درج یـاقـوتست و خطت — در افشـان چون خط یاقوت و دراج
تـو آن گـوهـر بـرانگیزی به حکمت — زانــــدك دوده از پـــــــارهٔ زاج
کـه بـاصـد نـطـفـهٔ نیسان نسازد — بــطـون دختـران بـحــر مـواج
تـو آن نـقـش بـدیع ازخـامـه بندی — بـه شـاخ خشك یـا بر تختهٔ عـاج
کــه از رنگ ری و آبـرشیم چین — نبـنـدد کــار گــاه مـرد نسـاج
بــراق فـکــرتــت چـون در تمـاشا — زنـد بــربـام گـردون گـام معـراج
دُمــش بر چهرهٔ جوزا شـود زلف — سـمــش بــر تـارك روحـانیـان تـاج
بــر انــگیـزد بـه لـعل مـاه پیکـر — زهـریك شعـله ای صد شمس وقاج
بــه نــزد لـذت الـفـاظ شیـرینـت — نـنـازد قیـمـت حـلـوای سـکباج
نــه خم پـر ورده خـرمـا نـه انگور — نــه آتــش خوردهٔ تیهو نـه دراج
بــه مدح مـن تـرانیست احتیـاجی — چـه حـاجـت کعبه رامر نقش دیباج
سحر مشاطه گشت است ارزخورشید — بـه سرخـی و سپیدی نیست محتاج
الاتـا شـاهِ چیـن خـانست و خـاقان — چورای هـنـدوان هر چند وهنسراج
تــرا چـون شـاهِ چیـن ورای هـنـدی — بـراهـل فـضـل بـاده عبره ومـاج
حســاب عـمـر تـو چندان کـه نـاید — در ارقـام مهـنـدس شمس و حیلاج

زایــزد نــامـزد در بـار گــاهــت
سـعـودِ آسـمــــان افـواج افـواج[۱]

---

۱ دیوانِ مطہر کڑہ: ص۶۰۔

استاجی کا معلوم کلام دو نظم اور تین قصاید پر مشتمل ہے ان میں دو قصیدے خلاصۃ الاشعار (نسخہ بانکی پور پٹنہ) میں نقل ہوئے ہیں۔ فیروز شاہ اور اسکے بیٹے فتح خان کی شان میں لکھے گئے ہیں جو اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ شاعر کا تعلق فیروز شاہ کے عہد سے ہی تھا۔ فیروز شاہ کی مدح اس طرح کرتا ہے:

فیروز شاهجهان آنکه صبح و شام   از خوان خود راتبهٔ انس و جان دهد[1]

خلاصۃ الاشعار میں نقل دوسرے قصیدے میں فیروز کے بیٹے فتح خان کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

شهزاده فتح خان که مر اورا همی سزد   سنجر غلام درگه و محمود چاکرش[2]

شاعر کا تیسرا دستیاب قصیدہ جو مجموعہ لطائف وسفینۂ ظرائف میں ردالعجز علی الصدر کی مثال میں نقل ہوا ہے اس میں دہلی کے صدر عزالدول کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

ملك عزالدول کزوی شرف ملك جهان دارد   همیشه عزو دولت رابه درگاهش مطر باشد

عزالدول وہی علم دوست اور ادب پرور شخصیت ہیں جنہوں نے مطہر اور مغیث الدین ہانسوی کی سرپرستی کی۔ چونکہ عزالدول محمد بن تغلق کے زمانے سے ہی دہلی کے صدر کے عہدے پر فائز تھے اور مغیث کے بارے میں اس بنا پر کہ ان کی پیدائش ۷۰۴ھ میں ہوئی تھی قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اُن کا تعلق محمد بن تغلق کے دور سے ہی تھا اور فیروز کی تخت نشینی کے وقت مغیث کی عمر ۴۸ سال تھی لہٰذا یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاعر نے فیروز کا زمانہ بھی دیکھا ہوگا اور اس خیال کی بھی تائید ہوتی ہے کہ مغیث جمال الدین کے ہم عصر تھے، لیکن یہ وثوق کے ساتھ تو نہیں کہا جاسکتا کہ استاجی محمد بن تغلق کے دور کا شاعر تھا۔ حالانکہ عزالدول استاجی کا ممدوح رہا ہے اور ان کا تعلق محمد بن تغلق کے عہد کے شعراء سے ثابت ہوتا ہے۔

اگرچہ استاجی کے شعری نمونے اچھے ہیں لیکن اُن میں ایسی کوئی خوبی نہیں پائی جاتی جس سے انکے علم وفضل کو سمجھا جاسکے اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ مطہر نے اپنے قصیدے میں استاجی کی جن صفات کا ذکر کیا ہے آیا وہ حقیقت میں اس کی ذات کا مظہر تھیں یا محض مطہر نے ان کی صفات کے بیان میں قصیدے کے ذریعۂ اپنی شاعرانہ صلاحیت اور اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگر حقیقتاً استاجی کی ذات مطہر کی بیان کردہ تمام صفات کا مجموعہ تھی تو ایک اہم اور غور طلب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم وفضل میں ایسا باکمال استاد جسکا ممدوح فیروز جیسا ادب پرور، علم دوست اور رحمدل بادشاہ ہو ایک معمولی

---

[1] خلاصۃ: ص ۳۷۳۔

[2] ایضاً: ص ۳۷۳۔

صدر کی مدح خوانی کیوں کرتا ہے۔ بہر حال ان امکانات کے باوجود انکے کلام سے صرف نظر ممکن نہیں، کیونکہ شاعر کا تعلق جس دور سے تھا اسکے ادب اور علم و ہنر سے متعلق موجودہ اطلاعات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لئے اس دور کے فارسی ادب سے متعلق جو بھی معلومات مہیا ہوسکیں۔ انہیں زیرِ نظر باب میں جمع کرنے کی تمام تر کوشش کی گئی ہے۔

خصوصیات کلام: استاجی کے قصاید اور غزل نہ صرف یہ کہ تغلق کے دوسرے شعراء جیسے امیر خسرو، بدر چاچ، بوعلی قلندر وغیرہ کے ہم پایہ نہیں ہیں بلکہ ان کے کلام میں لایق تحسین کوئی چیز موجود نہیں ہے جو شاعر اور اسکے کلام کو بلند مرتبہ عطا کر سکے۔ لیکن اس عہد کے فارسی ادب کے خزانہ میں اضافہ کا سبب ضرور ہیں۔ اگر چہ استاجی نے ظہیر فاریابی کے اُن قصاید کو پیش نظر رکھا ہے جسمیں ظہیر نے انوری اور خاقانی کے قصاید کی برابری کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی اُن میں استحکام اور تخیل کی وہ بلند پروازی اور رنگ آمیزی نظر نہیں آتی جو فاریابی کے قصاید کو بلند درجہ عطا کرتی ہے۔ البتہ شاعر کے زورِ بیان کے سبب انکے قصاید کی تشبیب قاری کو اپنی طرف ضرور متوجہ کرتی ہے۔ ذیل میں دونوں شعراء کے چند اشعار موازنہ کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔

جمال الدینؔ	ظہیرؔ فاریابی
اندیشه کیست تاکه برایوان قدر او[۱]	در گرد بار گاه تو کیوان شب نتاخت
خواهد که بوسه بر قدم پاسبان دهد	تاروز بوسه برقدم پاسبان دهد
و ز بندگان ترك یكی را چو بر كشید	نه كرسی فلك نهد اندیشه زیر پای
اقطاع دار ملك قزل ارسلان دهد	تابوسه برركاب قزل ارسلان دهد

استاجی مبالغہ آمیزی جو قصیدہ کی شان سمجھی جاتی ہے اسکا بھرپور استعمال کرتے ہوئے سلطان سنجر اور محمود غزنوی کو اپنے آقا اور ممدوح کا غلام اور نوکر کہہ کر اسکو بلند مرتبہ عطاء کرتا ہے:

سلطان ملك حسن به گیتی كجاشدی   گر نیستی عنایت شاه مظفرش
شهزاده فتح خان كه مراورا همی سزد   سنجر غلام درگه و محمود چاكرش

استاجی نے قصیدہ سرایی کے ساتھ غزل میں بھی طبع آزمائی کی ہے انکے قصیدے کی طرح انکی غزل بھی مسلسل ہونے کے ساتھ عرفانی موضوع اور وحدت الوجود جو اس عہد کے ادب کا خاص موضوع تھا اور قلندرانہ صفات سے خالی

---

۱   اصل: رو، تصحیح قیاسی۔

ہونے کے ساتھ ہم آہنگ الفاظ اور شیرین لہن سے بھی محروم ہیں۔ البتہ سادگی اور روانی انکی غزل کی سب سے اہم خصوصیت ہے جو استاجی کو انکے ہم عصر شاعر مغیث کے بالمقابل انفرادیت عطا کرتی ہے۔

مـرا ای خـواجـه بـاتـوچـه نسبـت　　من و تـوبـه کـه مـی گـویـد کـجاو کـی

شاعر کی غزل کا موضوع اگر چہ عارفانہ نہیں ہے لیکن مندرجہ بالا شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ کی عارفانہ غزل کہیں نہ کہیں استاجی کے پیشِ نظر رہی ہیں۔

استاجی کا تمام کلام جو موجودہ حالت میں دستیاب ہوا ہے آئندہ صفحات میں درج کیا گیا ہے۔

''در مدح فیروز شاہ تغلق''

[۱] دیـدم کشیـد، دایره خـط مـعنبرش　　چون ماه منخسف شده رخسار انورش
خـطش مخوان که زآتش دلهالی خستگان　　دودیسـت گـرد خـرمـن مـاه منورش
در کودکی بر[۲] لب جان بخش اوچو شیر　　آب حیـات خـورد زپستـان مـادرش
جان بردن ازلبش به سلامت کی تو آن　　گـرخون بیدلانست می ناب احمرش
سـلـطـان نـوبهـار رسیدست از جهـان　　از بهـرعیـش و عیـد هـمایون برابرش
بر روی گل مگر سمن زرد عاشق است　　بـرعشق او کو! به همان لون اصفرش
خـوش وقـت آن کسی که دراین نوبهار　　بزمیست همچو جنت و حوریست دربرش
خـرم کسـی بـود کـه نهـال به باغ دل　　بـنـشـانـد و انـار بهشتـی بـود بـرش
آتشـکـده اسـت سینه پر شورمن زغم　　عشـق آتشسـت واین دل بریان سمندرش
تُـرکیسـت چشـم یـار کـه پیوسته براو　　بـاشد کمین صید و دلم صید لا غرش
امـوات خــاك رابـدهـدآب زنـدگـی　　گـرجرعه ای چکد زلب روح پرورش
خـنـجر چه بست بر کمر ازبهر خون ما　　ماکشته خود شدیم چه حاجت به خنجرش
شهزاده فتح خان که مرا و راهمی سزد　　سـنجر غلام درگه و محمود چاکرش

۱　خلاصۃ: ص۳۷۳۔(بانکی پور)
۲　اصل: کمر، تصحیح قیاسی۔

پوشیده داشت روی گل از شرم خلق او — بادصبا کشاد ز رخسار معجزش
چون شد سوار بر سر میدان عیدگاه — بردوش کرده غالیه سلطان خاورش
نقش هلال عید به زرمی کشد فلك — ار شکل نعل مرکب تند بکاورش
خورشید ملك خواند وجمشید سلطنت — فیروزشاه شاه جهان بوالمظفرش
تاهر که مقبل است بخوانند کاندری — ماهر که مدبرست بر آنند ازبرش
گرسبزه گرد چشمهٔ حیوان ندیده ای[1] — بنگر نبات دسته بران تنگ شکرش
کس را گمان[2] نبود که درنو بهار حسن — بر ارغوان تازه دمد سنبل ترش
قفلیست سربه مهرز بهر جواب من — آن لعل آبدار برآن درج گوهرش
آمد به باغ جلوه کنان نو عروس گل — در بر حریر و مقنعه، فلك بر سرش
برداشت پرده از رُخ گل نو عروس باغ — مشاطهٔ بهار چو بربست زیورش
آن رابه باغ وسرو و سمن نیست حاجتی — کاندر برست قامت سرو سمنبرش
بیچاره عاشقی که به شبهای انتظار — بالین زخشت باشد و ز خاکی بسترش[3]
دل کعبهٔ خلیل و بتان ساکن اندرو — خالی نه میکنند زبتهای آذرش
مشك و عنبر و غالیه شد خاك درجهان — تاشانه زد صبا سرزلف معنبرش
اور است می حلال که چون لب همی زند — آب حیات می شودآن می به ساغرش
سلطان ملك حسین به گیتی کجاشدی — گرنیستی عنایت شاه مظفرش
از جامه دار خانهٔ خاصش قبای لعل — گل رانگر که خلعت عیدیست دربرش
ماهیست میر مجلس خاصش که وقت شام — سیمین هلال عید بود ساغرزرش
تا روز گار دولت اودید چرخ پر — از یاد رفت نوبت محمود و[4] سنجرش
آن شاهزاده که فرمان[5] همی برند — ز اقبال پادشاه جهان هفت کشورش
اقبال و بخت و دولت تو ایستاده اند — همچو نقیب و حاجب و در بان کمترش

---

۱ اصل: "ای" ندارد۔
۲ اصل: بکمان، تصحیح قیاسی۔
۳ خلاصہ: بسترش، تصحیح قیاسی۔
۴ خلاصہ: "و" ندارد۔
۵ سکتہ۔ افتادگی۔

دعویٰ اگر کند که سلیمان شدم، رواست   چون وحش و طیر و دیو و پری شد مسخرش
هر گه که من به مجلس بزمش نظر کنم   یاد آیدم ز روضهٔ رضوان و کوثرش
از بندگان ترك هزاران ستاده اند   در صف ما همسر فغفور و قیصرش
گویند الامان به دمی صد هزار بار   نه چرخ وهفت کوکب ازان گرد شش پرش
هر دشمنی که کشته شود زیر تیغ او   دارم عجب که حشربود روز محشرش
ای خسروی که بهر شبستان بزم تو   ماهیست جام باده و خور گوی مجمرش
چون من عطارد ار ننویسد ثنای تو   ابتر کنم جریده و دیوان و دفترش
حرزیست این دعا که نبشتم برای تو   شام و[1] سحر ملایکه خوانند از برش
استاجیِّ شکسته ثنا خوان بزم تست   در باب او کرم کن وز احسان بپرورش
شعرش بسان آب حیا تست رو بخش   زیرا که هست بخشش خضر پیامبرش
ماچشمهٔ حیات به ظلمات ملك هند   لشکر کشش سکندر و خضرست رهبرش
ابری شد و بر آمد و بارید سیل خون   روز و غاز معرکه گرد لشکرش
تاریك بود معرکه پرنور شد چو یافت   خورشید زیر سایهٔ دامان مغفرش
خود را ز شوق مهر گدا ز و هزار بار   تا نام او زنند مگر مهر برزرش
مهدی عهد شاه جهانی و او مسیح   دجال را کمر بگردان بران خرش
ور مشتری وظیفه نسازد دعای تو   ویران کنم چو بت کده محراب و منبرش
گردون گر[2] بامن کژرویی کند   از دولت تو بشکنم آن چرخ و چنبرش
پیش نظر نیاورد ار لطف تو بود   خاقانیی سخنور و خاقان اکبرش
پیوسته این دعات نگوید که دایما   درهر دو کون رحمت حق یاد یاورش

همواره دار بار خدا یا به فضل خویش
در برقبای شاهی و بر فرق افسرش

---

۱ خلاصه: "و" ندارد۔

۲ اصل: سر، تصحیح قیاسی۔

در مدح فیروز شاه تغلق و پسر او فتح خان

[۱] لعل لبش که زندگی جاودان دهد   هر دم مرا به چشمهٔ حیوان نشان دهد
جانم به لب رسد، نبود خوف مردنم   گر زآن دهان به وعدهٔ لطفم زبان دهد
یاران باغ را بر مشاطهٔ بهار   هر صبح جلوه در تتق پرنیان دهد
ساقیی بزم ماچه سبك روح دلبریست   کو جان و دل ستاند و رطل گران دهد
آن شهسوار حسن به میدان دلبری   جولان زند زمانه به دستش عنان دهد
درباغ عارضش بدمد سبزهای تر   وآن سبزه رونقی به گل و گلستان دهد
هر روز تازه هندوی جعد سیاه را   شغل نگاهبانی شغل روان دهد
زان خط و خال و زلف کند عرض لشکری   وز غمزه تیر و خنجر و تیغ و سنان دهد
فیروز شاه شاه جهان آنکه صبح و شام   از خوان جود راتبهٔ انس و جان دهد
گر شهسوار فکر به جولانگه خیال   مطلق عنان و هم به دست گمان دهد
در عقل کل و رای حدود مکؤنات   خواهد که از سرادق قدرش نشان دهد
وانگاه تا ابد ز ازل صد هزار بار   تقدیرش از حوادث دوران امان دهد
اندیشه کیست تاکه برایوان قدر او   خواهد که بوسه بر قدم پاسبان دهد
روزی که عزم ضبط خراسان کند رهند   دانی قرار ملك جهان را چسان دهد
لشکر کشیدم وبس آنگاه با زعام   در تختگاه سنجر و الپ ارسلان دهد
ریزد پیاله خون دل خویشتن چو آب   تابوسهٔ برآن لب شکر فشان دهد
هنگام آن رسید که هر صبحدم صبا   آفاق را طراوت باغ جنان دهد
خوش وقت آن کسی ست که ساقی گلعذار   هر صبح چون کفش میی[۲] ارغوان دهد
طفلست باش تاکه نهد لوح از کنار   تعلیمش اوستاد[۳] زیر کان دهد

---

۱   خلاصة: ص ۳۷۴۔
۲   اصل: میی چون۔ تصحیح قیاسی۔
۳   اصل۔ یک کلمہ افتادگی دارد۔

کو وقت آن هنوز که آن نوبهار حسن — گلزار را ز سنبل تر سایبان دهد
زآن خط چوبر کشد علم فتنه از عذار — ملك خطا به لشکر هندوستان دهد
ترکیست چشم مست ولی آن ترك مست را — لشکر کشیی فتنهٔ آخر زمان دهد
چون شاه ملك حسن شود خط بندگی — بر آستان خسرو کشورستان دهد
عدلش بسیط عیش به آفاق گسترد — در چار سوی ملك ندای امان دهد
ممکن نگردد اینك تصور کند به خواب — کو بوسه بر رکاب شه کامران دهد
شهباز وهم رابه طلب ز آشیان کون — پرواز گاه ازآن ظرف لامکان دهد
اندر خیال وهم نیامد که از کان[1] — شرح کمینه پایهٔ آن آستان دهد
در روز بزم مادح خود رابیك سوال[2] — دخل هزار سالهٔ دریا و کان دهد
از تف تیغ هندی چون برق آتشی — دربرد گاه لشکر جنگ شهان دهد
ملك جهان بگیرد و داد جهانیان — در بار گاه دولت نو شیروان دهد
از بندگان ترك یکی را چو بر کند — اقطاع دار ملك قزل ارسلان دهد
از مصر تابه چین چو شود ضبط بعد ازآن — بردست بندگان در فتح خان دهد
از بندگان خاص خود اندر رکاب او — صدللك چو پور زال جوان پهلوان دهد
اقلیم پارس را بنشاند اتابکی — در وجه خرج مطبغ او اصفهان دهد
بر فرق افسرش چو نهد تاج خسروی — و آنکه به دست او علم گاوبان دهد

پیلان کوه پیکر و گرد آن پیل تن
آراسته به جوشن و بر گستوان دهد

۱؎ کذا۔
۲؎ اصل: سال، تصحیح قیاسی۔

"درمدح عزالدول"

[۱] خطا گفتند زلفش راکه چون مشك ختن باشد
هزاران چین مشکینش[۲] به زیر هر شکن باشد
ززلف مشکبار اونهد ناف آهوی مشکین
زمست خون خود ترسان[۳] گریزان درختن باشد
قدش راسر و اگر گویم همه کس راست پندارد
دهانش راشکر گویم دران جای سخن باشد
به هنگام خرامیدان به سرو بوستان ماند
ولیکن سرو بستانی به جای خویشتن باشد
به رعنایی رخسارش نه گل دربوستان روید
به زیبائی بالایش نه سروی در چمن باشد
چوگل پیراهنم چاکست ازآن غایت که اندامش
چرابایدکه چون گل در درون پیرهن باشد
مرا بیماری عشق و طبیبم صبر فرماید
بنوشم شربت صبراز امید زیستن باشد
دوم درکعبهٔ و صلش چه ترس ازبادیه ای دل
که زیرپای مشتاقان مغیلان چون سمن باشد
دلاارباب حاجت راچو کعبه درهمه عالم
مگردر حضرت دهلی در صدر زَمن باشد

---

۱ مجموعہ: ج اوّل، ص۹۱۔
۲ اصل: مشکین، تصحیح قیاسی۔
۳ اصل: خون ترسان، تصحیح قیاسی۔

مـلك عز الدول کزوی شرف ملك جهان دارد
همیشه عـزو دولت رابه در گاهش مطر باشد
نـدیـده امـت احـمـد ز اولاد عـلـی چـون او
حسینی نسبتی کـو را همه خلق حسن باشد
زهـی صـدر رسـالـت را ستوده هـای بـر حق
کـی ازوی دیـن حـق راویـم، احیـاء سنن باشد
فـلك بـه دشـمـن جاهش کند دل گرمی آن دم
کـی او رابـر سـر کـیـنـه ز آتـش برلگن باشد
حسود[۱] شعله وش آن دم بلندی یافت[۲] از گردون
کی بر دارش کشد ناگاه در حلقش رسن باشد
عـدوی زرد روی او کـنـد دعـوی گـه هیـجـا
به وقتی سرخ رو گردد که از خونش کفش باشد[۳]



غزل

[۴] زمستان است عید و موسم می — بـگـردان سـاقـیـا دور پیا پی
صـراحـی را دمـی بـا ما صفا ده — کـه مـارا مـاجرائی هست با وی
به صحرا کی خرامد شاه نو روز — هـزیـمـت کـی نـماید لشکردی
بـرو زاهـد که این امر محالست — کـه بـاز آیم گهی از شاهد ومی
مـلامـت کـردن بـی نـفع تاچند — نـصیـحـت گـفتـن بیهوده تاکی

۱۔ اصل: حسود شعلہ اش، تصحیح قیاسی۔
۲۔ یافت، اضافۂ قیاسی۔
۳۔ مجموعہ لطائف: ص ۹۱۔
۴۔ ایضاً: جلد دوم، ص ۳۴۴۔

مرا ای خواجه باتو چه نسبت　　من و توبه که میگوید کجا و کی
اگر از تربتم ساقی بخواند　　بگویم ساقیا لبیك لبی
زمی توبه کنم لیکن زمستی　　معاذ اللّٰه که من توبه کنم هی

بیا مطرب تو مراین نغمه راباش
ندا لا تالك اتالا ثلانی[۱]



الیاس ہروی

الیاس ہروی عہد فیروز کے ایک شاعر ہیں۔ جنکے متعلق ہماری معلومات محدود ہیں۔ صرف ۱۲ابیات پر مشتمل ایک قطعہ مجموعہ لطایف وسفینۂ ظرایف میں نقل ہوا ہے جسمیں کسی محل، حصار، قلعہ یا شہر کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے ایک مضمون ''فیروز شاہ تغلق کے عہد کے چند غیر معروف شعراء'' کے عنوان سے نذرِ رحمٰن میں شائع کیا ہے۔ الیاس ہروی کے سلسلہ میں انکی معلومات کا مآخذ بھی یہی قطعہ رہا ہے۔

الیاس کو عہد فیروز کا شاعر تسلیم کرنے کی مندرجہ ذیل دو وجوہات ہیں:

۱۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اس قطعہ کی نظم کی تاریخ ۷۶۹ھ رقم کی ہے چونکہ فیروز کا عہد حکومت ۷۵۱ھ تا ۷۷۸ ہے۔ جسکی وجہ سے الیاس کو فیروز کے دور سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ الیاس نے اپنا قطعہ کسی تعمیر کے موقع پر نظم کیا تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ فیروز شکار کے علاوہ تعمیرات کا بھی از حد شوقین تھا اسکے عہد کے تمام معروف اور غیر معروف شعرا نے فیروز کی تعمیرات کی تعریف میں قصیدے اور قطعہ نظم کئے اور سلطان کے انعام واکرام سے سرفراز ہوئے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ الیاس نے بھی اپنا قطعہ کسی محل، قلعہ، حصار یا شہر کی تعریف میں لکھا ہوگا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ الیاس کے نام کا دوسرا حصّہ یعنی ہروی کی نسبت ہرات[۲] سے منسوب ہوتی ہے جو موجودہ ایران کا ایک مشہور ومعروف شہر ہے جسکی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ الیاس کا تعلق کسی نہ کسی صورت ہرات سے بھی

۱؎ کذا۔

۲؎ یہ محض ایک قیاس ہے اور اسکی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے اور نہ کسی تذکرہ نگار نے اس بات کی تصدیق کی ہے۔

رہا ہے۔ جبکہ نذر رحمٰن کے مؤلف کا خیال ہے کہ مجموعہ میں شاعر کے قطعہ کے فوراً بعد محمد بن تغلق کے زمانے کے شاعر اختیار الدین کے دو قصیدے اور فیروز شاہ کے عہد کے دو شاعر ایک سیّد اجلؔ کا قصیدہ جو اس نے کسی نئے شہر کی تعمیر کے موقع پر لکھا تھا اور دوسرے جمال الدین استاجیؔ کا قصیدہ درج ہوا ہے۔ جس کی بنا پر الیاس ہروی کو بھی ہندوستان کے شعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔

کسی بھی شاعر کے قلیل شعری نمونے سے اسکے علم و فضل اور اسکی فنی مہارت کا اندازہ لگانا نہایت مشکل کام ہے۔ لیکن جس طرح انہوں نے ممدوح کے تعمیرات کے شوق کو اپنے قطعہ میں قلمبند کیا ہے اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت اور سادہ الفاظ میں فیروز اور اسکے محل کی تعریف کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ الیاس ایک اچھے شاعر تھے اور اگر قسمت ان پر مہربان ہوتی تو غالباً انکا نام بھی اپنے عہد کے عمدہ اور بہترین شعرا میں ہوتا۔

حبّذا[۱] خانۂ خجسته نهاد — کز تو گشته است جان عالم شاد
خیر مقدم خوش آمدی در دهر — آفرین بر چو تو عمارت باد
بهر عیش و نشاط عالم کرد — اوستاد قضا ترا بنیاد
شد فضای تو مسکن حفاظ — شد حریم تو معبد عباد
کار دارم توئیم همیشه دُعا — شغل شکان تو مدام اوراد
هر که گردد مقیم تو به کرم — در زبان از جهان رسد به مراد
وانکه شد ساکن تو[۲] برفت — جنّت و حور و کوثرش ازیاد
چون تراعقل دید گفت قضا — دری از خلد بر جهان بگشاد
گردد از فرّ قبۀ تو همای — در قضای تو گر بپرد خاد[۳]
اوستادی که کرد بنیادت — راستی داد در عمارت داد
بود تاریخ چون جمیل اخیر — سال بر دال و عین وضاد[۴] بنیاد

یارب این خانۂ بهشت آسا
بر جمیع جهان مبارك باد[۵]

۱۔ مجموعہ: ج اوّل، ص ۸۹۔ ۲۔ مجموعہ: توبی۔ ۳۔ کذا۔ ۴۔ اصل: طا۔ د=۴+ع=۷۰+ط=۹=کل جمع ۸۳ جس سے کوئی تاریخ نہیں نکلتی۔ اگر ط کے بجائے ظ پڑھا جائے تو سال ۹۷۴ ہوتا ہے جو درست نہیں اگر اس کو ض=۸۰۰ پڑھا جائے تو صحیح سال حاصل ہوتا ہے جو فیروز شاہ تغلق کے دورِ حکومت کی تاریخ ہے اور اسی دوران اس نے یعنی ۷۷۴ھ میں یہ عمارت تعمیر کی ہوگی۔

۵۔ پروفیسر شعیب اعظمی صاحب نے اس قطعہ کو قصیدہ کی صف میں شامل کیا ہے اور اسکی تاریخ ۷۶۶ھ/۱۳۶۴ء لکھی ہے۔

سیّد السادات سیّد اجل

تغلق عہد کے ایک شاعر اور الیاس ہروی کے ہم عصر سیّد السادات سید اجل نامی شاعر بھی گذرے ہیں۔ انکے متعلق بھی ہماری معلومات کے ذرائع ناکافی ہیں۔ اجل نے بھی اپنے دیگر ہم عصر شعراء کی مانند گمنامی کی زندگی بسر کی۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے بڑی تلاش و جستجو سے اپنے چند مقالوں کے ذریعہ اجل کو فارسی دنیا سے متعارف کرایا ہے۔ پروفیسر نبی ہادی صاحب نے بھی برٹش میوزیم لابریری کیٹلاگ کے حوالے سے انتہائی مختصر عبارت میں انکا ذکر اس طرح کیا ہے:[۱]

"Saiyed us-Sadat Ajall, was a poet of important Position in the Court of Sultan Firoz Tughlaq. The Sultan built his new Capital, Firozabad, and decorated it with a large number of grand palaces and other beautiful buildings. A lengthy qasidah of the poet (30 Verses) praising the palace and the mosque has survived in the anonymous [۲] Bayaz (Rieu No. 374)."

مجموعہ سے حاصل شاعر کے موجودہ قصیدہ کے درج ذیل شعر کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا تعلق سلطان فیروز شاہ تغلق کے دربار سے تھا۔

بادشاه عادل و عالی نسب فیروز شاه　　　آنك زيبد بندهٔ درگاه وی نو شيروان

شاعر نے یہ قصیدہ سلطان کے کسی نو تعمیر شہر یا اسکے محل یا مسجد کی تعریف میں لکھا تھا۔ سلطان کو تعمیرات کا کس حد تک شوق تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ جس جگہ اور جس مہم پر جاتا اس علاقہ کو فتح کرنے کے بعد اس جگہ قلعہ، محل، مسجد یا حصار ضرور تعمیر کراتا یا پھر اس جگہ کا نام بدل کر ایک نئے نام سے اس شہر کو آباد کرانے کا حکم دیتا۔ فیروز کے اس ذوق کی نشاندہی اسکے عہد کے بیشتر شعراء نے اپنے کلام کے ذریعہ کی ہے، اسکے علاوہ تاریخی تصانیف[۳] بھی اسکے شوق کی گواہی سے پُر نظر آتی ہیں۔

اجل کے دستیاب قصیدہ سے یہ بات حتمی طور پر معلوم نہیں ہوتی کہ آیا شاعر کو شاہی دربار میں باریابی حاصل ہوئی تھی یا نہیں اور اگر اس کو سلطان تک رسائی حاصل تھی تو اس نے صرف ایک قصیدہ لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہوگا بلکہ اچھے خاصے شعری نمونے یادگار چھوڑے ہوں گے۔ جس تک کسی محقق کی رسائی نہیں ہوسکی ہے، یا پھر

---

۱ ہسٹری آف انڈو پرشین لٹریچر: ص ۱۸۲۔

۲ anonymous Bayaz سے بیاض مراد مجموعہ لطایف ہے جو برٹش لائبریری میں کیٹلاگ میں دستور الشعراء کے نام سے ذکر کی گئی ہے۔ غالباً پروفیسر نبی ہادی صاحب بھی اس کے اصل نام سے ناواقف تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ: ص ۱۶۔

۳ تاریخ فرشتہ، تاریخ فیروز شاہی، منتخب التواریخ فیروز کی تعمیرات کا تفصیل سے ذکر ہے۔

شاعر نے اپنا قصیدہ سلطان کی توجہ اور التفات حاصل کرنے کے لئے دربار سے باہر رہ کر نظم کیا۔ عہدِ تغلق میں چند شعراء کے علاوہ بیشتر شعراء نے باوجود بلند مرتبہ، مقام اور شہرت کے حقدار ہونے کے گمنامی اور بی سروسامانی کی زندگی گذاری اسکے وجوہات توجہ کے طالب ہیں۔

خصوصیات کلام: اگرچہ شاعر کے صرف ایک قصیدے کے سوا اور کچھ نہیں ملتا، اور صرف ایک قصیدہ، قطعہ اور چند اشعار سے کسی شاعر کی استادی، قابلیت، اہمیت اور مہارت کا اندازہ لگانا دشوار ہے لیکن اجل ایک ایسے شاعر ہیں کہ صرف ایک قصیدے سے ہی انکی مہارت کسی قدر نمایاں ہو جاتی ہے انکی اہم خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے ہمعصر شاعر الیاس ہروی کی طرح چھوٹے چھوٹے، سادہ اور آسان الفاظ میں اپنا مقصد بیان کرنے میں مہارت رکھتے ہیں جو آسانی کے ساتھ قاری کو اپنی جانب متوجہ کر لیتے ہیں۔ وہ محض شہر، محل اور مسجد کی ہی تعریف نہیں کرتا بلکہ فیروز کی بھی مدح سرائی کرتا ہے اور نوشیرواں کے عدل و انصاف سے فیروز کے انصاف کا موازنہ کرتے ہوئے اسے دین پناہ جیسے القاب سے یاد کرتا ہے:

پادشاه عادل و عالی نسب فیروز شاه — آنك زيبد بندۀ درگاه وی نو شيروان
دين پناها، بادشاها ،سلطنت بر ذات تو — چون نبوت ختم بر خاتم پيغمبران
حامی دين محمد ماحيی بدعت تويی — تابود دين محمد برسرامت به مان

اجل نے اپنے قصیدے میں قصید گوئی کی تمام شرطوں کو بخوبی ادا کیا ہے اور بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حقیقتاً اجل نے قصیدہ گوئی کا حق ادا کر دیا ہے۔

ذیل میں اجل کا پورا قصیدہ نقل کیا جاتا ہے:

حبّذا[۱] شهری كه از خلد برين دارد نشان — بر كران جوبيارش قصرهای بيكران
درميان قصر همايون چون تو دروی بنگری — جنتی بينی كه درهر گوشۀ اوصدجنان
مسجد جامع تو گوئی بيت معمور از سما — بر زمين آورد يزادن از برای بندگان
تا نموداری شده است از مسجد اقصیٰ پديد — يا نشان مسجد پيغمبر آمد اين مكان
همچو قبله كعبۀ حاجات جن و انس شد — ورنشان خواهی كليد كعبه هست آنكه نشان
بر در مسجد مناره بين كه از احكام او — چرخ سرگردنست ز حيرت كه می بيلدر آن

۱؎ مجموعہ: ص ۹۰۔

از بلندی تابدان رفعت که او را کوه قاف پایه ای شد نخست از پایهای نردبان
رفعتش رابر قیاس فکر خود گفتم کنون طول و عرض او اگرخواهی هم ازرفعت بدان
باچین رفعت موذن کی رسد بس لاجرم از برای هر نماز آنجا ملك گوید اذان
باز کرد این همه حصنی محیط آمد که هست لنگر او از بلندی بر فراز آسمان
سد اسکندر برو از بهر دفع چشم بد هر زمان گوید وقال الله یا دار الامان
آنچنان قصری رفیع و این چین حصنی بدیع برلب بحر محیط وبر سرآب روان
جنت عدنست بر روی زمین پیدا شده از عطاء ذوالمنن بر پادشاه کامران
پادشاه عادلی و عالی نسب فیروز شاه آنك زیبد بندهٔ درگاه وی نوشیروان
کوشش یك روزهٔ او فتح اقلام و بلاد بخشش یك لحظهٔ او حاصل دریا وکان
شیر را در عهد او هرگز نیابی جز قتیل گرگ را در وقت اوجای نبینی جز شبان
در شب تاریك نابینا اگر حاضر شود در جبین او ببینند پادشاهی راعیان
ای جهانداری که زیر طوق فرمانت بود گردن هرسر کشی از جداران[۱] جهان
خوف تیغت تابدان حدّست که اندر نیزها لرزه می کرد دلی در سینهاء دشمنان
جود دستت تابدان جایست که اندر روزگار نام حاتم هیچ کس نگرفت وقتی میزبان
خسرو آفاق املاکی که احیا کردهٔ ای زاید آید بر بلاد ملکهای دیگران
شرع و ملّت رابه یمن دولتت ثابت اساس فتح و نصرت رابه خاك درگهت دایم مکان
ای به خاك پایی تو شاهان عالم رایمین وای زامن عهد تو اولاد آدم را امان
دین پناها پادشاها سلطنت برذات تو چون نبوت ختم شد بر خاتم پیغمبران[۲]
ملك بخشاینده پیدا[۳] کردهٔ احسان تست آن چنان احسان کی مقرون نیست با او امتنان
دایما در مدح و شکر نعمت مستغرقم گرچه شکر نعمت شاها کجا گفتن توان
حامی دین محمد ماحی بدعت تویی تابود دین محمد بر سر امت بمان

---

۱ کذا۔

۲ اصل: پیغامبران، تصحیح قیاسی۔

۳ کذا۔

عیش بدخواهت چو چشم سوزن و آنکه درو   از نحیفی شخص او بادا چوتار ریسمان
ای شهنشاهی که هردم بر فلك گوید ملك   در دعاء ذات تو بهر بقاء انس و جان
ملك را دایم بگیرو شرع راقایم بدار
عمررا زاید بیاب و عیش را فارغ بران

☆☆☆

تاج شیرازی

تاج شیرازی جوعہدِ فیروزی کے شعراء کی صف میں شامل ہیں۔ایران کے مشہور شہر شیراز میں پیدا ہوئے اور شیراز میں ہی اپنے زمانے کے مروجہ اور متداول علوم حاصل کیے۔ تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو سلاطین تغلق کی داد و دہش جس کے چرچے نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی زبان زدعام ہورہے تھے،سنکر اپنے ملک کو خیر باد کہا اور ہندوستان آگئے اور یہاں انہیں فیروز شاہ تغلق کے دربار میں باریابی کا موقع بھی مل گیا۔

پروفیسر بنی ہادی صاحب اپنی تصنیف میں اس شاعر کے سلسلے میں مندرجہ ذیل اطلاع بغیر کسی حوالہ کے فراہم کرتے ہیں:

"Taj Shirazi, belonged to Shiraz, Iran and lived in the court of Sultan Firoz Tughlaq. The Sultan treated him with Kindness. All literary men of Delhi admired his command as a qasidah writer. Anthologies could not preserve the specimens of his verses.[۱]

شیرازی کا سلطان کے دربار میں رسائی کا ذریعہ اور بادشاہ کی قربت کے سلسلے میں کوئی اطلاع نہیں ملتی۔البتہ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے رسالہ ''فکر ونظر'' میں شائع اپنے ایک مقالہ بنام''حمید قلندر اور انکے چند ہم عصر شعراء'' کے ذریعہ تاج شیرازی اور ان کی ایک مستزاد نظم کو متعارف کرایا ہے جو فارسی ادب میں بیش بہا اضافہ ہے اسکے لئے فارسی ادب ہمیشہ انکا مشکور رہے گا۔ پروفیسر شعیب اعظمی صاحب نے بھی شیرازی کے ذکر کے ساتھ انکے کچھ اشعار نقل کئے ہیں۔قوی امکان ہے کہ انہیں شیرازی اور ان کی مستزاد نظم کی اطلاع بھی نذیر صاحب کے مقالہ سے حاصل ہوئی ہوگی۔

---

۱   ہسٹری آف انڈو پرشین لٹریچر: ص ۱۸۳۔

شاعر کی یہ نظم تاریخی حیثیت سے کافی اہمیت کی حامل ہے۔ اس نظم سے اندازہ ہوتا ہے کہ مستزاد نظم لکھنے کا رواج ہندوستان میں خاصی قدیم ہے اور یہ صنف سخن سرزمین ہند میں بڑی حد تک مقبولیت رکھتی تھی۔

شیرازی نے یہ نظم فیروز شاہ کی مدح میں حسام الدین نامی ایک شاعر کی پیروی میں نظم کی تھی۔

تاج کی موجودہ نظم سے انکی استادی اور مہارت کا اندازہ کرنا دشوار ہے لیکن جس طرح انہوں نے سادہ اور آسان الفاظ میں فیروز کی مدح کی ہے اسکی وجہ سے یہ مستزاد نظم لایق تحسین قرار پاتی ہے کسی ماٰخذ سے یہ علم نہیں ہوسکا کہ آیا شاعر نے صرف یہی نظم لکھی تھی یا اسکے علاوہ بھی اپنا کلام یادگار چھوڑا تھا۔

ذیل میں شیرازی کی مذکورہ نظم نقل کی جاتی ہے۔

کس نیست که او عرضه کند قصه به سلطان — از حال گدائی
و ز بلبل مسکین که برد نامه به بستان — جز پیك صبائی
هر چند که یادم نکند نیز امید است — وقتی بنوازد
گوید که بیا سوی من، ای کشتهٔ هجران — چونی به بلائی
آن کو نشود عاشق رخسارهٔ زیبا — ازبهرچه زنده است
سنگی است ولی کونکشد بر رُخ خوبان — بی صدق و صفائی
شدبستهٔ زنجیر دو زلفین تو دلها — بکشای زمانی
آزاد بکن گرد سر خویش بگردان — امید زجائی
هستند بتان لیك به شکل توچه ماند — در شوخی و شنگی
توفتنهٔ آفاق و جهانی به تو حیران — محتاج لقائی
آن جعد تو چون مارسیه هست نشسته — بر گنج سرینت
زنهار مجنبان که دلم کرد پریشان — ماری زقفائی
در چاه زنخدان تو افتاده دل من — دستی به کرم ده
تاچند غریبی بود افتاده به زندان — بی جرم و خطائی

خالی است ترا پهلوی از غمزهٔ خونخوار — در رهزنی استاد
زد راهِ دلم هندو کی به پیشیی ترکان — بنمود جفائی
صد جور کنی بر دلم ای یار جفاکار — مهرت شده روشن
کس عاشق بی چاره کشد زار بدینسان — کو راست وفائی
زین گونه بتی کشت مراپیش که گویم — احوال دل خود
کس داد گری نیست به جز خسرو گیهان — کس نیست ورائی
شاهنشه آفاق جهانگیر و جهاندار — فیروز شه آنکو
در داد گری داور ملکست به دوران — بر درد دوائی
شاهی است که چون اوبه جهان شاه نبودست — شایسته به شاهی
شد ملك جهان روشن ازآن انجم تابان — افزوده ضیائی
ای خسرو آفاق جهاندار زمانه — ازبیم تو رفتند
در زیر زمین بهمن و کی رستم و کیوان — بادات بقائی
وصفت چه توان کرد در آئی چوبه میدان — از مردی و جلدی[۱]
در حال ربائی ز همه گوی به چوگان — بی مکرو دغائی
شاها، ملکا، داد گرا بهر خدارا — فریادرسی کن
محتاج درت مفلس درمانده به درمان — ازبهر نوائی
استاد درین طرز امام ابن حسام است — بر پیروریش تاج
شعری زپی شاه جهان کرد درفشان — مدحی و ثنائی
یارب به جهان شاه جهان تا نفحهٔ صور — پاینده و باقی
چون خضر و مسیحا دهدش عمر فراوان — اینست دعائی[۲]

۱ـ کذا۔

۲ـ مجموعہ:ج دوم، ص۳۸۸

برہان الدین بڈہانی

عہد فیروزی کے برہان الدین بڈہانی کا تعلق مظفرنگر کے قریب ایک قصبہ بڈہان سے تھا۔ اس شاعر کے متعلق اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوسکیں کہ اس کا تعلق فیروز شاہ تغلق کے دور سے تھا اور اسکی سرپرستی فیروز کے ایک عہدہ دار یوسف بن احمد ابورجاء نے کی تھی۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اس نام کی دو شخصیات تھیں ایک تو فیروز کے عہد کا مشہور سپہ سالار شمس الدین ابورجاء جو سمانہ اور گجرات کا حکم تھا اور بادشاہ کے ندیمان خاص میں جسکا شمار ہوتا تھا۔ وہ ابورجاء ۷۷۶ھ میں گجرات کا حاکم مقرر ہوا اور اپنے نیک افعال و علم دوستی کے سبب نیک نامی اور شہرت نے اسکی قدم بوسی کی۔ شمس الدین نہ صرف ایک ادب پرور انسان تھا بلکہ وہ فن شاعری میں مہارت رکھتا تھا اور وہ خود بھی شعر کہتا تھا۔ وہ علم موسیقی سے بھی خاص شغف رکھتا تھا اور اس فن میں اسے دستگاہ حاصل تھی۔ اسی کے حکم سے موسیقی سے متعلق عربی کی مشہور تصنیف ''فرید الزماں فی معرفت الالحام'' کا فارسی میں ترجمہ ہوا۔ اس کتاب کے ترجمہ کے چند دن بعد ''غنیۃ المنیہ'' کا بھی عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ شمس الدین، محمد بن تغلق کے وزیر ملک مجیر[۱] ابورجاء کے بھائی کا بیٹا تھا۔ ملک مجیر جس کی وزارت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکی اور چند دن بعد ہی برطرف کر دیا گیا جبکہ شمس الدین ابورجاء ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے فیروز کا مشیر خاص بن گیا تھا۔ محمد بن تغلق اور فیروز کے عہد میں اس نام کی صرف دو شخصیت ہی کا علم ہوسکا ہے۔ مجموعہ لطایف و سفینۂ ظرایف میں ایک اور ابورجاء کا نام ملتا ہے جنکا پورا نام یوسف بن احمد ابورجاء ہے جن کا ذکر کسی تاریخ اور تذکرے میں نہیں ملتا۔ جس کی بنا پر ہم حتمی طور پر یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ یوسف بن احمد ابورجاء کا تعلق بھی ملک مجیر ابورجاء اور شمس ابورجاء کے خاندان سے تھا یا یوسف بن احمد کسی دوسرے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حقیقت کچھ بھی ہو لیکن درج ذیل باتوں کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یوسف بن احمد ابورجاء کا تعلق تغلق دور سے ہی تھا۔ اگرچہ یہ علم نہیں کہ اسکے تعلق کی نوعیت کیا تھی، لیکن برہان الدین کا ایک قصیدہ جو نہایت مختصر ہے اور مجموعہ لطایف میں نقل ہوا ہے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ یوسف کا تعلق عہد تغلق سے ہی تھا۔

صاحب مجموعہ نے بعض تغلق دور کے شعراء مغیث الدین ہانسوی، اختیار الدین، الیاس ہروی، منتجب الدین اثیر، جمال الدین استاجی اور حمید قلندر وغیرہ جنہوں نے تغلق کی مدح کی انکا کلام نقل کیا ہے جو دوسری بیاضوں اور

۱؎

تذکروں میں دستیاب نہیں۔ اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یوسف ابورجاء بھی اسی دور کے حاکم رہے ہونگے۔

برہان الدین کا شمار بھی عہد تغلق کے ان گمنام شعراء کی صف میں کیا جاسکتا ہے۔ جو حالات کی ستم ظرفی کا شکار رہے۔ معلوم نہیں برہان نے صرف یہی ایک قصیدہ نظم کیا تھا۔ یا اسکے علاوہ بھی شعری نمونے یادگار چھوڑے تھے اور زمانہ کی گردش سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ برہان کا صرف ایک قصیدہ بہشت[۱] ردیف میں دستیاب ہوسکا ہے جس سے شاعر کی فنی مہارت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں برہان کا دستیاب قصیدہ نقل کیا جاتا ہے۔

درمدح یوسف بن احمد ابورجاء

ای نسختی ز خلق تو سرتا سر بهشت　　یك سوی خلق تست وزسوی دگر بهشت
فخر ملوك یوسف احمد ابورجا　　ای میزبان خلق ترا ما حضر بهشت
نارد ز شرمساری خلقت شدن[۲] پدید　　زا نست در حجاب ز نور بصر بهشت
خلقیست از بهشت بسیی خوشترت سزد　　با خلق تو نیاورم ار در نظر بهشت
با غیست خلق تو که همه روز سال و ماه　　شاخ درخت او نهد بر، مگر بهشت
خلق تو نسختیست مطول بهشت را　　نی نی که نسختیی است از و مختصر بهشت
ماند به طیب خلق خوشت را از آن بود　　پیوسته نزد خلق جهان معتبر بهشت
ای هر که شد به سوی تو بر یاد خلق تو　　در ره بود به هر قد مش بر گذر بهشت

جاوید زی که از پی برهان به روز گار
خلق تو در سرشت بهشتست در بهشت[۳]

۱۔ محمد بن تغلق کے عہد کے ایک شاعر مغیث الدین ہانسوی نے بھی بہشت ردیف میں ایک قصیدہ نظم کیا ہے اس کے علاوہ تغلق عہد کے متعدد شعراء حمید قلندر، ظہیر فاریابی، منتجب الدین اثیر وغیرہ نے بہشت ردیف میں قصیدے نظم کیئے ہیں چونکہ بڈھانی کا قصیدہ مغیث کے درج کلام کے درمیان نقل ہوا ہے عین ممکن ہے کہ اس روایت میں بڈھانی نے بھی بہشت ردیف میں قصیدہ نظم کیا۔

۲۔ کذا۔　　۳۔ مجموعہ: ج اوّل، ص ۱۰۶۔

قاضی صیرفی

تاج شیرازی کے ہم عصر قاضی صیرفی کا شمار بھی عہدِ تغلق کے غیر معروف شعراء کی صف میں ہوتا ہے۔ صیرفی عہدِ فیروزی میں قاضی القضاء کے عہدے پر فائز تھا۔لہٰذا اسی مناسبت سے وہ قاضی صیرفی کے نام سے موسوم ہوا۔ صاحبِ مجمع الفصحا صیرفی کو"صیرفی ہند" کہتا ہے اور یہ اطلاع غالباً اس نے عرفات العاشقین سے لی ہے کیونکہ عرفات میں صیرفی کا ایک شعر نقل ہے لیکن وہ اسقدر خستہ حالت میں ہے کہ اسکو صحیح سے پڑھا نہیں جاسکتا۔ البتہ مجمع الفصحا میں صیرفی کے تین شعر نقل ہیں جن میں شاعر نے فیروز کے عدل و انصاف کی تعریف کی ہے جیسا کہ اسکے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

گرفت مشرق و مغرب زفر یزادانی   چو آفتاب جهانگیر تیغ سلطانی
شه مظهر فیروز شه که بر دراوست   ستاده قیصر و خاقانی به رسم دربانی
به عهدِ تو نرسد ظلم کس بیك موری   تراسد کنی دعوئ سلیمانی[۱]

۱۔ فکر و نظر: ص ۳۳، ۱۹۶۵۔

منتشر اشعار

نامعلوم شاعر: صاحبِ مجموعہ سیف جام ہروی نے صنعت طرفہ کی مثال میں عہدِ فیروزی کے کسی گمنام شاعر کے چند منتشر اشعار نقل کئے ہیں جس سے مندرجہ ذیل اطلاعات حاصل ہوئی ہیں۔

۱۔ مجموعہ سے دریافت نظم کے حسبِ ذیل مصرعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظم ہندوستان میں لکھی گئی۔

مصرعه: تاچه سحراست اینکه در هندوستان آورده اند

۲۔ مجموعہ لطایف و سفینۂ ظرایف کے مرتب کا تعلق فیروز شاہ تغلق کے عہد سے تھا۔ اسکے علاوہ مرتب بیاض نے ایسی متعدد نظمیں مجموعہ میں نقل کی ہیں جس میں فیروز کی نوتعمیرات کا ذکر کیا ہے۔ بادشاہ کی ان تعمیرات کی تعریف میں جن شعراء نے قطعات اور قصیدے نظم کئے ان میں جمال الدین استاجی، الیاس ہروی، سیداجل اور تاج شیرازی کے نام سرفہرست نظر آتے ہیں۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ شاعر نے یہ نظم بھی کسی عمارت کی تعریف میں لکھی ہو۔

۳۔ مجموعہ میں تین جگہ اسے اشعار درج ہیں جو ایک ہی وزن میں لکھے گئے ہیں۔ جنکے بارے میں پروفیسر نذیر احمد صاحب کا خیال ہے کہ ''یہ ایک ہی مثنوی کے ابیات ہیں اور انکا کہنے والا بھی ایک ہی شاعر ہے''۔

فاضل استاد کا یہ قیاس دو وجوہات کی بنا پر ہے:

۱۔ تمام ابیات ایک ہی وزن میں نظم کئے گئے ہیں۔

۲۔ مجموعہ میں درج اشعار میں فتح ٹھٹھہ (۷۶۲ھ) اور فتح لکھنوتی کا (۷۶۰ھ) ذکر کیا گیا ہے[۱]۔ سن کے اعتبار سے یہ حتمی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں فتوحات فیروز شاہ کے دور میں وقوع پذیر ہوئیں تھیں، جنکی بناپر پروفیسر نذیر احمد صاحب کے اس خیال کو درست قرار دیا جاسکتا ہے کہ مجموعہ میں نقل تمام اشعار ہندوستان کے کسی نا معلوم شاعر کے ہی ہیں جن میں اس نے فیروز کی اور اسکی تعمیرات کی تعریف بیان کی ہے۔ ذیل میں تمام ابیات نقل کئے جاتے ہیں:

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے منتخب: ج دوم، ص ۲۴۶ اور ۲۴۹۔

قبهـا آراستـــه دیـوار او از جـز و گـل مفرش از دیبا، بساط از پرنیان آورده اند
نـخل از ابرشیم و گل از زر و بار از کهر نوبهاری طرفه در فصل خزان آورده اند
لـعل و در چون قطرهٔ آب و شرار آتشین طـرفه باهم هر دو در یك ریسمان آورده اند
فرفه تر کان ریسمان نی تر شده نی سوخته تاچه سحر است اینکه در هندوستان آورده اند



ملك لکهنوتی آوریده به چنگ داده انـعــام مـفــرد آنـرا هنگ
زر فشـانـی نـمـوده (پی) بر پی کـرده ز آفـاق صیت حاتم طی
صید کرده به سیم خاص و عام خـرده بینـان شمرده جیتل دام



سـاقیـان هـر طرف شده بخوام از صـراحـی فـکـند می در جام
گرنه جادوگر است ساقی مست بـادبـا را چسان گرفت بدست
زمـزمــه بـر کشیده اهل طرب ز اول روز تـــا بـــآخـر شـب



آنـچـنـان در اصول خود آستاد کـذ صداقت بکرده قسمت باد
قسـمـت باد می کنند و عجب کـاتشی می فتد در اهل طرب
فـوفــه بـنـگـر بشهـر راه زده طـرفــه تـر راه پیش شـاه زده
کـرده بـر دستهـا عـراق سـاز کـرده در هند شسته راه حجاز



تهتـه کـز دور جام بودی مست بنگر اکنون خواب و جام شکست
شـاه آفـاق مسـت عیـش مدام زانـکـه شـه را بدست آمد جام
جـام کز می طرب فزا بودست وز بـزرگـی جهان نما بودست

بخت کو یاور تو شد پیوست　　　داد جام جهان نمات بدست

چون بدست تو داد دولت جام　　　ز (زده؟) دولت به جام[۱] دور مدام



شاعرِ نا معلوم: عہد فیروزی کے ایک نامعلوم شاعر نے فیروز کی مدح میں ایک رباعی نظم کی ہے یہ رباعی اس وقت نظم کی گئی جب سلطان نے لکھنوتی کے حاکم سلطان سکندر کو شکست دیکر فتح حاصل کی (تاریخوں میں نقل ہے کہ سکندر نے اسکو ۳۷ ہاتھی بطور تحفہ بھیجے تھے)، ذیل میں شاعر کی رباعی نقل کی جاتی ہے:

ای آنکـه خدات داد مـلك ابـدی　　　در جانبخشی به نام خود سکه زدی

اسکـندر اگـر پیل ز شـاهـان بستد　　　آنـی کهـه تـو پیل از سکندر ستدی

ملک ضیاء الملک

ملک ضیاء الملک کا تعلق بھی فیروز شاہ تغلق دربار سے تھا۔ فیروز ۷۶۱ھ میں جاجنگر کی مہم میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنے شکار کے شوق کے باعث پرم تلا اور پدماوتی کے جنگلوں میں گیا تو وہاں اس نے ہاتھیوں کا شکار کیا۔اس واقعہ کو ضیاء الملک نے حسبِ ذیل رباعی میں اس طرح بیان کیا ہے[۲]:

شـاهـی که ز حق دولت پاینده گرفت　　　اطـراف جهـان چو مهر تابنده گرفت

از بهـر شـکـار فیـل در جـاجـنـگـر　　　آمد، دو بکشت وسی و سه زنده گرفت

قاضی عابد

قاضی صیرفی کے ہم عصر قاضی عابد کا شمار بھی فیروز شاہ کے درباری شاعر میں ہوتا ہے۔ اس گمنام شاعر کا ذکر کسی فرہنگ اور تذکرے میں نہیں ملتا۔ البتہ بدایونی نے اپنی تصنیف میں عہد فیروزی کے تین اہم ترین شاعر میں شمار کیا ہے اوّل مطہر کڑہ، دوم ملک احمد اور سوم قاضی عابد۔[۳] بدایونی کے اسس بیان سے شاعر کی قدر و اہمیت کا اندازہ بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے۔ صیرفی کی طرح اس شاعر کا بھی صرف

۱۔　ٹھٹھہ کے حاکم کا لقب جو فیروز شاہ کا ہمعصر تھا۔

۲۔　منتخب: ص اوّل، ص ۲۴۷۔

۳۔　ایضاً: ج اوّل، ص ۲۵۷۔

ایک قطعہ دریافت ہوسکا ہے جوحسبِ ذیل ہے:

دوستان گویند عابد با چنین طبع لطیف
چیست که اشعار و غزل از تو فراوان بر نخاست
ما کرا شعر و غزل گوئیم چون در عهد ما
شاهد موزون و ممدوح زر افشان بر نخاست

☆☆☆

ملک احمد

فیروز شاہ تغلق کا تیسرا درباری شاعر ملک احمد پسر امیر خسرو ہے۔ اسکا شمار درباری شعراء کے علاوہ سلطان کے ندیمان خاص میں بھی ہوتا ہے۔ شعر گوئی کا شوق اس کو ورثہ میں ملا تھا لہٰذا اسکول شاعری میں کامل مہارت اور استادی حاصل تھی اگر چہ اسکا کوئی دیوان اب تک دستیاب نہیں ہو سکا ہے لیکن منتخب التواریخ کی درج ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے متقدمین کے اشعار میں اصلاح کی تھی:

"اگر چه دیوانی ازو مشهور نیست امادخلهای که در کلام متقدمین نموده در رسایل ارباب فضایل مسطور و مشهوراست[۱]"

انہوں نے ظہیر فاریابی کے حسب ذیل شعر کی اصلاح کی ہے:

زهی ربوده ز رفعت کلاه گوشهٔ تو　　کلاه گوشهٔ گردون ز روی عیاری

ملک احمد نے اسی شعر کی اصلاح اسطرح کی:

زهی طپانچهٔ قهر تو از طریق نفاذ　　فگنده از سر گردون کلاه جباری

۱۔　منتخب: ج اوّل، ص ۲۵۶

کتابیات

	کتاب	مصنف	سال اشاعت
		(الف)	
۱۔	آتشکدہ آزر	لطف علی بیگ آزر	بمبئی ۱۲۷۵ھ
۲۔	آثار الصنادید	سرسیّد احمد خاں	سینٹرل بکڈپو، دہلی ۱۹۶۵ء
۳۔	آئینہ حقیقت نما	مولانا اکبر شاہ	جاوید پریس کراچی ۱۹۵۸ء
۴۔	اخبار الاخیار	عبدالحق محدث دہلوی	مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۲۷۸ھ
۵۔	ازکار ابرار	محمد غوثی	مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۲۶ھ
۶۔	ارشادات محبوب	مسلم احمد نظامی	کتب خانہ نذیریہ، دہلی
۷۔	ارشاد السالکین	یحییٰ منیری	نسخہ خطی
۸۔	ابن بطوطہ	ایچ۔آر۔گب	براڈوے ہاؤس لندن ۱۲۷۸ھ
۹۔	اخبار الاصفیا (قلمی)	انصاری	مولانا آزاد لائبریری
۱۰۔	انیس الارواح	حسن سجزی	خطی
۱۱۔	ایسٹرن کنگس	محمد فصیح الدین	جاوید پریس
۱۲۔	آب کوثر		۱۹۵۲
		(ب)	
۱۳۔	بزرگان پانی پت	مولانا محمد میاں	مطبع جامعہ، دہلی ۱۳۵۵ھ
۱۴۔	بزم صوفیا	صباح الدین عبدالرحمان	دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء
۱۵۔	بزم مملوکیہ	صباح الدین عبدالرحمان	دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء
۱۶۔	برہان مآثر	علی طباطبائی	مطبع جامعہ، دہلی ۱۳۵۵
۱۷۔	بہمنی سلطنت	اے۔ایم۔صدیقی	ادبیات اردو حیدرآباد ۱۹۵۲ء
۱۸۔	بیاض اشعار فارسی	نامعلوم	خطی
۱۹۔	بیاض قصیدہ واشعار فارسی	نامعلوم	خطی
		(ت)	
۲۰۔	تاریخ شیراز ہند	سیّد اقبال احمد	شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس جونپور
۲۱۔	تاریخ فرشتہ	قاسم فرشتہ	نولکشور کانپور ۱۸۹۸ء
۲۲۔	تاریخ فیروز شاہی	برنی	ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ ۱۹۳۱ء

۲۳۔ تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف	جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد ۱۳۵۷ھ
۲۴۔ تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ)	ڈاکٹر سید معین الحق	لاہور
۲۵۔ تاریخ حقی	عبدالحق دہلوی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۲۶۔ تاریخ ہندوستان	ذکاءاللہ	شمس المطابع، دہلی ۱۸۹۷ء
۲۷۔ تذکرۃ الشعراء	دولت شاہ سمرقندی	بریل، لندن ۱۹۰۰ء
۲۸۔ تذکرہ حسینی	میر حسن دوست سنبھلی	نولکشور، لکھنؤ ۱۲۹۲ھ
۲۹۔ تذکرہ علماء ہند	رحمان علی	نولکشور ۱۹۲۲ء
۳۰۔ تاریخ مشائخ چشت	یحییٰ منیری	ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳ء
۳۱۔ تذکرہ مصنفین دہلی		
۳۲۔ تغلق نامہ	امیر خسرو	
۳۳۔ تغلق نامہ	پروفیسر عابدی و ڈاکٹر مقبول	
۳۴۔ تاریخ گجرات	ابوظفر ندوی	دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۸ء
۳۵۔ تاریخ مبارک شاہی	یحییٰ منیری	ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ ۱۹۳۱ء
۳۶۔ تاریخ مقالات	خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳ء
۳۷۔ تغلق کالین بھارت	اطہر عباس رضوی	مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۵۶ء
۳۸۔ تذکرہ روز روشن	ایم۔ایچ۔سبا	نولکشور پریس
۳۹۔ تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ	امجد علی خاں	
۴۰۔ تاریخ سندھ	ایس۔ایم۔تھکری	طبع پونا ۱۹۳۸ء
۴۱۔ تاریخ فیروز شاہی	اردو ترجمہ	
۴۲۔ تاریخ مبارک شاہی	ابوظفر ندوی	دارالمصنفین، دہلی ۱۹۵۸ء
۴۳۔ تذکرہ ہند و پاک	احمد معنی گلچیں	
۴۴۔ تاریخ محمدی	بہاءالدین حامد	
	(ج)	
۴۵۔ جامع تاریخ ہند	خلیق احمد نظامی	اُردو ترقی بورڈ، دہلی
۴۶۔ جوامع الکلم (فارسی)	سیّد اکبر حسینی	انتظامی پریس، حیدرآباد ۱۹۵۶ء
۴۷۔ جوامع الکلم اردو	معین الدین دُرّانی	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۰ء
	(ح)	
۴۸۔ حبیب السیر	خواند میر	

(خ)

۴۹۔ خیرالمجالس	خلیق احمد نظامی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۵۰۔ خزانہ عامرہ	آزاد بلگرامی	نولکشور کانپور ۱۸۷۱ء
۵۱۔ خیرالمجالس قلمی (ناقص)	حمید قلندر	مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ ۵۷۱/۶
۵۲۔ خلاصۃ الاشعار	محمد وارث	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۵۳۔ خلاصۃ الاشعار	نسخہ بانکی پور پٹنہ	
۵۴۔ خلاصۃ التواریخ	سجان رائے بھنڈاری	جی اینڈ سنس، دہلی ۱۹۱۸ء
۵۵۔ خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور	مطبع سرہند، لکھنؤ ۱۳۲۰ھ

(د)

۵۶۔ دیوان مسعود سعد سلمان	رشید یاسمی	موسسہ انتشارات امیر کبیر ۱۳۶۲ تہران
۵۷۔ دیوان خواجو کرمانی	احمد سہیلی خوانساری	بہ اہتمام و تصحیح چاپ اوّل برای انتشارات پاژنگ ۱۳۶۹ تہران
۵۸۔ دیوان حافظ	مترجم قاضی سجاد حسین	
۵۹۔ دیوان مطہر کڑہ	ڈاکٹر عبدالرزاق شبلی کالج	شبلی کالج، اعظم گڑھ
۶۰۔ دیوان حسن غزنوی		
۶۱۔ دیوان امیر خسرو	سعید نفیسی	باہمت کوشش۔م درویش
۶۲۔ دہلی سلطنت	محمد آر	بھارتیہ ودھیا، ممبئی ۱۹۶۰ء
۶۳۔ دیوان شمس الدین فقیر	خطی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۶۴۔ دیباچہ حسن سجزی اور انکا زمانہ	مسعود نخوی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

(ر)

۶۵۔ روضۃ السلاطین	فخری بن ہروی	سندھ ادبی بورڈ، کراچی ۱۹۶۸ء
۶۶۔ ریاض السلاطین	غلام حسین سلیم	ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ ۱۹۸۰ء
۶۷۔ ریاض الشعراء	والہ داغستانی	نیشنل آرکائیوز، دہلی ۵۴/۳۴
۶۸۔ ریاض العارفین	رضا قلی ہدایت	کتابخانہ مہدیہ، تہران ۱۹۱۶ء
۶۹۔ روضۃ الاولیاء	آزاد حسین بلگرامی	مطبع اعجاز صفدری ۱۳۱۰ھ

(س)

۷۰۔ سفینۃ الاولیاء	داراشکوہ	مطبع مدراس، آگرہ ۱۹۵۳

۷۱۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳
۷۲۔ سلطان الہند محمد بن تغلق	آغا مہدی حسین	ہندوستان اکیڈمی، الہ آباد ۱۹۳۷ء
۷۳۔ سلک السلوک	ضیاء الدین نخشبی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۷۴۔ سیر الاولیاء	امیر خورد	محب ہند، دہلی ۱۸۸۵ء
۷۵۔ سرالاولیاء	عارف ربانی	شرف المطابع، مراد آباد ۱۹۰۰ء
	(ش)	
۷۶۔ شمعِ انجمن	محمد صدیق حسین خاں	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ ۱۶۹۳ء
	(ط)	
۷۷۔ طبقات اکبری	نظام الدین احمد بدایونی	بیپٹسٹ مشن، کلکتہ ۱۹۲۱ء
۷۸۔ طبقات ناصری	منہاج سراج	کالج پریس، کلکتہ ۱۸۷۲ء
۷۹۔ طوطی نامہ	ضیاء الدین نخشبی	مطبع نامی، بمبئی
	(ع)	
۸۰۔ عرفات العاشقین	تقی اوحدی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
	(ف)	
۸۱۔ فتوح السلاطین	عصامی	آگرہ کالج، آگرہ ۱۹۳۱ء
۸۲۔ فوائد الفواد	حسن سجزی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۸۳۔ فارسی ادب کے ارتقاء میں پانی پت کا حصہ	محمد اقبال	
۸۴۔ فتوحات فیروز شاہی	فیروز شاہ تغلق	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۸۵۔ فارسی ادب بعہد سلطاین تغلق	پروفیسر شعیب اعظمی	
	(ق)	
۸۶۔ قصاید بدر چاچ	بدر چاچ	مطبع نامی، کانپور ۱۹۰۷ء
	(ک)	
۸۷۔ کلام قلندری	بوعلی قلندر پانی پتی	مطبع جت پرشاد، میرٹھ ۱۸۹۰ء
۸۸۔ کلیات سعدی	محمد علی فروغی	عباس، اقبال، اشتانی
۸۹۔ کلیات حسن سجزی	حسن سجزی دہلوی	مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد ۱۳۵۲ء

	(گ)	
۹۰۔ گلزار ابرار	اہلیہ عبدالقادر	مطبع مجددیہ، حیدرآباد ۱۳۳۰ھ
۹۱۔ گنج تاریخ	مفتی غلام سرور	نولکشور پریس، کانپور
	(ل)	
۹۲۔ لائف اینڈ ورک آف دا، امیر خسرو	وحید مرزا	انڈیا پریس، کلکتہ ۱۹۶۷ء
۹۳۔ لباب الالباب	محمد عوفی	بریل لندن ۱۹۰۶ء
	(م)	
۹۴۔ مخزن الغرائب	اے۔اے۔سندیلوی	دارالمصنفین، اعظیم گڑھ
۹۵۔ مخزان الشعراء	نورالدین خالق	مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۳۲ء
۹۶۔ مثنوی بوعلی قلندر	بوعلی قلندر پانی پتی	
۹۷۔ مختصر تاریخ ہند (ترجمہ)	ڈبلیو۔ڈبلیو ہنٹر	گورنمنٹ پریس، کراچی ۱۹۶۳ء
۹۸۔ مراۃ العارفین (قلمی)	مسعود بیگ چشتی	مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
۹۹۔ مجموعۂ لطایف وسفینۂ ظرایف	سیف جام ہروی	روٹوگراف، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
	(ن)	
۱۰۰۔ نتائج الافکار	قدرت اللہ شوق	اردشیر خاضع بمبئی
	(ہ)	
۱۰۱۔ ہندوستان کی مختصر ترین تاریخ	ڈاکٹر محمد ریاض	
۱۰۲۔ ہندوستان میں فارسی ادب (دہلی سلطنت سے قبل)	ڈاکٹر نعیم الدین	
۱۰۳۔ ہسٹری آف انڈیا	ایلیٹ	
۱۰۴۔ ہسٹری آف انڈو پرشین لٹریچر	پروفیسر نبی ہادی	ایران کلچر ہاؤس